کروسیڈ اور جہاد

مصنفہ
محمد اکبر خان ارنگروٹ

کروسیڈ اور جہاد

محمد اکبر خان (رنگروٹ) میجر جنرل
کرنل کمانڈنٹ آئی اے ڈی سی
جنرل ایڈ قائداعظم پاکستان

"قدسی" کراچی-۲۹

بار اوّل .. .. دو ہزار

سنہ ۱۹۶۱ء

طابع .. .. نگار پریس۔ کچہری بازار۔ لائل پُور

زیر اہتمام .. .. علی محمد خادم

قیمت .... سات روپے

ملنے کا پتہ .... پرنسپل اسلامیہ کالج۔ لائل پُور

اِنتساب

میں اپنے ان تصنیفی جگر پاروں کو جو مجھے جان سے زیادہ عزیز ہیں، اپنی جان سے کہیں زیادہ عزیز بھائیوں اور ناناجان مرحوم کے ناموں سے منسوب کرتے ہوئے فخر و مسرّت محسوس کر رہا ہوں

میری مُراد اِن سے :۔

محمّد باقر خاں مرحوم

میجر جرنل محمد افتخار خاں مرحوم

محمد ظفر خان بریگیڈیئر پاکستان آرمی

میجر جنرل محمد انور خان انجنیئر این چیف پاکستان آرمی

بریگیڈیئر محمّد افضل خان پاکستان آرمی

بریگیڈیئر محمّد یوسف خاں پاکستان آرمی

اور

ناناخان صاحب آغا عنایت اللہ خاں مرحوم ہیں

جن میں سے ہر ایک خاندان کا چشم و چراغ ہونے کے باعث اس اِنتساب کا حقدار ہے۔ اور اِس علمی یادگار کے ذریعہ سے ان کا نام زندہ رکھنا میرا فرضِ اوّلیں ہے۔

مصنّف

پیش کش

میں اپنی یہ ناچیز تصنیف شیخ محبوب الٰہی صاحب
صدر انجمن اسلامیہ لائل پور، خان حشمت خان پرنسپل
اساتذہ اور طلبائے اسلامیہ کالج کی فرمائش پر بطور
ہدیہ انجمن اسلامیہ (رجسٹرڈ) لائل پور کو پیش کرتا ہوں

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

محمدؐ اکبر خان (رنگروٹ)
میجر جرنل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حرفِ اوّل

اسلام کی دفاعی تاریخ کو از سرِ نو لکھنے کی از حد ضرورت ہے۔ صرف اس لئے نہیں۔ کہ تاریخ کا تصور بدلتا رہا ہے یا بدل رہا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ ہر ایک ملک اور قوم کی تاریخ کو ہر دور میں از سرِ نو لکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور مغربی اقوام جہاں تک ان کی اپنی تاریخ کا سوال ہے۔ یہ خدمت بہت عُمدگی سے انجام دیتی رہی ہیں اور دے رہی ہیں۔ اس کے برعکس مسلمانوں نے اس وقت سے جب سے کہ ان کا دورِ انحطاط شروع ہوا ہے۔ اس طرف سے قطعی بے توجہی کا ثبوت دیا ہے۔ جس کے نتائج سخت نقصان دہ نکلے۔ مثلاً مسلمانوں میں دفاعی تاریخ کے مطالعہ کا ذوق نہ صرف بہت محدُود ہو گیا ہے۔ بلکہ پست بھی ہو گیا چنانچہ اس تاریخی ذوق کے فقدان کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ ہم آج اس مقام پر کھڑے ہیں جہاں اپنی ہی تاریخ کو ہم ان اغیار سے پُوچھنے پر مجبور ہیں جنہوں نے اسے مسخ کر دیا ہے اور ایسے رنگ میں پیش کیا ہے۔ کہ اس کا اثر ہمارے نوجوانوں اور طلباء کے ذہنوں پر بے حد بُرا ہوا۔ کیونکہ بجائے اس کے کہ اُن کو یہ معلوم ہو۔ کہ ہمارے آبا و اجداد نے اپنے بنیادی اُصولوں پر کس طرح عمل کیا اور وہ کس طرح بلندی پر پہنچے۔ موجودہ تعلیم کے

نصاب سے ان کے دماغوں میں یہ خیالات جاگزین ہو جاتے ہیں۔ کہ ہماری تاریخ بربریت، قتل و غارتگری اور خونریزی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ درحقیقت مغربی مورخوں نے اسلام کی تاریخ کو یورپ میں دانستہ طور پر اتنا بگاڑ کر پیش کیا ہے۔ کہ ہم اُس کا وہم و گمان بھی نہیں کر سکتے۔ اس غلط بیانی کی حسب ذیل چند وجوہات ہیں:۔

۱۔ جب اسلامی جذبۂ جہاد کے باعث اسلام بہت سُرعت کے ساتھ ایشیا میں پھیل گیا۔ تو پاپائے رُوم اور یورپ کے پادریوں پر یہ خوف طاری ہو گیا۔ کہ کہیں مسلمان ایشیا کی طرح سے یورپ پر بھی نہ چھا جائیں۔ لہٰذا انہوں نے جہاد کے جواب میں کروسیڈ یعنی صلیبی جنگ کا محاذ قائم کیا۔

۲۔ مذہبی اور نسلی تعصب کی بنا پر سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت غلط اور بیہودہ باتوں کا پراپیگنڈا کیا گیا۔ اور اُن کو تاریخی رنگ دے کر بالکل بے بنیاد واقعات کی صُورت میں پیش کیا گیا۔ اس حقیقت کی اگر آپ تصدیق چاہتے ہیں۔ تو گبن کے اس قول میں دیکھئے۔ کہ اُس نے کہا کہ "اسلام ابدی حقیقت اور لازمی من گھڑت قصوں کا مجموعہ ہے۔"

۳۔ اسلامی فتوحات نے جو مسلمانوں کو ایران اور رُوما کے خلاف حاصل ہوئیں، اہلِ یورپ کو خوفزدہ کر دیا تھا۔ لہٰذا یہ ضروری تھا۔ کہ اہل یورپ کو کمتری کے خطرناک احساسات سے بچا کر ان میں خودداری پیدا کی جائے۔ اسی مقصد کو مدِنظر رکھتے ہوئے مغربی مورخین نے صرف اٹھارہویں صدی اور اُس کے بعد کی تاریخی کتابوں کو مستند اور صحیح قرار دیا۔ کیونکہ اٹھارہویں صدی ہی میں اسلامی دور کا زوال شروع ہوا۔ اور عیسائی حکومتوں کا ستارہ چمکا۔

لطف تو یہ ہے۔ کہ ہم اپنی ذہنی شکست مانتے ہوئے اب یہ سوچنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ کہ تاریخ کا عظیم ترین انقلاب اٹھارہویں صدی میں ہوا۔ اگر اسلامی اور مغربی تحریکوں کا مقابلہ کیا جائے اور ان کے نتائج پر غور کیا جائے۔ تو وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے اور ہر انصاف پسند اس نتیجہ پر پہنچے گا۔ کہ حقوق کی ہمہ گیری، نتائج کی دُوررسی اور انسانی تہذیب کو نئی راہیں سُلجھانے کی بنیاد پر اگر دیکھا جائے تو اسلام اور یورپین انقلاب کا (جس میں فرانس نے نمایاں حصّہ لیا) کوئی مقابلہ نہیں۔ امریکی یا یورپی انقلاب صرف یہ دعویٰ کر سکتا ہے۔ کہ اُس نے متمدّن اور ترقی یافتہ دُنیا کے ایک حصّے کو آگے بڑھایا۔ مگر جب ہم ترقی کو مجموعی طور سے دیکھتے ہیں۔ تو اُسے یورپ میں نہیں بلکہ اسلامی مرکز میں پاتے ہیں۔ یہی وہ سرچشمہ ہے۔ جس سے پہلے یورپ اور پھر امریکہ فیضیاب ہوا۔ اور آج رُوس اسی سے اپنی پیاس بجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔

صلیبی جنگوں کے حالات اس بیان کی واضح دلیل ہیں۔ اسلام نے یورپ کی بربریت اور وحشیانہ زندگی کی نہ صرف اصلاح کی۔ بلکہ انسانی حیات کے ہر شعبے میں حیرت انگیز اصلاحی انقلاب برپا کیا۔ اور یورپ کے تمدّن کی قدروں کو یا تو بالکل بدل دیا اور یا اس میں ترمیم اور اصلاح کی۔ اُخوّت، مساوات اور آزادی کے تین نظریئے جو انقلاب فرانس کے بُنیادی اُصول متصوّر ہوتے ہیں۔ فرانسیسیوں نے صلیبی جنگوں کے دوران میں مسلمانوں کے ساتھ ملنے جلنے سے حاصل کیئے۔ مگر اس نقل کو اہل مغرب نے اپنی کمتری کو چھپانے کی غرض سے ایسا رنگ دیا۔ جو صرف ملمع بن کر رہ گیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد اس کی آب و تاب بالکل پھیکی پڑ گئی۔ مساوات کو ہی لیجئے۔ فرانسیسی انقلاب کے بعد یورپ اور امریکہ تو کُجا آجکل دُنیا

کے کسی حصے کے سفید رنگ عیسائی انسان کو یہ یقین نہیں آسکتا۔ کہ مساوات کا تقاضا یہ ہے۔ کہ اس میں اور سیاہ رنگ کے غیر متمدن فرقوں میں سے کسی ایک فرد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یورپ، امریکہ اور جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ اقوام متحدہ اور دیگر بین الاقوامی ادارے، الجزائر یا افریقہ میں سفید رنگ والوں کو انصاف کرنے پر مجبور کرنے سے عاجز رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کالے اور گورے کے لئے بین الاقوامی قوانین پر عمل درآمد موقع کی مناسبت اور حالات کے مطابق ہوتا ہے۔ یورپ کی مقدس صلیبی جنگوں اور بین الاقوامی قانون ہیں محض اس لئے ترمیم کی گئی۔ کہ یہ جنگ عیسائیوں اور بے دینوں (اس سے عیسائیوں کے نزدیک مسلمان مراد ہیں) کے درمیان تھی۔ لہٰذا زہر آلودہ اور جسم کو چھلنی کرنے والے تیر کر دسیڈ میں بے دینوں کے خلاف استعمال کرنا جائز قرار پایا۔ علاوہ ازیں یورپ نے یہ بھی فرمان جاری کر دیا۔ کہ بے دینوں سے وعدہ خلافی یا تحریر شدہ معاہدوں پر عمل نہ کرنا بالکل واجب اور جائز ہے۔ وعدہ شکنی صرف اس وقت گناہ کبیرہ ہے۔ جب کہ یہ دو عیسائی فریقین میں ہو۔

دُور کیوں جائیں ابھی چند سال کی بات ہے، جبکہ اتحادیوں نے ہیروشیما پر اٹیم بم پھینک کر بربریت کا پُورا پُورا ثبوت دیا۔ الجزائر میں مسلمانوں پر فرانسیسی جو مظالم ڈھا رہے ہیں۔ وہ ناقابل بیان ہیں۔ فرانسیسی فوج کے پاس نیٹو معاہدہ کے تحت دیئے ہوئے اسلحہ ہیں۔ جو ان نہتے عوام کے خلاف استعمال کیئے جا رہے ہیں۔ مغربی مورخین ان واقعات کو بالکل مختلف رنگ دے کر اپنی تاریخ مرتب کر رہے ہیں۔

اسلام نے مساوات کا ایک تصور پیش کیا ہے۔ جس کی جامعیت کی کوئی مثال نہیں

ملتی۔ وہ یہ ہے کہ خدا کے ہاں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے۔ جو سب سے زیادہ خدا ترس اور پرہیزگار ہے۔ چنانچہ اس کا عملی ثبوت یہ ہے۔ کہ جب پیغمبر اسلام نے رومیوں کے خلاف ایک مہم روانہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ تو حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اس کا سالار مقرر کیا۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی ان کی کمان کے ماتحت ایک سپاہی کی حیثیت میں شامل تھے۔ مگر ابھی یہ مہم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر غور تھی۔ کہ آپؐ کا وصال ہو گیا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ خلیفہ مقرر ہوئے۔ تو آپ نے مسند خلافت پر بیٹھ کر بعض پیدا شدہ فتنوں کا استیصال کر کے سب سے پہلا کام انجام دینے کا ارادہ کیا۔ وہ وہی تھا۔ جس کا ارادہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے حسب تجویز پیغمبر علیہ السلام شام پر لشکر کشی کے لئے لشکر روانہ فرمایا۔ اور اُس کا سپہ سالار حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بنایا گیا۔ بعض صحابہ کی مخلصانہ رائے یہ تھی۔ کہ حضرت اسامہؓ سے اور بہت سے حضرات افضل ہیں۔ لہٰذا اس مہم پر ان کی بجائے کسی اور کو بھیجا جائے۔ لیکن حضرت صدیقؓ نے فرمایا۔ کہ جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منتخب کیا ہو۔ اُس کے خلاف صدیق کی کیا مجال ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد کسی کو لب کشائی کی جرأت نہ ہو سکی۔ جب یہ لشکر روانہ ہوا۔ تو حضرت اسامہؓ سواری پر تھے۔ اور امیر المؤمنین حضرت ابوبکرؓ اُن کے ساتھ ساتھ ہمرکاب پیدل رخصت کرنے کے لئے جا رہے تھے۔ اسلام سے قبل عبرانی اور یونانی تاریخ نویسی کی روایات قائم ہو چکی تھیں۔ یہی نہیں بلکہ ان روایات کو دوسری قوموں نے اپنے نشان راہ کے لئے بنیادی حیثیت بھی شروع کر دی تھی۔ اس کا اندازہ ہم اس طرح سے لگا سکتے ہیں۔ کہ

مغرب کی تمام قوموں نے اس فن کا وہی نام رکھا۔ جو یونانیوں نے تجویز کیا تھا یعنی ہسٹوریا (HISTORY) مغرب میں اس فن کی شکل تو بدلتی رہی۔ مگر نہ صرف اصل یہی رہی بلکہ تصور میں بھی کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

مسلمان اس لکیر کے فقیر نہ بنے۔ بلکہ انہوں نے اس فن کا نام "تاریخ" رکھا۔ لہٰذا انہوں نے قصوں اور کہانیوں کو جو بے اصل ہوتی ہیں۔ اور جن کی صداقت میں شبہہ کی بہت گنجائش ہوتی ہے تاریخ سے الگ کر کے اسے "اساطیر" کے لقب سے یاد کیا۔ "تاریخ" کا لفظ اس لیے منتخب کیا کہ تاریخ کے معنی ہیں واقعہ کے مہینہ کا مقرر کرنا۔ اور واقعات کے لیے متعین زمانہ کو اتنی اہمیت دی۔ کہ مسلم مورخین نے دن اور تاریخ ہی نہیں بلکہ وقت اور ساعت کو بھی بہت ضروری سمجھا۔

طبری۔ ابن اثیر۔ بلاذری وغیرہ نے تاریخ نویسی کے سلسلے میں مسلمانوں کے لئے قابل یادگار اور عظیم الشان کارنامے چھوڑے ہیں۔ اور انہوں نے تاریخی شواہد کی تحقیق اور تنقید کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے۔

اُدھر مغرب کے مفکر اٹھارہویں صدی تک اسی شش و پنج میں رہے کہ تاریخ سائنس کا درجہ حاصل کر سکتی ہے یا نہیں۔ کیا ان کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ ان سے چار سو سال پہلے مشرق کا یہ مفکر اس شبہ کا جواب اس قدر مفصل اور مدلل طریقہ سے دے چکا ہے۔ کہ بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے وہ چراغ راہ کا کام دے سکتا ہے۔ آپ خود معلوم کر لینگے کہ صلیبی جنگوں کے حالات اس سوال کا جواب آپ ہونگے گبن، ولیم میور اور ایسے دیگر مغربی مورخین نے یا تو تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہے یا تعصب سے۔ ان دونوں کمزوریوں کی بنیادی وجہ کمتری کے

احساسات ہیں۔

چونکہ تہذیبیں انقلابات سے متاثر ہوتی ہیں۔ اس لئے دفاعی تاریخ کو ہر دور میں زندگی کے نئے تقاضوں اور نئی قدروں کی روشنی میں مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ بالفاظ دیگر گو دفاعی اور سیاسی حالات بنیادی طور سے ایک ہی رہے ہیں۔ مگر دفاعی تاریخ کا تصور اور اس کا دائرہ ہر زمانے میں بدلتا رہا ہے۔

جہاں تک اسلامی دفاعی تاریخ کا تعلق ہے۔ اس کو صدیوں سے نئے لباس میں جلوہ گر ہونے کا موقع نہیں ملا ہے۔ اور جہاں کہیں یہ کوشش کی بھی گئی ہے۔ تو یہ کام ان حضرات کے ہاتھوں انجام کو پہنچا ہے۔ جو مذہبی۔ نسلی۔ وطنی یا اس قسم کے دوسرے تعصبات کا شکار تھے۔ مَیں بھی اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کو محسوس کرتے ہوئے اس کام میں مشغول رہا ہوں۔ چنانچہ یہ کتاب ملٹری سائنس کی آٹھویں کڑی ہے۔ اگر میری اہلیہ اور میرے بچے رضیہ حمید۔ علی۔ ذکیہ ماجد۔ بانو عزیز۔ حمیدہ جمال۔ خالد اور آمنہ میری حوصلہ افزائی نہ کرتے۔ اور ہر طرح سے کتابوں کی دستیابی میں میری مدد نہ کرتے۔ تو کچھ بعید نہ تھا۔ کہ بدلتے ہوئے حالات اور میری ذاتی دشواریاں میری تاریخ نویسی کا سلسلہ بند کر دیتیں۔ مَیں اللہ تعالےٰ کا شکر گذار ہُوں۔ کہ بارگاہ عالی نے ان سب کے دلوں میں اسلامی خدمت کے جذبہ کے ساتھ قناعت بھی کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے۔ اللہ تعالےٰ اس میں اور بھی روز افزوں ترقی دے۔ آمین، ثم آمین۔

مَیں اُن احباب کا بھی ممنون ہُوں۔ جنہوں نے مختلف اوقات میں مجھے

اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمایا۔ خصوصاً اپنے محترم دوست مولانا محمد متین صاحب خطیب مفسّر قرآن ریڈیو۔ کمانڈر عبد اللطیف صاحب پروفیسر زراعتی کالج۔ پروفیسر سیّد ماجد علی صاحب اسلامیہ کالج لائل پور۔ آغا محمد یوسف خان صاحب پنشنر پی۔ سی۔ ایس اور محمد اصغر صاحب لائبریرین کارپوریشن لائبریری لائل پور جنہوں نے میرے ان خیالات کی نہ صرف قدر کی۔ بلکہ میری قلمی کاوشوں کو اپنا قیمتی وقت خرچ کرکے مطالعہ کیا جس کے لئے میں ان کا بے حد ممنون ہوں ؎

محمد اکبر خان میجر جنرل

(نگار پریس لائلپور میں چھپی)

کروسیڈ یا صلیبی جنگ کا تعارف

اور

کتاب لکھنے کی غرض وغایت

جن اصحاب نے کانونٹ یا گریمر سکولوں میں تعلیم پائی ہے یا اس قسم کے اسکولوں میں اُن کے بچّے تعلیم پا رہے ہیں وُہ ان دو حروف سے ضرور آشنا ہوں گے۔

بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں۔ جن کو یاد ہو گا۔ پہلی جنگ عظیم میں جب اتحادیوں نے ترکوں کے خلاف اعلان جنگ کیا اور لڑائیاں لڑیں تو انگریزی الفاظ میں اس جنگ کو کروسیڈ، یعنی صلیبی جنگ کہا گیا۔ اور ہمارے اُردو پریس کے اکثر اخبارات اور رسالے وغیرہ اسے "جہاد" کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں پہلی جنگ عظیم کے دوران میں عوام کے لئے بالعموم اور محکمۂ دفاع کے لئے بالخصوص حکومت ہند کے "محکمۂ اشاعت" نے ایک رسالہ "مسئلہ خلافت پر دیانتدارانہ گفتگو" کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ جس میں یہ لکھا تھا:۔

"مسلمانانِ ہند کا سلطان ترکی کو خلیفہ ماننا ایک نئی چیز ہے۔ اور یہ اس صدی کی جدت ہے۔ یہ سیاسی پان اسلامی تحریک کی ترقی کا نتیجہ ہے۔ اور اس دعویٰ کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ہے۔ کہ مسلمانانِ ہند کے لئے خلافت میں سلطان ترکی کی دنیوی اطاعت کا مفہوم پوشیدہ ہے ۔۔ ۔۔ ۔۔"

ابھی چند سالوں کی بات ہے۔ کہ اتحادیوں نے جب جرمنی اور اُس کے خوفزدہ ساتھیوں کے خلاف دُوسری جنگ عظیم کا محاذ قائم کیا۔ تو اُسے تمام مغربی اقوام نے صلیبی جنگ کے نام سے پکارا۔

دُور کیوں جائیے۔ آجکل بھی ہمارے مغربی رنگ میں ڈوبے ہوئے لیڈر بسا اوقات اپنی تقریروں اور تحریروں میں کسی بدی کے مٹانے کی "جدوجہد" کو "کروسیڈ" کے لقب سے پکارتے ہیں۔

مجھے اُردو زبان تو کیا انگریزی زبان میں بھی کوئی ایسی کتاب نہ ملی۔ جو اس لفظ "کروسیڈ" کی صحیح ترجمانی کرتی ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ مختلف کتابوں کے پڑھنے سے اس لفظ کی نوعیت اور اُس کے اثرات کا پتہ چلتا ہے۔ بہرحال مَیں نے اسی وجہ سے یہ کتاب لکھی ہے۔ تاکہ ایک ہی کتاب میں کروسیڈ کے لفظ سے شناسائی ہو جائے۔

دُوسری وجہ اس کتاب کے لکھنے کی دُوسری وجہ یہ ہے۔ کہ جدید تمدن کے اثرات جنہوں نے دینی اور دُنیاوی حکومتوں کو ایک دُوسرے سے الگ الگ کر دیا ہے۔ کہاں تک مسلمانوں کے لئے موجب تقلید اور مفید ہیں۔ یا یُوں کہیئے کہ آیا ہم مسلمانوں نے تاریخی واقعات پر غور و خوض

کرکے اس مسئلہ کی اہمیت کو کبھی سمجھنے کی کوشش کی ہے۔کیا حسب ذیل سوالات پر غور کرنے کا کبھی ہمارے دل میں خیال آیا ہے۔

۱۔ کیا رومن کیتھولک چرچ میں آجکل اس دور جدید کے اثرات کا غلبہ ہے۔اگر ہے تو یہ کب سے اور کیونکر شروع ہوا؟

۲۔ پروٹسٹنٹ چرچ میں بادشاہ مذہب کے پاسبان کب سے بنے؟

۳۔ ان بادشاہوں کی تاج پوشی کی رسم کا مرکزی گرجا گھر میں ہونا کب سے یا کیوں لازمی قرار دیا گیا؟

۴۔ جب مغربی حکومتیں خود تو اپنے بادشاہ یا صدر جمہوریت کو عیسائیت کا نگران و پاسبان مانتی ہیں۔تو پھر یہ لوگ خلافت کے کیوں مخالف ہیں؟

۵۔ کیا ان کا مقصد کروسیڈ سے اب بھی وہی ہے۔جو تاریخی واقعات بتاتے ہیں۔

تیسری وجہ چونکہ صلیبی جنگوں میں مشرق اور مغرب کی افواج میں کئی صدیوں تک کئی بار زبردست لڑائیاں ہوئیں۔لہٰذا ان مشاہدات سے ہم یہ معلوم کر سکیں گے کہ مغربی دفاعی ماہرین کا یہ قول کہاں تک صحیح ہے۔کہ مشرقی اقوام (یعنی اسلامی دُنیا) منظّم اور بیباک شجاع و بہادر سپاہی تو پیدا کر سکتی ہیں۔مگر یہ اقوام سپہ سالار اور جرنیل پیدا نہیں کر سکتیں۔ان جنگوں کے حالات پڑھنے سے ہمیں یہ پتہ چل جائے گا۔کہ مغربی دُنیا نے یہ ڈھونگ کیوں رچا رکھا ہے۔کہ کروسیڈ تو نیکی کی مشعلِ راہ ہے۔اور جہاد مجسّم بربریّت ہے۔

طرزِ تحریر میرا طریقہ تحریر سابقہ تصانیف کے مطابق ہوگا۔ میں نے اپنی اس تصنیف میں بہت سی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ اس لئے ان تمام مصنّفوں کا شکر گذار ہوں جنہوں نے یہ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اور جو میرے لئے مشعلِ راہ بنے۔ اور جن کا نام یہاں پیش کرنا ایک طویل فہرست پیش کرنے کے مترادف ہے۔ جو مشکل ہی نہیں بلکہ تکلّف سے خالی نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ملٹری سائنس کے متعلق زیادہ تر خیالات میرے اپنے ہیں۔ لیکن جہاں میں نے دوسرے دفاعی مبصرین کی رائے کے ساتھ خصوصی طور سے اتفاق کیا ہے۔ وہاں پر میں نے اُن کے ناموں کو درج کر دیا ہے ؛

محمّد اکبر خان میجر جنرل

پہلا باب

اسلام کا تصوّرِ جہاد

نفس انسانی کا احترام انسانی تمدّن کے لئے جو چیز بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ انسانی خون کا احترام ہے جب تک انسانی خون کا احترام قائم نہ ہو۔ اور ایسے وسائل و ذرائع موجود نہ ہوں۔ جو نفس انسانی کی حفاظت کے کفیل ہوں۔ اس وقت تک نہ تو امنِ عامہ قائم رہ سکتا ہے اور نہ وُہ اطمینان و سکون کی فضا پیدا ہو سکتی ہے۔ جو بہترین تمدّن کے لوازمات میں سے ہے۔ نفس انسانی محفوظ ہونے کی صُورت میں ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دے سکتا ہے۔ جو اس کے لئے سرمایۂ افتخار ہو سکتے ہیں اور جو انسانیت کے عروج وارتقار میں بے حد ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں جب نفس انسانی بے قیمت ہو کر رہ جائے۔ اس کا کوئی احترام نہ ہو۔ اس کی

حفاظت کا کوئی بندوبست نہ ہو۔ تو ظاہر ہے۔ کہ ایسے نامساعد حالات میں انسانی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔

اسلام پہلا مذہب ہے۔ جو نفس انسانی کا احترام قائم کرتا ہے۔ اور اسے انتہائی طور پر مقدس قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید کے بیشتر مقامات میں کسی کو بلا وجہ قتل کرنے سے روکا گیا ہے۔ نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۞ (الفرقان ۔ ۶)	وہ اس جان کو جسے اللہ نے حرام قرار دیا بغیر حق کے ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں جو ایسا کرے گا وہ کئے کی سزا پائے گا۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ	اے محمدؐ کہو کہ آؤ میں تم کو بتاؤں کہ اللہ نے تم پر کیا کیا حرام کیا ہے۔ تم پر واجب ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ والدین سے نیک سلوک کرو۔ اپنی اولاد کو مفلسی و تنگدستی کے باعث قتل نہ کرو۔ ہم جہاں تم کو رزق دیتے ہیں ان کو بھی دیں گے۔ بدکاریوں کے قریب بھی نہ پھٹکو، خواہ وہ چھپی ہوئی ہوں یا کھلی۔ کسی ایسی جان کو قتل نہ کرو۔

الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○

(انعام - ١٩)

جس کا قتل حرام ہے سوائے اُس صورت کے کہ ایسا کرنا حق کا تقاضا ہو۔ اللہ نے ان باتوں کی تمہیں تاکید کی ہے۔ شاید کہ تم کو کچھ عقل آئے۔

ظہورِ اسلام سے قبل عربوں کی درندگی

آنحضرت صلعم نے جس ماحول میں آنکھ کھولی۔ وہاں قتل و غارت لُوٹ کھسوٹ اور حسب و نسب کو معائب کی بجائے مفاخر تصور کیا جاتا تھا۔ عرب کے شعراء و خطباء اپنے خطبات اور اشعار میں علانیہ اس کا ذکر کرتے تھے۔ جنگ کا محرک کوئی بڑا واقعہ نہیں بلکہ معمولی امور ہوتے تھے۔ جن کی بنا پر وہ لڑائی سالہا سال تک جاری رہتی تھی۔ مشہور حرب بسوس جو بنی تغلب اور بنی بکر بن وائل کے درمیان کامل چالیس برس تک جاری رہی۔ صرف اتنی سی بات پر ہوئی تھی کہ بنی تغلب کے سردار کلیب کی چراگاہ میں بنی بکر بن وائل کے ایک مہمان کی اُونٹنی گھس گئی۔ اور دوسری جنگ "حرب داحس" کے نام سے مشہور ہے۔ محض گھوڑ دوڑ میں ایک گھوڑے کے آگے نکل جانے پر برپا ہوئی تھی۔ جنگ کے دوران میں دُشمن کو قتل کرنا اس کے اعضاء کا مُثلہ کرنا ہر ممکن طریق سے اس کی توہین و تذلیل کرنا دشمن کی عورتوں کی عصمت دری یہ سب اُمور نہ صرف جائز سمجھے جاتے تھے۔ بلکہ ان پر علانیہ فخر کیا جاتا تھا۔

دیگر ممالک کے طریقہ ہائے جنگ

عرب کے حالات کو چھوڑ دیجیے۔ کیونکہ عربوں کی جہالت و ناشائستگی کا

عام چرچا ہے۔ وُہ مدنیت و تہذیب سے یکسر عاری تھے۔ مگر وہ قومیں جو تہذیب و تمدّن کی علم بردار سمجھی جاتی تھیں وُہ بھی اس درندگی اور بربریت سے خالی نہ تھیں، رُوم اور ایران تہذیب و تمدّن۔ علم و ادب اور شان و شوکت کے اعتبار سے اُس دَور کی عظیم ترین سلطنتیں تصوّر کی جاتی تھیں۔ مگر با ایں ہمہ دعویٰ تہذیب جب یہ دونوں ملک ایک دُوسرے پر حملہ آور ہوتے تو بہیمیت و درندگی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے۔ خسرو پرویز نے جب قیصر ماریس کا بدلہ لینے کے بہانہ سے سلطنت رُوم کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ تو اپنے حدود مملکت میں مسیحیوں کے کلیسا مسمار کرا دیئے۔ نذر کے اموال لوٹ لئے اور صلیب پرستوں کو آتش پرستی پر مجبُور کیا۔ ۶۱۵ء میں جب اُس نے بیت المقدس کو فتح کیا۔ تو وہاں کے بطریق اعظم ذکرماہ کو گرفتار کر لیا۔ سینٹ ہلینا اور قسطنطنین کے عظیم الشان کنیسوں کو آگ لگا دی۔ تین سو سال کی جمع شدہ مذہبی یادگاروں اور نذر و نیاز کی قیمتی اشیاء کو لوٹ لیا۔ اور نوّے ہزار عیسائیوں کو قتل کیا۔ اس کے جواب میں ہرقل نے شمال کی جانب سے ایران پر حملہ کیا۔ تو مجوسیوں کے آتش کدوں کو برباد کرا دیا۔ زرتشت کے وطن ارمیاہ کو پیوند خاک کیا اور مجوسی مذہب کی توہین و تذلیل میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔

تاریخ ایسے واقعات سے پُر ہے۔ جن سے ان مہذّب قوموں کی وحشت و بربریت عیاں ہوتی ہے۔ مگر یہاں ان کی تفصیلات ذکر کر کے بیان کو طوالت دینا پیش نظر نہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جنگ کا تصوّر اسلام سے قبل کیا تھا۔

جہاد کا اسلامی تصوّر

اسلام نے جنگ کا نقطۂ نظر ہی بدل دیا۔ اسلام کے نزدیک جنگ کا مقصد قتل و غارت مال غنیمت کا حاصل کرنا یا حدود سلطنت کی توسیع نہیں۔ بلکہ اسلام کی نظر میں جنگ ایک ناگزیر معصیت (Necessary Evil) ہے۔ جس سے ہر انسان کو پرہیز کرنا چاہیئے۔ اور اس کی طرف صرف اسی صورت میں رجوع کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ اس سے بڑا فتنہ رُونما ہو چکا ہو۔ تو اُس کے ازالہ کے لئے دفع مضرت کے لئے جنگ کی جا سکتی ہے۔ بلکہ ایسی صُورت میں جنگ کرنا ہر مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے۔ گویا اسلام کی اصطلاح میں جنگ کا مقصد دشمن کی ہلاکت نہیں۔ بلکہ اُس کی شرارت کا ازالہ ہے۔ لہذا اس کے لئے صرف اتنی قوت ہی استعمال کرنا چاہیئے۔ جو دفع شر کے لئے ضروری ہو۔ اور انہی لوگوں کے خلاف جو شر کے موجب و محرک ہوں۔ اسی لئے اسلام نے تمام سابقہ اصطلاحات کو چھوڑ کر جنگ کے لئے "جہاد فی سبیل اللہ" کی اصطلاح وضع کی۔ جہاد کا لغوی مفہوم کسی مقصد کے حصول کے لئے انتہائی جہد و سعی ہے۔ اسلام کی یہ مقررہ کردہ اصطلاح جنگ کے جاہلی تصورات سے قطعی طور پر پاک ہے۔ دورِ جاہلیت میں جنگ کو حرب۔ کریہہ۔ شر۔ ردع وغیرہ ناموں سے پکارتے ہیں۔ جن سے جنگ کا مقصد واضح تو ہو جاتا ہے۔ مگر لفظ جہاد میں ایسا کوئی تصور موجود نہیں۔ بلکہ جہاد کے معنی ہر وہ جہد و سعی ہے۔ جو اعلاء کلمۃ الحق کے لئے عمل میں لائی جائے۔

اس پاکیزہ تصور کے تحت اسلام نے جہاد کا ایک مکمل ضابطہ وضع

کیا۔ آدابِ جنگ اس کے اخلاقی حدود مقاتلین اور غیر مقاتلین کا امتیاز، اور ہر ایک کے حقوق، مفتوح قوموں کے حقوق تفصیل کے ساتھ بیان کئے۔ علاوہ ازیں پیغمبرِ اسلامؐ اور آپ کے خلفاء راشدین نے اسلامی جنگ کے پاکیزہ عملی نمونے زندہ چھوڑے۔ جو مسلمانوں کے لئے بہتر لائحۂ عمل ہیں۔ اور اس بات کا زندہ ثبوت کہ اسلام کی نظر میں فقط یہ کافی نہ تھا۔ کہ کاغذ پر قوانین جنگ ضبط کئے جائیں۔ بلکہ جنگ کی عملی اصلاح مقصود تھی اور ان مفاسد کا استیصال مقصود تھا۔ جو اس دور کے جنگ میں پائے جاتے تھے۔ اسی لئے آنحضرت صلعم نے جہاد فی سبیل اللہ کے معنے اور وہ حدود جو اسے دوسری جنگوں سے ممتاز کرتے ہیں، پوری طرح واضح کر دیئے۔ اس بارہ میں کثرت سے احادیث مروی ہیں۔

ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے:۔

جاء رجل الی النبی صلعم فقال الرجل یقاتل للمغنم والرجل یقاتل للذکر والرجل یقاتل لیریٰ مکانہ فمن فی سبیل اللہ قال من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ۔	ایک شخص رسول اللہ صلعم کے پاس حاضر ہوا اور بولا کہ کوئی شخص مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے کوئی شہرت ناموری کے لئے جنگ کرتا ہے۔ کوئی اپنی بہادری دکھانے کے لئے جنگ کرتا ہے۔ فرمائیے کہ ان میں سے کس کی جنگ راہِ خدا میں ہے۔ حضور نے جواب دیا کہ راہِ خدا کی جنگ تو صرف اس شخص کی ہے جو محض اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے لڑے؛

یہ تعلیم جنگ کو تمام دُنیوی مقاصد سے پاک کر دیتی ہے۔ نمود و نمائش طلب عزت، حصول غنیمت، تسخیر ممالک، قومی تعصب ان میں سے کسی مقصد کے لئے جنگ کرنا جائز نہیں۔ بلکہ جہاد کا اصلی مقصد فقط اعلاءِ کلمۃ الحق ہے۔

جنگی اصلاحات

اسلام نے صرف مقصدِ جنگ کو ہی تبدیل نہیں کیا۔ بلکہ طریق جنگ میں بھی بہت سی اصلاحات کیں۔ دورِ جاہلیت کی تمام وحشیانہ حرکات کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے متعلق بکثرت امتناعی احکام موجود ہیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلی چیز یہ ہے۔ کہ محاربین کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک اہلِ قتال دُوسرے غیر اہل قتال۔ اہل قتال وُہ ہیں۔ جو عملاً جنگ میں حصّہ لیتے ہیں۔ جیسے جوان آدمی وغیرہ۔ اور غیر اہلِ قتال وُہ ہیں جو کسی طرح جنگ میں حصّہ لینے کے قابل نہ ہوں۔ مثلاً عورتیں، بچّے، بُوڑھے، بیمار، زخمی، اندھے، زاہد، مندروں کے پُجاری اور اسی طرح کے دُوسرے بے ضرر لوگ۔ اسلام نے غیر اہل قتال کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ کہ رسُول پاکؐ نے فرمایا:۔

لا تقتلوا شیخاً فانیاً ولا طفلاً صغیراً ولا امرأۃ ولا تغلوا وضموا غنائمکم واصلحوا واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین۔	نہ کسی بُوڑھے ضعیف کو قتل کرو۔ نہ چھوٹے بچوں کو اور نہ عورت کو، اموال غنیمت میں چوری نہ کرو۔ جنگ میں جو کچھ ہاتھ آئے سب ایک جگہ جمع کرو، نیکی و احسان کرو۔ کیونکہ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

جنگی اصطلاحات کے ضمن میں آنحضرت صلعم نے دشمن کو آگ میں جلانے،

باندھ کر قتل کرنے، فصلوں کو خراب کرنے، بستیوں میں قتل عام اور آتش زنی سے منع فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی شام وعراق کو فوجیں بھیجتے وقت اسی قسم کی ہدایات دی تھیں۔ قیدیوں اور سفیروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ بدعہدی اور غداری سے روکا۔ الغرض جملہ جنگی مفاسد کو بند کر کے اس کی کامل تطہیر فرمائی۔

جہاد کا مقصد جبر واکراہ نہیں

سابقہ بیان سے واضح ہے۔ کہ جہاد کا مقصد بزور مسلمان بنانا نہیں۔

اسلامی احکام میں ایسا کوئی اشارہ بھی نہیں پایا جاتا جس سے مترشح ہوتا ہو کہ بالجبر مسلمان بنانا بھی مقاصد جہاد میں شامل ہے۔ مگر اس کا کیا کیا جائے۔ کہ یورپ کے نام نہاد مستشرقین اس اتہام کی نشر و اشاعت اور اثبات میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اور ان کے جاہل مقلدوں نے اس مزعومہ دعوے کو مزید ہوا دی۔ حالانکہ قرآن مجید نے صراحتہً اس کا ابطال کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔

دین میں زبردستی نہیں، سیدھی راہ غلط راستے سے ممتاز کر کے دکھائی جا چکی ہے۔ (البقرہ۔ ۳۴)

اس وضاحت کے بعد قطعاً تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اور یہ امر الم نشرح ہو جاتا ہے۔ کہ اسلام میں جہاد کا مقصد جبر واکراہ نہیں۔ اگر غزوات نبوی کا مطالعہ کرتے وقت ان کے پس منظر اور احوال وظروف کا لحاظ رکھا جائے

جن میں وہ پیش آئیں تو یہ بات قطعاً ثابت ہو جاتی ہے۔ کہ یہ تمام لڑائیاں مدافعانہ تھیں۔ اور جارحانہ نہیں تھیں۔ مگر تعصب کا کیا کیا جائے کہ وہ قبول حق سے بری طرح مانع ہے۔ اسلام میں جبر و تشدد کے فقدان کا اس سے زبردست ثبوت اور کوئی نہیں۔ کہ اسلام میں اگر اکراہ کا کوئی مقام ہوتا تو مسلمانوں کے ممالک مفتوحہ میں غیر مذاہب کا وجود عنقا ہوتا اور عیسائی جن کو آج اپنی قوت و شوکت پر ناز ہے۔ شاید خطۂ ارضی سے معدوم ہو جاتے۔

جہاد اور صلیبی جنگ

جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر جس طرح مسلمانوں نے اپنے مخالفین کو شکستیں دیں۔ اور ایک وسیع اسلامی سلطنت قائم کر لی۔ عیسائی دنیا اس عظیم الشان کارنامے سے حیران اور ششدر رہ گئی۔ جب مسلمان مجاہد یورپ پر حملہ آور ہوئے۔ اور اس کے کئی حصوں پر قبضہ کر لیا۔ تو پوپ اعظم نے عیسائیوں کے مذہبی جذبے کو ابھار کر اس سے بھی وہی کام لینا چاہا۔ جو مسلمانوں نے جذبۂ جہاد سے لیا تھا۔ مگر یہ جذبہ اس پاکیزگی اور بلند تصورات سے عاری تھا۔ جو جہاد میں پایا جاتا ہے۔ صلیبی جنگیں حرص و آز کی جنگیں تھیں۔ اور ہوس اقتدار ان کی سب سے بڑی محرک تھی۔ آئندہ صفحات میں صلیبی جنگوں کا مختصر خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جس سے جہاد اور صلیبی جنگ کے محرکات کا تقابل آسانی سے سمجھ میں آجائے گا:

دُوسرا باب

صلیبی جنگوں کی آماجگاہ سرزمین شام

سرزمین شام کی تاریخ درحقیقت دُنیا کی تمدنی، مذہبی اور دفاعی تاریخوں کا خلاصہ ہے۔ کیونکہ اس سرزمین پر دُنیا بھر کی قومیں مختلف مفادات کی خاطر جدّوجہد کرتی رہی ہیں۔

یہ سرسبز و شاداب سرزمین جب اپنی نظریں مغرب کی جانب اُٹھاتی ہے۔ وہاں پر یورپ کو اپنا دلدادہ پاتی ہے۔ یورپ کی آریا قوم اسی راستے سے اپنے نئے یعنی موجودہ وطن میں گئی تھی۔ اور اس سرزمین کی دلفریبیاں وُہ ابھی تک بُھلا نہیں سکے ہیں۔

شام کے مشرق کی جانب عرب تنان کا صحرا، دریائے دجلہ و فرات کی وادیاں ہیں۔ چونکہ ان مشرقی ممالک کے سر دُنیا بھر کی اقوام کی دینی، اخلاقی، تمدنی، راہبری کا سہرا ہے۔ لہذا اہل شام کے دل میں ابھی تک اس علاقے

کے لوگوں کے لئے ہمدردی اور دوستی کا جذبہ ہے۔

یہ رشک جنت سرزمین جب جنوب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتی ہے۔ تو اُسے اپنا پرانا محبوب دریائے نیل کی وادی کا بے مثال تمدنی گہوارہ نظر آتا ہے۔ لیکن جب دلکش سرزمین کی آنکھیں شمال اور شمال مشرق کی طرف اُٹھتی ہیں۔ تو ان میں بے چینی اور گھبراہٹ کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ شاید اس لئے یہاں کی اقوام کا مذہب تمدن اور اخلاق کچھ ایسا ہے۔ جسے کئی ہزار صدیاں گذرنے پر بھی تاریخ دانوں نے نہیں سمجھا ہے۔ یہاں کے آئے دن کے سیاسی اور اقتصادی اور دینی انقلابات نے تمام دُنیا کو حیران و ششدر بنا رکھا ہے۔

شام کا پُرانا نام "ارض سُوریا" تھا۔ رُومیوں کے عہد میں اُسے شام کے نام سے پُکارا گیا۔ اس ولایت کے اسلامی عہد میں حسب ذیل صُوبے تھے۔ فلسطین، اُردن، حمص، دمشق، قنسرین، عواصم، ثغور سرحدی۔

۱۔ فلسطین:۔ فلسطین کا صدر مقام رملہ تھا۔ یہ بہت بڑی چھاؤنی بھی تھی۔ دُوسرے مشہور شہر بیت المقدس، رفح، ابعون، بیت اللحم، غزہ، ثراط، بحر مردلہ، غور، بیبان، فابلس وغیرہ تھے۔

۲۔ اُردن:۔ اس کا صدر مقام شہر طبریہ تھا۔ جو کہ بہت بڑی چھاؤنی تھی۔ اور جہاں ایک مضبوط قلعہ بھی تھا۔

۳۔ حمص:۔ اس کا صدر مقام شہر حمص تھا۔ یہ شہر ایک زبردست قلعہ تھا۔ اور یہاں بڑا لشکر رہتا تھا۔ تجارتی لحاظ سے اس کی بہت بڑی اہمیت

تھی۔ طرطوس، سلمیہ، شیرازا در حمامہ اس کے مشہور شہر اور فوجی چھاؤنیاں تھیں۔

۴۔ **دمشق**:۔ اس کا صدر مقام دمشق تھا۔ چونکہ یہ شہر شاہراہوں کا چوراہا تھا۔ اور اس کے گرد و نواح میں سرسبز اور زرخیز وادیاں تھیں، لہذا دمشق کا قلعہ بہت ہی مضبوط تھا۔ جہاں بہت اہم چھاؤنی تھی۔ اس شہر کی خوشگوار آب و ہوا نے اس کی دفاعی اہمیت کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔ یہی وہ شہر ہے جس کے متعلق مغربی مبصر جرنل ٹوکر نے لکھا ہے۔ اگر صلیبی لشکروں کے سپہ سالاروں میں دور اندیشی ہوتی اور وہ دفاعی اصولوں سے شناسا ہوتے۔ تو وہ اسے مسلمانوں کے ہاتھ میں جانے نہ دیتے۔ اور اگر وہ ایسا کرتے تو مسلمان صحرا کے ریتلے میدانوں میں فاقہ کشی سے ختم ہو جاتے۔

۵۔ **قنسرین**:۔ اس کا صدر مقام شہر حلب تھا۔ دفاعی اور سیاسی اصولوں کے لحاظ سے یہ شہر بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں بھی تجارتی شاہراہیں آکر ملتی ہیں۔ پرانے زمانے میں تو مشرق اور مغرب کے لئے یہ ایک اہم تجارتی منڈی تھی۔ ان کے علاوہ اور بھی شہر ہیں جو قنسرین اور معشرۃ النعمان کے ناموں سے موسوم ہیں۔

۶۔ **عواصم**:۔ اس کا صدر مقام انطاکیہ تھا۔ جو کہ قیصر روم کا موسم گرما کا دارالخلافہ تھا۔ انطاکیہ ان سولہ شہروں میں سے ایک تھا جسے یونانی جرنل سلوکس نے اپنے باپ کی یادگار میں آباد کیا تھا۔ یہ شہر روما کی حکومت کا چار صدیوں تک ایک زبردست مستقر رہا گیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ شہر مقامی

لبشپ اعظم کا صدر مقام بھی تھا، یہی جگہ تھی جہاں مقدس راہب پیٹر بھی رہتا تھا۔ جو اپنی شیریں زبانی اور تقدس کے لئے مشرق و مغرب میں مشہور تھا۔ اور جسے سب عیسائی احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ سب سے پہلے اسے حضرت خالدؓ نے ۶۳۵ء میں فتح کیا۔ اسے قیصر نقفور دوئم نے ۹۶۹ء میں دوبارہ فتح کر لیا تھا۔ اور آخر کار الپ ارسلان کے بھائی سلیمان نے اسے ۱۰۸۴ء میں پھر فتح کر کے اس پر اسلامی جھنڈا لہرایا تھا۔ اس شہر میں بڑا شاندار گرجا تھا۔ جب خالدؓ نے رومیوں سے اسے چھین لیا۔ تو قیصر ہرقل نے شام کو الوداع کہ دیا تھا۔ کیونکہ یہ شام کے قلعہ کی کنجی تھا۔ اس شہر کا قلعہ اتنا بڑا تھا کہ ایک گھوڑ سوار بمشکل دو دن میں اس کی فصیل کا چکر لگا سکتا تھا۔ اس شہر کی فصیل کے چار دروازے تھے۔ شمالی دروازہ سینٹ جارج کے نام سے موسوم تھا۔ دوسرا اُس ہرٹک کے پل کا دروازہ تھا۔ جو شمال مشرق کے اور نٹیز دریا پر بنا ہوا تھا۔ تیسرے شمال مشرق کی طرف کے دروازے کا نام سینٹ ہال تھا۔ اور چوتھا وہ لوہے کا پل تھا۔ جو عمیق اور گہری ندی کے اُوپر جنوب کی سمت بنا ہوا تھا۔ یا یُوں کہیئے کہ اس شہر کی فصیل کم از کم تیس میل لمبی تھی۔ چونکہ یہ تجارتی، دفاعی اور آب وہوا کے لحاظ سے بہت اہم شہر تھا۔ لہٰذا یہاں کئی بار بہت زبردست اور خونریز لڑائیاں لڑی گئیں۔ اس صُوبے کی حدُود چونکہ عرصہ دراز تک قیصر رُوم کی حکومت کے ساتھ ملتی تھیں۔ لہٰذا اکثر یہاں لڑائیاں ہوتی رہیں۔ شہر باش جو دریائے فرات پر واقع تھا۔

اور شہر منبج جو صحرائی علاقے کی حفاظت کا ضامن تھا۔ اسی صوبے کے دو اہم قلعے اور فوجی چھاؤنیاں تھیں۔

۷۔ ثغور:۔ اس لفظ سے مراد سرحدی مقامات ہیں۔ یہ وہ علاقہ تھا۔ جو عواصم کے اس طرف اور ایشیائی کوچک کے طورس تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ سرحد دو حصّوں میں منقسم تھی۔

(الف) ثغور شامیہ:۔ یہ وہ سرحدی علاقہ تھا۔ جو روما کی سرحد کے ساتھ ملحق تھا۔

(ب) ثغور جزریہ:۔ یہ وہ علاقہ تھا۔ جو الجزیرہ کے علاقے کا پاسبان تھا۔ اور اس کی سرحد پر شہر سمیساط اور ملطیہ دو مشہور چھاؤنیاں تھیں۔ جو دریائے فرات پر واقع تھیں۔

دوسرے سرحدی قلعے حصص منصور، حدث، مرغش زبطرہ، ہارونیہ، مصیصہ، ادنہ اور طرطوس وغیرہ تھے۔ لہٰذا جب ہم مذکورہ بالا حالات کا بغور مطالعہ کرتے ہیں۔ تو ہمیں تعجّب نہیں ہوتا۔ کہ سرزمین شام کے حصول کے لئے قدیم زمانہ سے جب کسی حکومت نے اپنے آپ کو طاقتور سمجھا۔ تو اس علاقہ پر فوج کشی کی۔ مثلاً بابل، فنیقی، مصری، فارس، یونان، روما اور پھر اسلامی حکومتوں نے نوبت بہ نوبت اس پر تسلّط جمایا۔ اسی سرزمین پر ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز اور روم کے قیصر ہرقل کے درمیان خونریز جنگیں ہوئیں۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت ہے۔ کہ مختلف جغرافیائی اسباب کی بنا پر قسطنطنیہ سے اسکندریہ تک اور بحر روم کے مشرقی ساحل

تاریخی اعتبار سے ایسے علاقے ہیں۔ جہاں بہت سے معرکے ہوئے ہیں۔ یہاں بحر اسود کے راستہ یا بحر احمر کے ذریعہ یا ریگستان یا دبیر دت سے ہوتے ہوئے یورپ ایشیا یا ایشیا کا حال منتقل ہوتا ہے۔ یہاں پر مصری، کریٹی، یہودی، یونانی وغیرہ بہت سی تہذیبوں، مذہبوں اور فلسفوں کا جنم ہوا ہے۔ لہٰذا ایسے علاقے ہیں بہت سے جھگڑے ہونے یقینی تھے۔ جو کچھ تو اقتصادی تھے۔ کچھ مذہبی یا کچھ سیاسی اور کچھ نسلی تھے اور بہت سے جھگڑے مخلوط قسم کے تھے۔ ان میں سے ایک سب سے بڑا تصادم مغربی عیسائیت اور اُس کے معتقدین کی کلیسائی تہذیب اور اسلام اور مسلمانوں کے معتقدات اور تہذیب کے درمیان ہوا۔ ہم یہ تو کہ سکتے ہیں۔ کہ وہ قیصر ہرقل کی صلیبی فوج اور اسلامی فوج (جس کے سالار حضرت خالدؓ تھے) سے شروع ہوا۔ مگر اس کے خاتمے کی تاریخ بتانا مشکل ہے۔ یہ تصادم ایک زمانہ میں بنیادی طور پر مذہبی نوعیت کا تھا۔ لیکن بعد میں جا کر اُس نے سیاسی رنگ اختیار کر لیا تھا۔ یہ مختلف لوگوں کے درمیان جنگ تھی۔ مغربی اقوام ایک طرف اور عرب اور تُرک دوسری جانب تھے۔ لیکن یہ تصادم ہمیشہ مخلوط نوعیت کا رہا۔ جس میں بُنیادی طور پر دو تہذیبوں کی ٹکّر ہوئی اور یہ تصادم آج بھی جاری ہے۔ البتہ نئے انداز میں سامنے آیا ہے۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ہمیں شام کی تاریخ کے ان تینوں ادوار پر غور کرنا ہوگا۔ جو اس سے متعلق ہیں۔ مثلاً

۱۔ پہلا دور:۔ طلوعِ اسلام سے قبل کا دور۔

۲- وہ دَور جب اسلام کے مجاہد اشاعت اسلام کا پیغام لے کر مدینہ سے مشرق، مغرب، شمال و جنوب کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

۳- وہ زمانہ جبکہ اسلامی حکومتوں میں زوال شروع ہوا- اور یہی وہ زمانہ تھا جبکہ یورپ میں بیداری کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔ گو تاریخ اس مسئلہ کے متعلق خاموش ہے۔ کہ بیت المقدس میں عیسائی زائرین یورپ سے کب آنے شروع ہوئے۔ تاہم ہمیں جو معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ مندرجہ ذیل ہیں:-

عیسائی زائرین

مشرقی رُوما کے قیصر قسطنطین اعظم کے دور سے قبل کے عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق فلسطین کے آجکل کے مقدس مقامات ایسے مقامات تھے۔ جہاں غضب الٰہی نازل ہوا تھا یعنی یہ وہ شہر تھے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو سُولی دی گئی تھی۔ لہٰذا وہ ایسے مقامات سے دُور ہی رہنا مناسب سمجھتے تھے۔ وہ یہ بات بھول گئے تھے کہ اسی مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو اللہ تعالےٰ نے زیارت کا شرف بخشا تھا۔ اور اسی مقام پر عیسائی مذہب کے بانی کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار برکتوں اور رحمتوں سے نوازا تھا۔ عیسائیوں کا یہ نظریہ کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً جبکہ رُوما کی سلطنت کا شاہی مذہب عیسائیت تھا۔ شاید یہ ایک سیاسی چال تھی۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ سلطنت رُوما اپنے زمانے میں بہت ہی زبردست حکومت تھی۔ جس کا تسلط معلومہ دُنیا کے بڑے حصہ پر ہو چکا تھا۔ جولیس سیزر۔ اگسٹس۔ تھیوڈوسیس اوّل اس سلطنت کے عظیم الشان

فاتح قیصر گذرے ہیں جنہوں نے یورپ - ایشیا - افریقہ میں مسلسل فتوحات حاصل کی تھیں - اہلِ فلسطین کو ان رُوما کے لشکروں نے زیر کیا تھا - اور اس زمانے کی معلوم دُنیا میں کوئی حکمران ایسا نہ تھا - جو اس سلطنت پر آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھ سکے - اٹلی کا شہر رُوما اس عظیم الشّان سلطنت کا پایۂ تخت تھا - یہی وہ شہر تھا - جہاں کا پادری دُنیا بھر کے پادریوں کا سردار مانا جاتا تھا جس کے احکامات کا سب کو احترام کرنا ضروری تھا - ایسا معلوم ہوتا ہے - کہ پاپائے رُوم نے اپنی عظمت اور سرداری کو قائم رکھنے کی غرض سے شام کے موجودہ مقدّس مقامات کو جان بُوجھ کر اہمیّت نہ دی - مثلاً اگر شام کے وہ مقامات جن کا تعلق مختلف موقعوں پر حضرت عیسٰی علیہ السّلام سے رہا - اگر اس زمانے میں مقدّس مان لئے جاتے - تو اُن مقدّس مقامات کے پادری جن کی تعلیم و تکریم تمام عیسائیوں کے لئے لازمی تھی - عزّت و حرمت میں پاپائے رُوم اگر افضل نہ بھی مانے جاتے تو ہمسری کے دعوے دار تو ضرور ہوتے -

دُوسری وجہ نسلی امتیاز بھی تھا - بیت المقدّس کے مقامی راہب اور پادری سب عربی نسل یا حبشہ کے تھے - اٹلی کے پاپائے رُوم اپنے آپ کو آریہ نسل کے سمجھتے تھے - اور آرین قومیں جہاں بھی گئیں - اُنہوں نے وہاں کے اصلی باشندوں کو شودر جاتی کا درجہ عطا کیا - اور ہمیشہ کے لئے ان کو کمتری کا طوق پہنایا - اور ان میں سے صرف افراد کو نجات ملی جنہوں نے دعوت اسلام قبول کر کے اسلامی اُخوّت اور مساوات کا مزہ چکھا - بیسویں صدی کے ہنُّوؤں نے تو ہندو برہمنوں کے نسلی تعصّب کو بھی مات کر دیا - آجکل بھی مغربی

اقوام اسی جبلّی مرض کے باعث بے بس اور معذور ہیں۔ ورنہ امریکہ اور یورپ میں نسلی تعصّب کبھی کا غائب ہو گیا ہوتا۔ اس نسلی تعصّب نے شاید ان آرین رُوم کے پاپاؤں کو فلسطین سے دُور رکھا۔ اس کے علاوہ فلسطین کی مشکوک آب و ہوا، پایۂ تخت سے دُوری، اٹلی کا آرام و آسائش بھی ایسی وجوہات ہو سکتی ہیں جن کی وجہ سے فلسطین کی سرزمین کو مقبولیت کے درجے سے بہت عرصہ تک دُور رکھا گیا اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ جب آرین یورپ نے عیسائی مذہب کو تسلیم کیا۔ تو نئی انجیل لکھ ڈالی جس میں عرب نژاد پیغمبر کو اُنہوں نے خدا کا بیٹا کہہ کر اس کے عرب نژاد ہونے کی حقیقت کو چھپایا۔ تاکہ وُہ اپنا نسلی امتیاز قائم رکھ سکیں۔

سلطنت رُوم مدّت دراز کے بعد رُوما کی حکومت قیصر کے دو شہزادوں میں تقسیم ہو گئی۔ دونوں حکمران قیصر کہلائے گئے۔ ایک مغربی رُوما کا اور دوسرا مشرقی روما کا تھا۔

مغربی روما:۔ یورپ کا بیشتر حصّہ مغربی روما رہا۔ اور اس سلطنت کا دارالخلافہ شہر روم رہا۔

مشرقی روما:۔ کی سلطنت میں بلقان، یُونان، ایشائے کوچک، شام، مصر، حبشہ وغیرہ شہر تھے۔ اور یہ علاقہ شہزادہ قسطنطین کے حصّہ میں آیا قیصر قسطنطین نے اپنے لئے درّہ دانیال میں نیا شہر قسطنطین آباد کیا۔ جسے اس قیصر نے مستحکم قلعہ اور تجارتی مرکز بنایا۔ اور زر کثیر سے اسے بہت ہی خوبصورت اور بارونق شہر بنا دیا۔ البتہ ایک زبردست کسر باقی تھی۔ جو قسطنطنیہ کو شہر

رُوم سے کمتری کا احساس دلاتی تھی۔ اور وُہ یہ تھی کہ ابھی تک عیسائی مذہب کا مرکز شہر رُوم میں تھا۔ اور پاپائے رُوم افضل ترین سمجھا جاتا تھا۔ اس کمتری کو دُور کرنے کی ترکیب قیصر اور اُس کی ماں ہلینا نے یہ کی۔ کہ کسی نہ کسی طرح سے پاپائے رُوم کے مذہبی اقتدار کو کم کیا جائے۔

قیصر کی والدہ ملکہ ہلینا بہت ہی مالدار عورت تھی۔ اس کے ساتھ ہی وُہ بہت دُور اندیش اور مدبّر عورت بھی تھی۔ یہ اُسی کا رُسوخ تھا۔ کہ اُس نے اپنے بیٹے کو اپنے خاوند کی آدھی سلطنت دلا دی۔ ہلینا اپنے بیٹے قسطنطنین کے تعاون سے فلسطین کے تمام مقدّس مقامات یعنی جہاں جہاں حضرت عیسیٰ نے واقعی یا روایات کے بموجب قدم رکھا تھا۔ گرجے اور کنیسے بنا دیئے۔ جہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پیدا ہوئے۔ یا دفن کئے گئے۔ وہاں پر نہایت ہی شاندار مقبرے اور گرجے تعمیر کئے گئے۔

ایک صلیب بنوائی جس میں لکڑی کا ایک ٹکڑا تھا۔ جو کہ اس صلیب کا حصّہ تھا جس پر مشرکین یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو سُولی پر چڑھایا تھا۔ اس صلیب پر بہت سا زرِ کثیر صرف کیا۔ اُسے سونے کے پتروں سے منڈھا اور ہیروں اور جواہرات سے مزیّن کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس مقدّس صلیب کے متعلق بے شمار معجزات اور برکات کے قصّے گھڑے۔ مثلاً یہ کہ جو مریض اس مقدّس صلیب کی زیارت کرتا ہے۔ وہ شفا پاتا ہے۔ اور جس لشکر کے ساتھ وہ مقدّس صلیب رہتی ہے۔ وہ لشکر دشمنوں کے خلاف کامیاب رہتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قیصر اور ملکہ ہلینا نے تمام مقدّس

مقامات کے متعلق بھی معجزات کے قصے گھڑے۔ اور اپنے ملک کے پادریوں اور رعایا کو ان مقدس مقامات کی زیارت کا شوق دلایا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی مشہور کر دیا۔ کہ قیصر اور اُس کی ماں ملکہ ہلینا عنقریب زیارت کے لئے فلسطین جائیں گے۔

زائرین کے ہر قافلے کے ہمراہ راہبوں کو بھیجا جنہوں نے ہر بار نئے معجزات دیکھے۔ اور ان کو قلمبند کیا۔ اور قسطنطنیہ میں نہایت خوش نما اور اعلیٰ پیمانے کا گرجا تیار کیا جس کے پادری کو اُسقفِ اعظم کا درجہ دیا یعنی اُسے پاپائے رُوم کے ہمسر بنا دیا۔ آہستہ آہستہ ان زائرین نے وہ جگہ بھی تلاش کر لی۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شیطان نے ورغلانے کی سعی کی تھی۔ اور جہاں حضرت عیسیٰ کو سُولی پر چڑھایا گیا تھا۔ ان معجزات کے انسانوں کو اس قدر مقبولیت اور شہرت ہوئی۔ کہ مغربی رُوما سے زائرین فلسطین کی طرف قیصر قسطنطنیں کے عہدِ حکومت میں ہی جانے لگے۔ چنانچہ یورپ کے زائرین کے پہلے قافلے کے آنکھوں دیکھے حالات لکھے ہوئے ابھی تک محفوظ ہیں۔ قسطنطین کی یہ سیاسی چال اس قدر کامیاب ہوئی۔ کہ چوتھی صدی کے اختتام سے قبل مغرب و مشرق کے عیسائیوں کے دلوں میں فلسطین کے مقدس مقامات کے متعلق بے حد احترام پیدا ہو گیا۔ اور ہر مقام پر عوام فلسطین کے راہبوں اور کنیسوں کے لئے چندہ جمع کر کے اور وہاں پر اُسے بھیج کر ثواب عظیم کمانے کے مستحق بنتے۔

نوبت یہاں تک پہنچی۔ کہ پادری جہرمین نے ہر کس و ناکس کو جو عیسائی

مذہب کے پیرو تھا۔ فلسطین کے مقدّس مقامات اور مقدّس نشانیوں کی تعظیم و تکریم کرنے کا حکم دیا۔ اور آخر کار یہ مقدّس پادری شہر روم کے کنیسہ کو خیر باد کہہ کر اور اپنے وطن کو ترک کر کے ہمیشہ کے لئے بیت المقدّس میں مقیم ہو گیا۔ اس پادری کے فلسطین جانے کے کچھ عرصہ بعد ملکہ پالا بھی رُوم سے مقدّس مقامات کی زیارت کے لئے فلسطین گئی اور اُس کے وہاں سے لکھے ہوئے خطوط ابھی تک محفوظ ہیں۔ یا یُوں کہیئے۔ اب پاپائے رُوم نے قسطنطنیہ کے اسقف اعظم کو سیاسی طور سے مات کرنے کی سعی کی۔ درحقیقت صلیبی جنگوں کی بنیاد یہاں سے شروع ہوئی ہے گو اس منصوبے نے کئی سو برس کے بعد موجودہ شکل اختیار کی۔

چوتھی صدی ختم نہ ہونے پائی تھی۔ کہ بیت المقدّس میں اس قدر گرجے، کنیسے، مقبرے وغیرہ بن گئے تھے۔ کہ ایک تندرست آدمی بھی ان سب جگہوں کو ایک دن میں سرسری طور سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اور اب بیت المقدّس عیسائی دُنیا کا مذہبی مرکز اور مقدّس مقام تھا۔ اور لوگ اب غضب الٰہی کا شکار کہنا بھول گئے۔

خسرو پرویزؔ اور جنرل چوبین کی بغاوت

ساتویں صدی کے آغاز میں ایران کے بادشاہ ہرمز کو جو نوشیرواں کا بیٹا تھا۔ لوگوں نے بغاوت کر کے قتل کر دیا۔ اور اُس کے بیٹے خسرو پرویز کو ایران کے تخت پر بٹھایا۔ جنرل چوبین فوج کا سپہ سالار تھا۔ اُس نے خسرو پرویز کے خلاف بغاوت کی۔ دونوں

میں جنگ ہوئی اور خسرو پرویز شکست کھاکر قسطنطنیہ میں قیصر روما کے پاس پناہ لینے کے لئے چلا گیا۔ قیصر نے خسرو کی آؤ بھگت کی۔ اور ایک جرار لشکر ہمراہ کیا جس کی مدد سے خسرو نے چوبین کو شکست فاش دی۔ اور وہ میدان جنگ میں مارا گیا۔ لہٰذا خسرو دوبارہ شاہ ایران بنا۔ اور اس طرح ایران اور رُوما کی حکومتیں آپس میں دوست بن گئیں۔

چند سالوں کے بعد رُومیوں نے بغاوت کی اور خسرو کے مربّی قیصر کو قتل کر کے اُس کی جگہ مصر کے گورنر کے لڑکے جرنل ہرقل (HERACLIUS) کو قیصر بنایا۔ خسرو نے اپنے مربّی کی اولاد کا احسان اُتارنا چاہا۔ اور اس غرض سے رُوما پر چڑھائی کر دی۔ یہ جنگ کئی برس تک جاری رہی اور آخر کار ہرقل قسطنطنیہ میں محصور ہو گیا۔ خسرو کے پاس چونکہ بحری بیڑہ نہ تھا۔ اس لئے وہ قسطنطنیہ کو فتح نہ کر سکا۔ اور جب ہرقل نے صلح کی پیشکش کی تو اُسے مان لیا۔

خسرو دل میں خوش نہ تھا۔ اور قسطنطنیہ کی ناکامی کا اُسے بیحد احساس تھا۔ چونکہ رُوما کی حکومت نے شام کے مجوسیوں اور یہودیوں پر بہت ظلم ڈھائے تھے۔ اس لئے خسرو پرویز نے ان کی ایما اور مدد سے شام تہ و بالا کر ڈالنے کی ٹھان لی۔ ایرانی فوج اور مجوسی اور یہودی رضا کاروں نے فلسطین کے تقریباً سب گرجے اور کنیسے گرا دیئے۔ یا لوٹ لئے اور جلا دیئے۔ بے شمار عیسائیوں کو قتل کیا۔ اور خسرو پرویز مقدس صلیب کو بھی اپنے ہمراہ ایران میں لے گیا۔ ایران کی شان و شوکت ان فتوحات سے بہت بڑھ گئی۔ اور اُس زمانے میں ایران کی حکومت سب سے زیادہ زبردست حکومت بن گئی

یہ زمانہ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا۔ مسلمانوں کو فطری طور پر عیسائی اہلِ کتاب سے دلچسپی تھی اور ان کی کامیابی سے ایک گونہ تعلق تھا۔ لیکن دوسری طرف مشرکین عرب ایرانی آتش پرستوں کی فتحمندی کے خواہشمند تھے۔ اس کے نتیجہ میں ایرانیوں کی رومیوں پر کامیابی سے عرب کے مشرکین نے خوب بغلیں بجائیں۔ اور آنحضور علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم اور مسلمانوں کو چڑانا چاہا۔ چنانچہ اپنے طرفداروں کی کامیابی کی خبر مشرکین مکّہ نے جب آنحضرت صلعم کو طعنے کے طور پر سنائی۔ تو آنحضرت صلعم نے ان مشرکوں سے فرمایا۔ کہ عنقریب رومی ایرانیوں پر غالب ہونگے۔ آپ کا یہ پیشین گوئی فرمانا قرآن کریم کی حسب ذیل آیت کی بنا پر تھا:۔

الٓمٓ ۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۔	رومی لوگ قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے۔ اور وہ اس شکست کے بعد چند سال ہی میں غالب آ جائیں گے ؛

آنحضرت صلعم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اور ہجرت کے تھوڑے ہی عرصے بعد ہرقل اپنی فوج لے کر قسطنطنیہ سے نکلا۔ اور وہ ایرانیوں کو پے در پے شکستیں دے کر ایران میں گھس گیا۔ اور شہر نینوا میں (جو کہ موجودہ شہر موصل کے سامنے واقع تھا) زبردست شکست دی۔ اس نے مقدّس صلیب ایرانیوں سے واپس لے لی۔ اور ایران کے سب آتش کدے تباہ و برباد کر دیئے اور بے شمار یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

شام میں مُسلمانوں کی حکومت

بصری کے بادشاہ شرحبیل بن عمرو کو منجملہ اور تمام بادشاہوں کے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسلام کا دعوت نامہ بھیجا تھا لیکن اس نے تمام دُنیا کے قانون اور رواج کے خلاف پیغمبر علیہ السلام کے سفیر حارث بن عمیرؓ کو غرور و نخوت میں آکر قتل کرا دیا۔ اس کی سزا دینے کے لئے آنحضور علیہ السلام نے جمادی الاول ۸ھ میں تین ہزار مسلمانوں کی فوج حضرت زید بن حارث کی سپہ سالاری میں روانہ فرمائی۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں بادشاہ غسان اور رُومیوں نے ڈیڑھ لاکھ فوج سے مقابلہ کیا۔ آخر ڈیڑھ دن کی لڑائی میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے آخری سپہ سالاری کا جب جھنڈا سنبھالا۔ تو ڈیڑھ لاکھ کو شکست دی۔ اور آپ کو سیف اللہ کا خطاب ملا۔ اس جنگ کا نام جنگ موتہ تھا۔

۸ھ میں آنحضور علیہ السلام نے مکہ فتح کیا۔ اور قریش بکثرت مسلمان ہو گئے۔ ابوسفیان حریف اسلام نے اطاعت قبول کر لی اور مسلمان ہو گیا۔ کچھ مشرک طائف میں جمع ہو کر اپنی قوت بڑھانے کی فکر میں تھے کہ مسلمانوں نے اُنیس ۱۹ روز ان کا محاصرہ کیا۔ پھر طائف والے بھی اسلام لے آئے۔

جنگ تبوک

موتہ کی جنگ کے شکست خوردہ اور رُوم کے بادشاہ سے مسلمانوں کی سطوت دیکھی نہ گئی۔ وُہی رُوم کا بادشاہ جس کی کامیابی پر مسلمان خوش ہو رہے تھے۔ آج مسلمانوں کا دُشمن نظر آتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف فوج جمع کرنے اور اُن سے لڑنے کی

تیاریاں شروع کر دیں۔ جب آنحضور علیہ السّلام کو پتہ چلا۔ تو آپ نے بھی تیاری کا حکم دے دیا۔ یہی وہ غزوہ ہے۔ جس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے گھر کا تمام سامان جہاد کے لئے پیش کر دیا تھا۔ آنحضرتؐ جب ۹ھ میں تیس ہزار کی فوج لے کر تبوک کے میدان میں تشریف لائے۔ لیکن یہاں آکر معلوم ہوا۔ کہ یہ خبر غلط تھی۔ بہرحال جنگ کی نوبت نہ آئی۔ البتہ آس پاس کے عیسائی سرداروں نے حاضر ہو کر آپ سے صلح کر لی۔

عہدِ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما

رومیوں کے دل میں بہرحال جنگ موتہ کا غبار ضرور تھا۔ آخر کار مسلمانوں کی سطوت اپنا رنگ لا رہی تھی۔ کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد خلافت میں رومیوں سے مسلسل جنگیں ہوئیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رومیوں اور غسانیوں کے خطرے کو دور کرنے کے لئے ملک شام پر چڑھائی کی ٹھان لی۔ اُنہوں نے مختلف دستے ابوعبیدہ ابن جراح کی قیادت میں بھیجے۔ اور مختلف شہروں کی طرف روانہ کیا۔ سب سے پہلے رومیوں کے ساتھ یزید بن سفیانؓ کی مڈبھیڑ ہوئی۔ قیساریہ کا حاکم سرجیوس مقابلے پر آیا لیکن مارا گیا۔ ہرقل کو جب خبر ہوئی۔ تو اُس نے اپنے بھائی تھیوڈورس (THEODORUS) کی سرکردگی میں مسلمانوں کے مقابلے میں لشکر بھیجا۔ اُس کے لئے مزید کمک کے طور پر حضرت ابوبکرؓ نے عراق سے حضرت خالد بن ولیدؓ کو شام جانے کا حکم دیا۔ ۳۰ جولائی ۶۳۲ء کو رومیوں اور مسلمانوں میں سخت جنگ ہوئی۔ جس میں مسلمانوں کو

فتح ہوئی۔ بعد ازاں حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا۔ اور حضرت عمرؓ خلیفہ بنے۔
حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں شام پورے طور پر فتح نہیں ہوا تھا اور جنگ
جاری تھی۔ اس وقت مسلمانوں نے شام کے مرکزی شہر دمشق کا محاصرہ کر رکھا
تھا۔ چھ ماہ کے محاصرے کے بعد اہل شہر نے ستمبر ۶۳۵ء رجب ۱۴ھ
میں ہتھیار ڈال دیئے اور اُن سے صلح ہو گئی۔ دمشق کی فتح کے بعد مسلمانوں نے
شام کے بڑے بڑے شہر مثلاً حمص، حماۃ، قنسرین اور بعلبک فتح کر لئے۔
۱۵ھ میں جنگ یرموک ہوئی۔ اور مسلمانوں نے تمام شام پر قبضہ کر لیا۔

فتح فلسطین

شام کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانے میں مسلمانوں نے
فلسطین کے مرکزی شہر بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ لیکن
اُنہوں نے صلح کی درخواست کی اور خود حضرت سے معاہدۂ صلح کی خواہش
کی۔ آپ مدینے سے وہاں پہنچے۔ اور ۱۷ھ ۶۳۸ء میں بیت المقدس والوں
سے صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ اور اس طرح فلسطین فتح کر لیا۔ فلسطین کے ساحل پر
ایک شہر قیساریہ باقی رہ گیا تھا۔ آخر کار مسلمانوں نے طویل محاصرے کے بعد
۱۹ھ مطابق ۶۴۰ء میں اسے بھی فتح کر لیا۔

فتح مصر

بعد ازاں مصر کا شہر جو رومیوں کے قبضے میں تھا۔ وہ بھی عہد
عمرؓ میں فتح ہو گیا۔ اور اسکندریہ کی فتح ۲۰ھ ۶۴۱ء کے بعد مصر
بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اسلامی مجاہدین روما کی فوجوں کو مارتے مارتے
قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہنچ گئے۔ مگر یہاں یہ لشکر جب رُک گئے۔ تو اسلامی
مجاہدین ایک طرف تو مصر کے ساحل کے ساتھ بڑھتے ہوئے اسپین اور فرانس

کے علاقے میں گھس گئے اور دوسری طرف انہوں نے بحرِ روم کے تمام جزائر طبرس، کریٹ، مالٹا، صقلیہ (سسلی) سارڈینیہ اور جنوبی اٹلی کا حصہ فتح کر لیا۔

کفار کی بوکھلاہٹ

اشاعت اسلام کی حیرت انگیز ترقی نے مجوسیوں، یہودیوں اور نصارٰی میں ایک ہلچل مچا دی تھی۔

جب خلفائے راشدین کا دور ختم ہوا۔ اور حکومت اسلامیہ یعنی بنی اُمیّہ کی حکومت کا عہد شروع ہوا۔ تو ان کو یہ اُمید ہوئی کہ اب ان سب کو امن ملے گا۔ مگر ان کی اُمیدیں مایوسی میں بدل گئیں۔ کیونکہ اشاعت اسلام کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اور ہر ایک مسلمان میں قوت نظری اور قوت عملی برابر قائم رہی۔ اور یہی وہ حکمت تھی جس کی بنا پر مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور سے کامیاب رہے۔ اور ترقی کے میدان میں گامزن رہے۔ یہ سب کچھ اس لیئے ہوا کہ وہ اسلامی عقیدہ اور انسانی عمل و کردار میں برقرار ہے۔ یا یوں کہیئے کہ اس زمانے کے مسلمانوں کا شیوہ یہ تھا۔ کہ وہ علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی کرتے تھے۔ جیسا کہ مشہور قول ہے:۔

العلم بغیر العمل وبال — جو علم بغیر عمل کے ہو وہ وبال ہے اور جو

والعملُ بغیر العلم جہال۔ — عمل بغیر علم کے ہو وہ گمراہی ہے۔

بالفاظ دیگر اس عہد کے مسلمان عقائد و افکار، اعمال و اخلاق، معاشرت و معاملات کے اعتبار سے اب بھی دنیا کی بہترین قوم تھے۔

جب بنی عباس کا عہد شروع ہوا۔ تو روما کی حکومت نے یہ سمجھا۔ کہ اسلامی حکومت کی بنیاد کھوکھلی ہو چکی ہے۔ اس لیئے انہوں نے اسلامی

ممالک پر حملے کئے۔ مگر بنی عباس کے دورِ اوّل میں ہر حملے میں روما کی فوج نے اسلامی لشکروں کے ہاتھوں مُنہ کی کھائی۔ مگر آہستہ آہستہ عیسائی حکام اور پادریوں نے یہ دیکھا۔ کہ عہد عباسیہ کی قوت و خلافت نہ صرف سلطنت و حکومت میں تبدیل ہو چکی ہے۔ بلکہ ان کی بنیاد حکومت میں سیاست اور فرقہ پروری کا بہت بڑا دخل ہو گیا تھا۔ خلفار ذاتی عشرت اور دُنیاوی جاہ و جلال کے مریض بن چکے تھے۔ جس کی وجہ سے عباسی خلیفہ کی طاقت آخری دور میں بہت کم ہو چکی تھی۔ ایک طرف تو عباسی خلیفہ تھا۔ جسے سُنّی اور شیعہ طبقے کے کچھ حصّے کا اعتماد حاصل تھا۔ دُوسری طرف اندلس کی حکومت اور مصر کے فاطمی خلیفہ خود مختار تھے اور عبداللہ بن مامون نے شمالی افریقہ میں اسماعیلیہ حکومت قائم کر لی تھی ٭
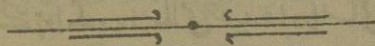
تیسرا باب

جہاد کے خلاف جوابی حملے کی تیاری

اب پاپائے رُوم کی باری تھی۔ کہ میدان سیاست میں اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے مقابلہ کے میدان میں اُترے۔ اُس نے مناسب یہ سمجھا کہ مسلمانوں کے زبردست ہتھیار یعنی جہاد اور ان کے فن حرب اور سیاسی حالات کو معتبر ذرائع سے معلوم کرے۔ سب سے پہلا پادری جس نے سفر کی یادداشت مورّخ بیڈے سے اس سفر کے کئی سال بعد لکھوائی اس وقت تک موجود ہے۔ یہ پادری ارسف (ARCULF) نامی تھا۔ اور فرانس کا باشندہ تھا۔ ارسف فلسطین میں نو ماہ تک مقیم رہا۔ اور یہاں پر اُس نے ایسے نئے معجزات دیکھے۔ جو کہ اس سے پہلے کسی کو دیکھنے نصیب نہ ہوئے تھے۔ مثلاً اُس نے صلیب مقدس کا یہ معجزہ دیکھا۔ کہ اُس کے چھونے سے ہر قسم کا سخت سے سخت بیمار اچھا ہو جاتا ہے۔

قمامہ کے کنیسہ میں روشن ہونے والے قمقموں کی روشنی سے جو کنیسہ کے دریچوں کے شیشوں سے نکلتی تھی۔ تمام پہاڑی علاقہ بُقعۂ نور بن جاتا تھا۔ ارسعف نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے کفن کے کپڑے کو بھی دیکھا۔ اور یہ وُہی کفن تھا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو دفن کیا تھا بشب ارسعف جیبر کو دمشق، ٹائر، اسکندریہ، قسطنطنیہ سے ہوتا ہوا روم کو لوٹا۔ روم میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد وہ فرانس کو واپس ہو گیا۔

۷۲۲ء میں جرمنی کا بڑا پادری سینٹ ویلی بالڈ (WILLIBALD) فرانس سے ہوتا ہوا رُوم میں آیا۔ یہاں سے صقلیہ اور طبرس ہوتا ہوا طارطوس بندرگاہ پر اُترا۔ یہاں اُسے جاسُوس سمجھ کر قید کر دیا گیا۔ مگر جب کچھ عرصہ قید میں گزارنے کے بعد اُسے رہائی مل گئی۔ تو وہ دمشق میں آیا۔ اور وہاں سے جبل طبور اور طبرس سے ہوتا ہوا وہ فلسطین پہنچا کئی برس فلسطین کے مقدّس مقامات میں گذارنے کے بعد وہ قسطنطنیہ سے ہوتا ہوا روم آیا۔ جہاں اُس نے دو سال قیام کیا۔ اور یہاں سے وُہ جبل کینو میں رہا۔ اور بعد ازاں ۷۲۹ء میں جرمنی پہنچ کر وہاں کا بڑا پادری بنا۔

دُوسری سیاسی چال

فرانسیسی بادشاہ چارلس شارلیمن نے یہ زبردست چال چلی۔ کہ خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں اپنا سفیر بھیج کر بیت المقدّس کے مقدّس مقامات کی نگرانی کرنے کا فرض اپنے ذمّے لے لیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں بیت المقدس کی پہاڑی (MT. SION) پر فرانسیسی راہبوں اور پادریوں کی ایک

بہت بڑی آبادی قائم کردی۔ تاکہ وہ مقدس مقامات کی نگرانی اور خدمت کرسکیں۔ اور اس آبادی کے لئے خاص احکام جاری کئے۔ جو کہ قوانین سینٹ بنیڈکٹ کے نام سے موسوم ہیں۔

۸۷۰ء میں فرانس کے سینٹ مائیکل ہونٹ (ST. MICHAEL MOUNT) کا بڑا پادری سینٹ برناڈ بھی بیت المقدس گیا۔ اور وہاں عرصہ تک قیام کیا۔ اس نے وہاں ایک بڑا ہسپتال قائم کیا۔ تاکہ زائرین اور عیسائی آبادی کا علاج معالجہ ہوسکے۔ اس ہسپتال کے ساتھ ایک بڑی لائبریری بھی بنائی۔ تاکہ تمام کتابوں کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا جائے۔ لہذا چارلس کا بنایا ہوا حضرت مریم علیہا السلام کا گرجا، چارلس لائبریری اور چارلس ہسپتال ایک بہت شاندار عمارتوں کا مجموعہ تھا۔

سینٹ برناڈ نے اپنے تقدس اور نیکوکاری کے باعث یہ نیا زبردست معجزہ دیکھا۔ کہ رومیوں کی مشہور مقدس دعائیہ نظم (KYRIEELESOK) فرشتے گاتے ہیں۔ اور جیسے ہی یہ نظم ختم ہوتی ہے۔ فرشتے مقدس کنیسہ کے چراغ جلا دیتے ہیں۔ اور اس مقدس چراغ کی آگ سے کنیسہ کا بڑا پادری تمام بشپ، پادریوں، راہبوں اور عوام کے گھروں کے چراغ کو جلا دیتا ہے اس طرح سے بیت المقدس کا سارا شہر بقعۂ نور بن جاتا ہے۔ یہ معجزہ ایسا ہے۔ جس پر آج تک عیسائیوں کو یہ اعتبار ہے۔ کہ یہ مقدس روشنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر قیامت تک قائم رہے گی۔ مگر صرف پاکباز انسان ہی اس کو دیکھ سکتے ہیں۔

سینٹ برناڈ بہت لمبا عرصہ بیت المقدس میں مقیم رہا۔ اور پھر شہر رُوم میں گیا اور وہاں سے برٹنی فرانس میں اپنے کنیسے سینٹ مائیکل میں واپس چلا گیا۔ مگر واپس جانے سے قبل اس نے اور بہت سے اہم کام کیئے۔ مثلاً

۱۔ شاہ چارلس کے ہسپتال کے پاس اُس نے ایک بہت بڑی تجارتی منڈی قائم کی۔ اس طرح سے اس آبادی کے پادریوں کا تمام علاقہ سے راہ و ربط قائم ہو گیا۔ اور آبادی کے لیئے سہولت کے علاوہ ذریعہ آمدنی بھی پیدا ہو گیا۔ اس ہسپتال کی خدمت کے لیئے بہت نامور اور بہادر نائٹوں (NIGHTS) کو ہسپتال میں بطور وارڈ مریضوں کی خدمت کے لیئے مامور کیا۔ یہی لوگ ہسپتال کے نائٹ کہلائے۔ جنہوں نے صلیبی جنگوں میں نمایاں کارنامے کیئے۔ اپنے کنیسے کے خاکہ وب بھی یورپ کے مشہور نائٹ مقرر کیئے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں۔ جو سینٹ مائیکل کے آرڈر کے نائٹ کہلائے۔ اور ان لوگوں نے بھی صلیبی جنگوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

سینٹ برناڈ اور سینٹ ویلی بالڈ نے دونوں مسلم خلفا کے نظم حکومت کی بہت تعریف کی ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کی مذہبی رواداری، انصاف نظم و نسق کا ذکر کرتے ہوئے اس کا مقابلہ عیسائی حکمرانوں کی بدنظمیوں اور کمزوریوں سے کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے۔ کہ مسلمان عجیب الخلقت لوگ ہیں۔ اور اگرچہ وُہ بے دین ہیں۔ مگر ہم عیسائیوں کو اہل کتاب سمجھ کر ان لوگوں نے

خاص مراعات دے رکھی ہیں۔ مسلمانوں کی ایمانداری اور نیکی کا ذکر کرتے ہوئے اُنہوں نے لکھا ہے۔ کہ اگر سفر میں کسی کا باربرداری کا جانور مر جائے۔ تو وہ اپنا سامان بلا تامل وہیں راستے میں خدا کے سپرد کر کے چلا جاتا ہے اور جب کئی دنوں یا کئی ہفتوں کے بعد وہ دوسرا جانور لے کر آتا ہے۔ تو اُس کا سامان ویسا کا ویسا ہی اُسے ملتا ہے۔ قافلے والے لمبے لمبے سفر میں چوروں رہزنوں اور لٹیروں سے محفوظ ہیں۔ اور ہمیں شرم آتی ہے۔ جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی سینٹ پیٹر سے رُوم کو جائے۔ تو جب تک اُس کے ساتھ جبری حفاظتی دستہ نہیں ہوتا۔ اُس کے جان و مال سلامت نہیں رہتے۔ شہری زندگی کا یہ حال ہے۔ کہ لوگ اپنے بیوی بچوں، جوان لڑکیوں کو گھر چھوڑ کر تجارت وغیرہ کے لئے چلے جاتے ہیں۔ مگر کسی کی مجال نہیں ہے۔ کہ کوئی ان کی طرف نظر اُٹھا کر بھی دیکھے۔

ساتویں، آٹھویں، نویں اور دسویں صدی تک عیسائی زائرین بلا مزاحمت اور دشواری کے بیت المقدس میں آتے رہے۔ چونکہ ہن (HUNS) قوم نے دریائے ڈینیوب پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس لئے یورپ کے زائرین کے لئے یہ علاقہ غیر محفوظ ہو گیا تھا۔ لہٰذا اب یہ زائرین اٹلی آتے اور یہاں سے صقلیہ (سسلی) اور پھر شام کی بندرگاہوں سے ہو کر شام کے خشکی یا تری کے راستوں سے بیت المقدس جاتے تھے۔

مذکورہ بالا حالات کی گہرائی تک پہنچنے کے لئے آسان طریقہ یہ ہے۔ کہ ہم تاریخ ہند کے عہد مغلیہ کے زمانے کی ورق گردانی کریں۔

فرانسیسیوں، پرتگالیوں اور انگریزوں نے بڑی انکساری سے اپنی دوستی کا اظہار کرتے ہوئے پہلے تجارت کرنے کی اجازت لی۔ جب یہ اجازت ملی۔ تو اس کام کے لیئے منڈیاں قائم کیں۔ منڈیوں کی حفاظت کے لیئے قلعے اور فوج کی ضرورت تھی۔ اپنے ملازمین کی اخلاقی و مذہبی امداد کے لیئے پادری لائے اور گرجے بنے۔ پادری اطراف میں گئے۔ اور سیاست میں حصہ لیا۔ فوجی افسروں نے ہندوستانیوں کے طریقۂ جنگ کو پرکھا اور کمزوریوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی فوجوں میں ہندوستانی سپاہی بھرتی کیئے۔ اور انہی ہندی سپاہیوں کی مدد سے ہندوستان کے مالک بن گئے۔

درحقیقت جو ہندوستان میں ہوا۔ اُسے فلسطین میں آزمایا جا چکا تھا۔

آج ہمیں مغربی اقوام کے متعلق یہ غور کرنا چاہیئے۔ کہ پسماندہ ملکوں کو جو اقتصادی امداد دی جا رہی ہے۔ یہ پرانے کھیل کو پرانی سٹیج پر مگر نیئے انداز اور نئی طرز میں تو پیش نہیں کیا جا رہا ہے۔ ہمارے لیئے یہ بہت غور و خوض کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ اس لیئے اہم ہے۔ کہ تاریخ اپنے اوراق کو ضرور دہراتی ہے۔ لہٰذا ہمیں نہایت ہی احتیاط سے پھونک پھونک کر آگے قدم رکھنا چاہیئے۔ خصوصاً اس لیئے کہ دنیا کا نظریہ دو طاقتوں میں بنٹ گیا ہے۔

ایک تو کمیونسٹ نظریہ ہے۔ جس کے سمجھانیکی ضرورت نہیں۔ بلکہ بہت عیاں ہے۔ دوسرا نظریہ مغربی طاقتوں کا ہے جنہوں نے اب یہ نعرہ بلند کیا ہوا ہے۔ کہ مذہب کی طرف لوٹو۔ مگر بیچارہ مسلمان حیران و ششدر ہے۔ کہ وہ کس طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے۔ کیونکہ دونوں فریق اسے بے دین (INFIDELS) کے نام سے پکارتے ہیں ؛

چوتھا باب

عہدِ عباسیہ

اسلامی مملکت عہدِ عباسیہ میں بہت وسیع تھی۔ اور مشرق اور مغرب دونوں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ مملکت اسلامیہ میں مندرجہ ذیل مملکتیں شامل تھیں:۔

۱۔ شام:۔ اس کا مفصّل ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

۲۔ دیارِ عرب:۔ جس میں حجاز، نجد حجاز، بادیہ عراق، بادیہ الجزیرہ، بادیہ شام، یمن (تہامہ) نجد یمن، عمان، مہرہ، حضرموت، صنعا اور عدن کے علاقے تھے۔

۳۔ بحیرۂ فارس:۔ یہ وہ علاقے تھے۔ جو آجکل خلیج فارس، بحیرۂ عرب، خلیج عدن، بحیرۂ احمر اور خلیج عقبہ سے گھرا ہوا ساحلی علاقہ۔

۴۔ دیارِ مغرب:۔ شمالی افریقہ کا وُہ علاقہ جسے آجکل برقہ، ٹیونس، تاہرٹ، طرابلس الغرب، الجزائر (افریقہ) طنجہ، سوس، زدیلہ، اور مراکش (فرانس و

ہسپانیہ) کے ناموں سے پکارتے ہیں۔ اُندلس کو بھی دیارِ مغرب میں شمار کیا جاتا تھا۔ اُندلس کا پایۂ تخت قرطبہ تھا۔ اور اُس کے دُوسرے مشہور شہر یہ تھے۔

طلیطلہ، جیان، سرقسطہ، لاردہ، وادی الحجارہ، ترجالہ، قوریہ، ماردہ، باجہ، غافق، لبلہ، قرمونہ، استجہ، ریہ، شنتترین، مالقہ، جبل الطارق وغیرہ۔

۵ - بحیرۂ رُوم کے جزائر:- طبرس، صقلیہ (سسلی) کریٹ، مالٹا، سارڈینیہ وغیرہ۔

صلیبی لشکروں نے سب سے پہلے ان جزائر پر قبضہ کر کے فلسطین کے بحری راستے کو اپنی آمد و رفت کے لیئے محفوظ کر لیا۔

۶ - الجزیرہ:- یہ وہ علاقہ تھا۔ جو دریائے دجلہ اور فرات کے ساتھ ساتھ تھا۔ اور جسے یہ دونوں دریا طغیانی کے زمانے میں سیراب کرتے تھے۔ یہ علاقہ بہت زرخیز تھا۔ عام طور سے عوام الجزیرہ ان دریاؤں کی شمالی وادی کو کہتے تھے۔ اور جنوبی وادی کو عراق عرب کے نام سے پکارتے تھے۔

شمالی الجزیرہ میں زیادہ تر کُرد قوم آباد تھی۔ یہ لوگ کاشتکار تھے۔ مگر گرمیوں میں پہاڑی علاقے میں جا کر زمین کاشت کرتے اور اپنے جانور چراتے۔ اور سردیوں میں دریا کے کنارے اُتر آتے تھے۔

عراق عرب میں زیادہ تر آبادی عربوں کی تھی۔ جو کہ ایرانیوں سے خلط ملط ہو چکے تھے۔

۷ - اطالیہ:- اٹلی کا جنوبی حصہ جو برو ٹمیا، کلبریہ، لوکانیہ، اپولیہ وغیرہ پر مشتمل تھا صقلیہ کی فتح کے بعد مسلمانوں نے اس علاقے کو فتح کیا تھا۔ یہاں بہت

سے مسلمان تجارت اور کاشتکاری کی غرض سے آباد ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کو صلیبی لشکروں نے سب سے پہلے یہاں سے نکالا تھا۔

۸۔ کرمان :۔ یہ بہت بڑا علاقہ تھا۔ اور اس کے مغربی حدود فارس سے ملتے تھے۔ اس کے مشہور شہر شیرجان، بم، جیرفت، ہرموز وغیرہ تھے۔

۹۔ جرجان :۔ اس کے شمالی طرف ترکستان، جنوب میں قومس، مشرق میں خراسان اور مغربی حد بحیرہ خزر پر تھی۔ جرجان، استرآباد، دہستان اس کے مشہور قلعے اور شہر تھے۔

۱۰۔ کرمان :۔ یہ ملک کرمان کے مشرق میں تھا۔ تبز، کنیز، درک، مکک اس کے مشہور شہر تھے۔

۱۱۔ قومس :۔ جرجان کے جنوب میں واقع تھا۔ اس کی جنوبی اور مشرقی حدود خراسان کے ریگستان سے ملتی جلتی تھیں اور اس کا صدر مقام دامغان تھا۔ رے اس علاقے کا مشہور شہر تھا۔ جو سلجوقیوں کا پایہ تخت بنا۔ اور اسلامی اور صلیبی فوجوں میں اس بہت زبردست جنگ ہوئی۔

۱۲۔ طوران :۔ یہ علاقہ مکران اور سندھ کے درمیان تھا۔ اس کے مشہور شہر کیز کانان، قصدار (خضدار) اور معالی تھے۔

۱۳۔ خراسان :۔ یہ دشوار گزار ریگستانی علاقہ ہے۔ جہاں معدودے چند نخلستان ہیں۔

۱۴۔ آرمینیہ :۔ یہ علاقہ الجزیرہ کے شمال کی طرف واقع ہے۔ یہ پہاڑی علاقہ ہے۔ اس کا صدر مقام دبیل شہر تھا۔ خلاط، ارزان، قالیقلا، میافارقین اس

کے دُوسرے بڑے شہر اور چھاؤنیاں تھیں۔ باوجودیکہ یہ علاقہ کئی صدیوں تک اسلامی حکومت میں رہا۔ مگر اس کی پچانوے فیصدی آبادی عیسائی تھی۔ یہاں کے باشندے فطری طور سے مفسد اور سازش پسند تھے یہاں پر ہمیشہ بغاوتیں ہوتی رہیں جس کی وجہ مسلمانوں کی رحمدلی یا فیاضی سمجھنی چاہیئے۔ آرمینیہ بلیبی نائبوں کا بہت عرصہ تک مستقر بنا رہا۔ مگر آخر کار ترکوں نے اسے دوبارہ فتح کر لیا۔ پہلی جنگ عظیم میں بھی یہ اسلامی حکومت کے پہلو میں کانٹا تھا۔ اور یُونانیوں کا معاون تھا۔

۱۵۔ خوارزم :۔ یہ علاقہ دریائے جیحوں کے کنارے پر شمال کی جانب ایک مستطیل قطعہ ہے۔ تین اطراف پر ریگستان اس کا محافظ ہے۔ اس علاقے کی شادابی جیحوں اور اُس کے معاون دریاؤں کی طغیانی اور برساتی نہروں پر ہے۔

بنی عباس کا نظم و نسق

بنی عباس کے عہد کا پہلا دور جو ۱۳۲ھ سے ۲۲۷ھ تک تھا۔ عہدِ زرین کہلانے کا حقدار ہے۔ دُوسرا دور جو ۲۲۷ھ سے ۶۵۶ھ تک تھا۔ بہت ناقص دور تھا۔ کیونکہ اس دَور میں دربار خلافت کا اقتدار بالکل ختم ہو چکا تھا۔ غور سے دیکھا جائے تو اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ غلاموں، خواجہ سراؤں اور کنیزوں کا عمل دخل اُمورِ سلطنت میں بہت بڑھ گیا تھا۔ ملک کے اندر شورشیں برپا تھیں۔ مختلف صُوبوں میں طوائف الملوکی اور خود مختاری پیدا ہو چلی تھی۔ گو خلیفہ کے نام پر تمام اسلامی ممالک میں خُطبہ پڑھا جاتا تھا۔ مگر خلیفہ کا اختیار دارالخلافہ کی حُدود سے باہر برائے نام تھا۔ جو حاکم طاقتور یا فاتح بن جاتا وہ خلیفہ سے

اپنی بادشاہت کے لئے سند حاصل کر لیتا۔ یہ حکومتیں شخصی تھیں۔ اور بادشاہوں کے ذاتی مفاد کا حصول افضل و بالاتر سمجھا جاتا تھا۔ (۳۲۲ھ) خلیفہ راضی باللہ کے عہد میں خلیفہ محض نام کا خلیفہ رہ گیا تھا۔ اور خلافت صرف ایک دینی رسم ہو کر رہ گئی تھی۔

اُمورِ سلطنت میں عجمی غلاموں کا عمل دخل خلیفہ منصور کے زمانہ سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ سلطنت کے ذمہ دار عہدے اور مناصب عجمیوں اور تُرک غلاموں کے قبضہ میں چلے گئے تھے۔ ان غلاموں کے دلوں میں اسلامی تعلیمات نے پُورے طور سے گھر نہیں کیا تھا۔ کیونکہ ان غلاموں کی اخلاقی تعلیم و تربیت پر پُوری توجّہ نہ دی گئی تھی۔ رشوت ستانی شرمناک حد تک پہنچ چکی تھی۔ یہاں تک کہ صُوبوں کے خود مختار حاکم اپنے لئے خلیفہ کے کسی غلام یا کنیز یا خواجہ سرا کی سفارش سے سندِ حکومت حاصل کر لیتے تھے۔ فسق و فجور کی گرم بازاری تھی۔ خلافت کو ایسا گھُن لگ چُکا تھا جس میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ ان گمراہوں کا سرچشمہ دو ہی چیزیں تھیں :۔

اوّل :۔ علوم و فنون عقلیہ کی گرم بازاری جس کی سرپرستی کا شرف بنو عباس کو حاصل ہوا۔

دوم :۔ حکومت و سلطنت کا فاسد نظام جس کی داغ بیل بنی اُمیہ کے ہاتھوں پڑی تھی۔

خلافت عباسیہ میں جو گمراہیاں پھیلیں۔ ان کا سرچشمہ یہی تھا۔ کہ اس دور میں علومِ عقلیہ کی گرم بازاری کے باعث دین کو عقل کے مطابق کرنے کی کوشش

کی گئی۔ گویا یہ پہلے سے ہی تسلیم کر لیا گیا۔ کہ عقل تو سراسر بے قصور اور بےخطا ہے۔ بنو اُمیہ کے دورِ آخر میں اس تحریک کا آغاز یہودیوں کی فتنہ پردازیوں سے ہوا۔ جو بظاہر مسلمان بن گئے تھے۔ اُن کا عروج خلافت عباسیہ میں ہوا۔ جبکہ رُوما کی حکومت کی طرف سے فلسفہ کی شکل میں بھیجا ہوا گمراہ منصوبہ بغداد پہنچا اور اسلام کا بظاہر مددگار بن کر درحقیقت اس تحریک کا قومی معاون پیدا ہو گیا۔

پانچواں باب

اسلامی حکومت کی فوجیں

اور اُن کا انحطاط

عرب اسلام کے عُروج سے بنواُمیہ کے عہد تک اسلامی فوج زیادہ تر عربوں پر مشتمل تھی۔ جو اپنی بہادری اور عزم و استقلال کے باعث تمام دُنیا میں مشہور تھے۔ انہیں عرب جانبازوں کی مدد سے مسلمانوں نے ایران اور رُوم کی سلطنتوں کا تختہ اُلٹا تھا۔ اور اسپین سے لے کر ہندوستان کا علاقہ فتح کیا تھا۔ ان لوگوں میں اسلامی رُوح پُوری طرح سرایت کرگئی تھی۔ اس لیئے یہ جہاد کے جذبہ سے سرشار تھے۔ بنی اُمّیہ کے عہد تک فوج کے سب سے بڑے بڑے عہدے ہمیشہ عربوں کے پاس رہے۔ اس لئے اسلامی فوج میں بلا کا حلم اور ضبط موجود رہا۔

ایرانی اموی خلیفہ مروان کے عہد میں عباسیوں کو ایک دیر اور قابل

جرنل ابو مسلم خراسانی مل گیا۔ عباسیوں نے اسے اس کے اپنے وطن خراسان میں بھیجا۔ تاکہ وہاں جاکر خراسانیوں کا لشکر تیار کرے۔ اور اس فوج سے عباسیوں کے لیئے بیعت لے۔ ابو مسلم نے نہایت قابلیت سے نہ صرف فوج بھرتی کی۔ بلکہ اُس نے بہت منظّم تربیت یافتہ اور جنگجو لشکر تیار کیا۔ اس خراسانی لشکر سے ابو مسلم نے بنی اُمیہ کی فوجوں کو شکست فاش دے کر عباسی خاندان کو با اقتدار بنا دیا۔ اس خدمت کے صلے میں ابو مسلم کو اعلیٰ منصب اور وسیع اختیارات دیئے گئے۔ ابو مسلم نے اسلامی لشکر میں ایک زبردست تبدیلی یہ کی۔ کہ تمام فوج کو ایرانیوں سے بھر دیا۔

ممالیک خلیفہ سفاح نے ایرانیوں کے اس قدر بڑھتے ہوئے رُسوخ کو پسند نہ کیا۔ اور اُس نے کئی فوجی عہدے تُرکوں کو دے دیئے۔ اور ساتھ ہی تُرکی نوجوانوں کو اپنے باڈی گارڈ میں بھرتی کر لیا۔ اس کا سلسلہ دراصل خلیفہ منصور سے چلتا ہے۔ چونکہ خلیفہ منصور اپنے عہد میں ابو مسلم کے اقتدار سے اس قدر خائف ہو گیا تھا۔ کہ اُس نے ابو مسلم کو قتل کرا دیا تھا خراسان کی فوج نے بغاوت کی۔ منصور نے اس بغاوت کو دبا دیا اور بے شمار باغیوں کو قتل کروا دیا۔ اس قسم کی روک تھام کی غرض سے خلیفہ معتصم نے بھی ترکستان کے عاملوں کو لکھ کر چھوٹی چھوٹی عمر کے ترک نژاد لڑکے منگائے۔ اور اُن کو فوجی تعلیم دی۔ یہ فوج ممالیک کے نام سے پکاری گئی۔ اور خاندان غلاماں کے نام سے مشہور ہوئی۔ شروع شروع میں ان قوی الجثہ ترکی نوجوانوں کو باڈی گارڈ میں بھرتی کیا گیا۔ مگر بعد میں جب ان کی تعداد بڑھتی گئی۔ تو ان کے رسالے اور

پلٹن کے دستے بھی بنائے گئے۔ ۳۲۸ھ میں واثق جب خلیفہ بنا۔ تو اُس نے ایک تُرک کو جس کا نام اشناس تھا۔ اپنا نائب السلطنت بنایا۔ اور اس کے لئے تاج شاہی بنوایا۔ اور اُس کے سر پر رکھا بالفاظ دیگر اب ترکوں کی طاقت معراج پر تھی۔ یہاں تک کہ بعد ازاں خلیفہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کر سکتا تھا۔ کئی خلیفہ ترکی سپاہیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اور ممالیک نے دُوسرے شاہزادوں کو تخت نشین کیا۔

سلجوق

تاتاری بھی ترک تھے۔ اسلام قبول کرنے سے قبل ان کی حالت ایسی ہی تھی۔ جیسے عرب کے خانہ بدوش بدّو لوگوں کی تھی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد تاتاری اسلامی فوجوں میں بھرتی ہو گئے۔ اور ان کے بہت سے افراد بہت ممتاز عہدوں پر فائز ہو گئے اور کئی سرداروں نے نئی حکومتیں قائم کیں۔ مثلاً امیر تیمور بھی تاتاری تُرک تھا۔

ایک تاتاری نژاد شخص سلجوق نامی تھا۔ اس کا خاندان ماوراء النہر تھا۔ مگر اُس نے اپنی دلیری اور بہادری سے شہرت حاصل کر لی۔ تو اُس نے سمرقند میں حکومت قائم کی۔ سلجوقی خاندان کے کئی فرد غلاموں کی حیثیت میں دُنیا کے کئی ملکوں میں گئے۔ وہاں ناموری حاصل کی اور وہاں حکومتیں بھی قائم کیں۔ مصر کے عرب خلفا نے بھی عربوں کو فوج میں اکثریت کا شرف نہ بخشا۔ بلکہ ممالیک کے دوسرے قبائل میں سے غلام خرید کر ان کے لشکر تیار کئے۔

معتزلی

یہ مصر کے علاقے لوف اشرقیہ اور دقہلیہ کے رہنے والے تھے۔ یہ جنگجو قوم تھی۔ اور خلیفہ کی فوج بہت کثرت سے اسی قوم کی تھی۔

فراہمی

مصر کے خلفائے سمرقند، اتسرا ور فرغانہ کے تاتاری ترکوں کو مالیک کی طرح سے جمع کر کے فنِ حرب کی تعلیم دی۔ اور لشکر میں بھرتی کیا۔

مذکورہ بالا اقوام کے علاوہ عرب۔ مصری اور سوڈانی باشندے بھی اسلامی لشکر میں تھے۔ مگر ان کی تعداد مقابلتاً کم تھی۔

ینگ چری

جب ترکوں کے پاس حکومت آئی۔ اور آلِ عثمان کا ستارہ چمکا۔ تو انہوں نے بھی اپنے سے پہلے اسلامی حکومتوں کے خلفا کی تو تائید اور پیروی کی۔ مگر خلفائے راشدین کے طرزِ عمل سے بے بہرہ رہے۔ کیونکہ آل عثمان نے ایک نئی وضع کی ترکی نژاد فوج تیار کی اور وہ "ینگ چری" ہے۔

"ینگ" کے معنی "نو" یعنی نوجوان بچے اور "چری" کے معنی "سپاہ"۔ یہ نام اس لئے رکھا۔ کیونکہ خلیفہ نے غریب ترکوں کے گھرانوں کے خوبصورت، ہونہار، مضبوط نوجوان لڑکے جن کی عمر کم و بیش پندرہ [۱۵] سال کی ہوتی تھی۔ اُن کو فوجی کیمپ میں جمع کر کے فن حرب کی تعلیم دی تھی۔ شروع شروع میں یہ عثمانی خلفا کے باڈی گارڈ بنے۔ پھر ان ہی لوگوں کے چیدہ چیدہ فوجی دستے بنائے گئے۔ ان دستوں کو موجودہ برطانوی گارڈز کا بریگیڈ سمجھئے۔ شروع شروع میں یہ دستے بہادری اور جاں نثاری میں اپنی مثال آپ ہی تھے۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ فطرت انسانی اپنا کام کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ بیسویں صدی میں یہی دستے آل عثمان کے زوال اور تباہی کا باعث بنے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟

اس کی اہم وجہ یہ ہے۔ کہ خلفا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد کے حکم کو بھلا دیا تھا۔ اس اہم اُصول کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں

کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وصال اور سخت اضطراب کی حالت کے وقت ان الفاظ میں یاد دلایا تھا:۔

"اے مسلمانو! تم میں سے کوئی جہاد کو ترک نہ کرے۔ اس لئے کہ جو قوم ترکِ جہاد کرتی ہے۔ اُس کو اللہ تعالیٰ ضرور ذلیل و خوار کرتا ہے۔"

خلفائے راشدین کے وقت مسلمان اس نصیحت پر کاربند رہے۔ تو وہ کامران رہے۔ اور تمام شر و نقصان سے محفوظ رہے۔ مگر جب مسلمان یہ بھول گئے۔ تو بزدل کم حوصلہ بن گئے۔ کیونکہ تلوار عوام کے ہاتھوں سے نکل کر مخصوص گروہ کا آلہ کار بن گئی تھی۔ اس کا نتیجہ بہر حال یہ ہوا کہ عوام کے حوصلے اپنی بے بسی کے باعث پست ہو گئے۔ وہ فن حرب اور دفاعی سیاست سے ناآشنا ہو گئے۔ اس پستی نے مسلمانوں کے حاکموں کو بزدل اور ڈرپوک بنا دیا۔ اس کا قدرتی ردِّ عمل یہ ہوا۔ کہ مسلمانوں کے دشمن اس اضطرابی کیفیت اور کم ہمتی کو دیکھ کر شیر بن گئے اور چونکہ عوام میں فن حرب سے دلچسپی نہ رہی تھی۔ لہٰذا مسلمانوں کے آلات حرب پُرانے دقیانوسی اور بے اثر ہو گئے۔ اس کا بھی نتیجہ یہی نکلنا تھا۔ کہ اسلامی لشکر کے سپاہی مجاہد نہ رہے۔ وہ ممالیک، معزلی، فراغنہ، ینگ چری وغیرہ وغیرہ تھے اور بس۔ وہ زر خرید تھے وہ زر کے لئے لڑتے تھے یہ اس لئے ہوا۔ کہ اب اسلامی سلطنتوں کی فوج سیاسی مشین تھی۔ ان میں جہاد فی سبیل اللہ کا نہ جوش تھا اور نہ برکت اور نہ ہی جذبۂ شہادت تھا۔ لیکن جن اسلامی سپہ سالاروں نے اس کمزوری کو سمجھ کر اس کا تدارک کیا۔ وہ کامران ہوئے۔ اور یہی ہمیں اس کتاب میں دکھانا مقصود ہے:

چھٹا باب

عیسائی مذہبی پیشوا سیاسی اقتدار کے میدان میں

دسویں صدی کے اختتام پر طوائف الملوکی کے مٹ جانے پر یورپ کی حکومت کے نظام نے ایک انقلابی شکل اختیار کی۔ یورپ میں ڈیوک، کاؤنٹ اور نائٹ ہر وقت برسرِ پیکار تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شاہ چارلس کے جانشین نااہل اور کمزور تھے۔ مگر جب فرانس کی حکمرانی کا عصا ہیوکیپے (HUGH CAPET) کے ہاتھ میں آیا۔ تو اُس نے سب ڈیوکوں، کاؤنٹوں اور نائٹوں کو اپنے اقتدار سے اپنا معاون و مددگار بنا لیا۔ یہ ضرور ہے کہ ان اُمرا کی وفاداری قابل اعتماد نہ تھی۔ پھر بھی ہیوکیپے کے عہد میں فرانس ایک مقتدر اور منظم حکومت تھی۔ ہسپانیہ (اسپین) میں اسلامی طوائف الملوکی کے مٹنے سے عیسائی بادشاہت نمودار ہو رہی تھی۔ اور دُوسری طرف جرمنی کے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں نے مل کر اپنے آپ کو ایک زبردست جرمن سلطنت

بنانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور اتحادی جرمنوں کے شہنشاہ نے اپنے تئیں رومیوں کا قیصر کہلوانے کا تہیہ کر لیا۔ آگے چل کر ہم یہ دیکھیں گے۔ کہ یہ حرص کہاں تک عیسائی دنیا کے مذہبی عقیدوں اور سیاسی نظریوں کے بدلنے کا باعث بنی۔

مذہبی پیشواؤں میں اقتدار کے حصول کی حرص

نویں اور دسویں صدی کے آغاز کے زمانے میں عیسائی مذہبی پیشوا اپنی بداعمالی کے باعث ذلت و بدنامی کے گہرے غار میں دھکیل دیئے گئے تھے۔ پاپائے رُوم بھی ان رُوسیاہوں سے نہ بچ سکا تھا۔ جب اوٹو نامی پاپائے رُوم بنا تو اُس نے تمام مذہبی پیشواؤں کو نیک نامی اور احترام کے حصول کی طرف جانے کی ترغیب دی۔ چنانچہ مذہبی پیشواؤں کی صحیح رہنمائی کا سہرا اسی کے سر رہا ہے۔ جب گریگوری ساتواں پاپائے رُوم بنا تو اس نے سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی حالات کا صحیح توازن کر کے ایک ایسا منصوبہ تیار کیا۔ جس کی مدد سے عیسائی پیشواؤں کو سیاسی اقتدار بھی حاصل ہو جائے۔ گریگوری خود تو اُسے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکا۔ مگر پوپ اربن نے اُسے پورا کر دیا۔

یورپ چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کی خانہ جنگیوں۔ حرص اور نفس پرستی کے باعث اقتصادی و معاشرتی لحاظ سے تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ لڑائیوں اور فسادوں کی وجہ سے ظلم، تشدد اور نفس پرستی کے جرائم اس قدر کثرت سے ہو گئے تھے۔ کہ عوام از حد دل برداشتہ ہو گئے تھے۔ قحط سالی کے باعث خوراک کی بہت کمی تھی۔ فسادات کے باعث تجارت و صنعت میں کمی ہونے کے باعث غربت حد درجہ تک پہنچ چکی تھی۔ اس نازک وقت میں پوپ گریگوری نے

یہ نعرہ بلند کیا "قیامت کے آثار کی طرف توجہ کرو۔ مذہب کی طرف آکر نجات حاصل کرو"۔ یہ نعرہ بہت با اثر اور کارگر ثابت ہوا۔

دسویں صدی کے آخری چند سالوں کے دوران میں مذکورہ بالا یورپی حکومتوں کا دور شروع ہونے کے باعث یورپ میں امن اور نظم و نسق کی حکومت جب دوبارہ ظہور میں آئی۔ تو لوگوں کے دلوں میں مذہبی عقیدت بڑھ گئی یا یوں کہیئے، کہ مذہبی پیشواؤں نے اس خوشحالی کو اپنی دعاؤں کے اثرات کا نتیجہ بیان کیا۔ اس مذہبی عقیدت کے فروغ کی بنیاد پر مذہبی پیشواؤں نے عوام کی توجہ دوبارہ فلسطین کے مقدس مقامات کی طرف مبذول کی۔ عوام تو کیا شاہ و گدا نے اپنے مذہبی پیشواؤں کے کہنے پر مقدس مقامات کے غربا اور مقدس مقامات کی نگرانی کے لیئے فراخدلی سے روپیہ خیرات کرنا شروع کیا۔ یہ خیرات اور بھی افراط سے دی گئی تھی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھائے اب دس صدیاں گذر چکی تھیں۔ اور اب گیارہویں صدی کا آغاز تھا۔ اور ایسٹر کے ایام آ رہے تھے۔ اس خیرات کے جذبہ کے ساتھ پادریوں نے پاپائے روم کے ایما پر ہر کس و ناکس کو مقدس مقامات کی زیارت کا شوق دلایا۔ اور اس طرح سے پاپائے روم اپنی گئی ہوئی عظمت کو قسطنطنیہ کے اسقف کے ہاتھ سے چھین لینا چاہتا تھا۔ تاکہ پاپائے روم عیسائی دنیا کی عظیم ترین اور واحد ہستی پھر سے بن جائے۔ اور اس طرح سے مذہبی عظمت کے ساتھ ساتھ سیاسی اقتدار حاصل ہونے کا امکان بھی تھا۔ دولت چونکہ اقتدار کا ہمیشہ قدم چومتی ہے۔ اس لئے دولت مند پوپ اور بھی طاقتور ہوگا۔ مقدس مقامات کی

زیارت کے جذبہ نے اس لئے بہت سُرعت سے ترقّی کی۔ کہ ہر قوم کے عیسائیوں کو یورپ سے فلسطین جانے کا برّی راستہ جو چارلس کے جانشینوں کی کمزوری کے باعث بند ہو گیا تھا۔ پھر سے کھل گیا تھا۔ اور عوام جو بحری راستے سے سفر کرنے سے ڈرتے تھے اب آزادی سے آنے جانے لگے۔ پادریوں کی اس مہم کا یہ اثر ہوا۔ کہ پہلے تو غریب طبقہ اور پھر درمیانی اور اُمراء اور شاہی گھرانے کے لوگ زیارت کے لئے تیار ہو گئے۔ یہی نہیں بلکہ اب زیارت کرنے کے شوق میں مستورات بھی اس کٹھن اور دُشوار گذار سفر کو اختیار کرنے پر تیار ہو گئیں۔ آنجو علاقے کا کاؤنٹ سیاہ کاری، غارت گری اور بے گناہوں کو قتل کرنے کے جرائم میں بہت بدنام تھا۔ اور اسی لئے اس کا نام "سیاہی کا فلاک" رکھ دیا گیا تھا۔ وہ پادریوں کے وعظ سُن کر جہنّم کے عذاب سے ایسا ڈرا کہ اُس نے اپنے کردار سے توبہ کی۔ اور زیارت کے لئے چلا گیا۔ چونکہ اُسے ایک بار زیارت کرنے سے تشفّی نہ ہوئی۔ لہٰذا وہ دُوسری بار زیارت کے لئے چلا گیا۔ زیارت گاہوں کے پاسبانوں اور خدّام نے کاؤنٹ اور اُس کے ہمراہیوں کو مقبرے میں زیارت کے لئے اندر جانے میں بہت رکاوٹیں پیدا کیں۔ مگر کاؤنٹ کہاں ماننے والا تھا۔ لہٰذا وہ کسی نہ کسی طرح سے اندر چلا گیا۔ اور جب زیارت کے اندر ادب ولحاظ کی غرض سے سربسجود ہوا۔ تو اُس نے اپنے دانتوں سے مقدّس مقبرے کے پتّھر کا ایک ٹکڑا کاٹ لیا۔ جسے وہ اپنے وطن لے گیا۔ اور اُسے بیولو (BEAULIEU) کے کنیسہ میں تبرک کے طور پر رکھ دیا۔ ۱۰۳۵ء میں ڈیوک رابرٹس اور اُس کا بیٹا جو بعد ازاں انگلستان کا فاتح بنا۔ زیارت کے لئے بیت المقدس گئے۔ جو بادشاہ

یا اُمرا یا دولت مند طبقے کے لوگ بذات خود زیارت کے لئے نہ گئے۔ انہوں نے فیاضی سے روپیہ جمع کر کے اپنے علاقے کے پادریوں کو زیارت کرنے کے لئے فلسطین بھیجا۔ اس طرح سے یورپ سے بے شمار پادری اور راہب بے شمار تحائف اور روپیہ لے کر فلسطین زیارت کے لئے گئے۔ مثلاً ۱۰۵۸ء میں پاوک کا آرچ بشپ ایک نہایت بیش قیمت سونے کا بنا ہوا کٹھرہ لے کر گیا۔ اس کٹھرہ کی مینا کاری بے مثال تھی۔ جسے جواہرات اور ہیروں سے مزیّن کیا ہوا تھا۔ ۱۰۶۴ء میں تو سات ہزار زائرین کا قافلہ بیت المقدس کی جانب روانہ ہوا۔ اُن کے بیش قیمت لباس اور ساز و سامان نے صحرائی عربوں کے دلوں میں لوٹ کی ہوس ڈال دی۔ لہٰذا اسی غرض سے اُن کو عربوں نے گھیر لیا۔ مگر اس بات کی خبر رمالہ کے صوبے کے مسلم امیر کو ہوئی۔ تو برق اندازی سے زائرین کی مدد کے لئے بڑھا۔ اور اُن کو مار کر بھگا دیا۔ اور تمام زائرین کو امن و امان سے بیت المقدس پہنچا دیا۔ مگر سفر کی سختی اور تکالیف کے باعث اس قافلے میں سے صرف دو ہزار زائرین یورپ کو واپس لوٹے۔

اقتدار کے حصول کے لئے دُوسرا قدم

رلیف گلابر (RALPH GLABER) اُن عیسائی پیشواؤں میں سے ایک تھا۔ جو کہ اُمرا کے چندے اور روپیہ سے فلسطین گیا۔ اور یورپ کو جب واپس لوٹا تو اُس نے یہ قصہ مشہور کر دیا کہ فاطمی خلیفہ الحکم نے اپنے یہودی وزیر کے ایما پر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے مزار اور ملحقہ گرجا کو اس غرض سے منہدم کرا دیا ہے۔ تاکہ یورپ سے عیسائی مقدس مقامات

کی زیارت کے لئے نہ جائیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس یہودی وزیر نے خلیفہ کے کان اس خوف سے بھر دیئے تھے۔ کہ اگر عیسائی اُمرا اور پادری اتنی بڑی تعداد میں مسلسل زائرین کی حیثیت میں آتے جاتے رہے۔ تو اس کی حکومت کو سخت خطرہ ہو جائے گا۔ لہٰذا اگر مقبرے اور گرجا گھر کو گرا دیا گیا۔ تو یورپ سے عیسائی بیت المقدس نہ آئیں گے۔ اور اس طرح سے یہ خطرہ خود بخود ٹل جائے گا۔

یہ غلط افواہ نہایت سرعت سے تمام یورپ میں پھیل گئی اور اس خبر کے پھیلانے والے مقامی پادری اور راہب تھے۔ اس مفسدہ پراپیگنڈے کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ ہر جگہ عیسائی حکومتوں میں بسنے والے یہودیوں پر عیسائیوں نے بیحد ظلم ڈھائے اور اُن کو قتل کیا۔ اس خبر کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ ٹی۔ اے آرچر اور کنگزفورڈ دونوں مورخین نے اسے بے بنیاد کہا ہے۔ جب پادریوں کا اپنا مقصد پورا ہو گیا۔ تو انہوں نے اس خیال سے کہ جب زائرین واپس لوٹیں گے۔ تو کہیں اس کی خبر کی تردید نہ کر دیں۔ چند ہفتوں کے بعد یہ مشتہر کر دیا گیا۔ کہ عیسائی دُنیا کے خوف سے خلیفہ ابھی مقبرہ کو پوری طرح سے منہدم کرنے نہ پایا تھا۔ کہ اُس نے فوری مقدس مقبرہ اور گرجے کو دوبارہ بنوا دیا ہے۔ بہر حال پادریوں کا اور راہبوں کا منصوبہ کارگر ہو گیا۔ اور جب عیسائی اور یہودیوں کے فسادات اسلامی مملکت میں بھی پہنچے۔ تو خلیفہ نے یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کو بطور سزا گھوڑے یا گدھے پر سواری کرنے اور اپنے ہاتھوں میں انگشتریاں پہننے سے منع کر دیا۔ شاید اس ممانعت کی یہ وجوہات

تھیں کہ:۔(۱) گھوڑے اور گدھے کے سفر کی پابندی سے عیسائیوں اور یہودیوں کی جنگ و فساد کرنے کی غرض سے نقل و حرکت میں پابندی ہو جائیگی۔
۲۔ اُن کے خط یا دستاویز قابل اعتماد نہ سمجھے جائیں۔کیونکہ جب اس پر مہر آویزاں نہ ہو گی۔تو کوئی اُن کو مستند نہ سمجھے گا۔
۳۔ اس سزا سے جھگڑا فساد کرنے والوں میں احساس کمتری پیدا ہو جائے اور وہ اپنی حرکتیں چھوڑ دیں۔

مسلمان حکمرانوں کے خلاف نفرت پھیلانے کے لئے یہ پہلا قدم تھا۔ جسے مقدس پوپ اور اُس کے پادریوں اور راہبوں نے کامیابی سے اُٹھایا۔ اور عیسائیوں کے دلوں سے اسلامی رواداری اور حُسنِ اخلاق کو جو وہ زائرین سے کئی صدیوں سے دکھلاتے چلے آرہے تھے۔یک دم نکال باہر کیا۔

شاہ چارلس کے عہد سے یورپ کے نائٹ لمبے یا تھوڑے عرصے کے لئے فلسطین جاتے رہے اور وہاں کے حالات سے اچھی طرح سے واقف ہو گئے۔

حصولِ اقتدار کے لئے تیسرا قدم

مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبہ کو اُبھارنے کے بعد یہ لازمی تھا۔ کہ یورپ کے بادشاہوں، اُمرا (یعنی ڈیوک نائٹ وغیرہ) اور عوام کے دلوں میں یہ جذبہ پیدا کیا جائے کہ وُہ یورپ سے باہر نکل کر نئی حکومتیں اور تجارت کے لئے منڈیاں اور جگہیں تلاش کریں۔ یہ کارِ ثواب بھی تھا۔کیونکہ وہ بے دینوں سے مقدس سرزمین کو خالی کروا رہے تھے۔اس کام کا فوری اثر اجر ملنے کی اُمید، نئی حکومتوں اور لوٹ مار سے عیش و عشرت کے لئے روپیہ اور

لونڈیاں ملنے کی توی اُمید تھی۔ ثواب کا ملنا اس لئے یقینی تھا کیونکہ بڑے پوپ نے ان کے لئے دُعا کر دی تھی۔ لہٰذا ہم خرما و ہم ثواب۔ یعنی دُنیا کا آرام عیش اور آخرت کی مغفرت بھی حاصل ہو گئی۔ نیز پادریوں نے یورپ کے بادشاہوں اور عوام کو یقین بھی دلایا تھا۔ کہ اسلامی خلافت اب کمزور و ناتواں ہو گئی ہے۔ اس لئے عیسائی لشکروں کا مقابلہ نہ کر سکے گی قسطنطنیہ کے قیصر نے جب یورپ میں مذہب کا یہ جذبہ دیکھا۔ تو وہ دل ہی دل میں خوش ہونے لگا۔ اور رُوما کی سلطنت پھر اپنے کھوئے ہوئے علاقوں کی واپسی کے خواب دیکھنے لگی ؎
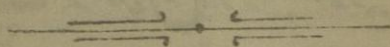
ساتواں باب

الپ ارسلان اور قیصر رومنس

جن ایام میں یورپ بیدار ہو چکا تھا اس زمانے میں بغداد اور مصر کے خلفا کے اقتدار کا ستارہ ڈوب چکا تھا۔ مگر قدرت نے ایک نئی اسلامی حکومت کو استحکام عطا کر دیا۔ طغرل نامی سلجوقی ترک نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی حکومت کو اس قدر وسیع اور طاقتور بنا دیا کہ ۱۰۵۵ء میں بغداد کے خلیفہ نے طغرل کو "سلطان رُوم" کے لقب کی سند عطا کی۔ ۱۰۶۳ء میں جب طغرل کی وفات ہوئی۔ تو اُس کی جگہ اُس کا بھتیجا الپ ارسلان سلطان بنا۔ الپ ارسلان طغرل کا قابل جانشین تھا۔ اور اُس نے ۱۰۶۴ء میں نئی فتوحات کا سلسلہ جاری کر کے خود تو اناطولیہ کے اندر داخل ہو گیا۔ اور قاریہ کو دوبارہ عیسائیوں سے چھین لیا۔ اور اپنے بیٹے ملک شاہ اور وزیر نظام الملک کو آرمینہ اور جارجیہ کے علاقوں کو فتح کرنے کے لئے مقرر کر دیا۔ ۱۰۵۰ء سے ۱۰۶۷ء

کے دوران رُوما کی سلطنت میں یکے بعد دیگرے آٹھ قیصر تخت نشین ہوئے۔ مگر ۱۰۶۷ء میں قسطنطنیہ کی ملکہ یوڈوسیا نے اپنے شوہر قسطنطین دہم کے مرجانے پر ایک بہت جری اور نامور جرنل رومینس سے شادی کر لی۔ ملکہ نے یہ شادی سیاسی بنا پر اس غرض سے کی۔ کہ اس مردِ میدان اور جنگجو جرنل کی مدد سے وہ اپنی کھوئی ہوئی حکومت حاصل کرے۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ بڑے پوپ اور پادریوں نے یورپ کے شاہوں، اُمراء اور عوام کے دلوں میں سلطنت رُوما کو مضبوط بنانے کا زبردست پروپیگنڈہ شروع کر دیا تھا۔ اس لئے قیصر کی مدد کے لئے پہلی بار فرانس، رُوس، یُونان، بلغان سے بطور کمک معاونی دستے آنے شروع ہو گئے۔ ۱۰۶۸ء میں قسطنطنیہ میں تو ایک زبردست عیسائی لشکر جمع ہو چکا تھا۔ مگر سلطان الپ ارسلان کا لشکر اناطولیہ، آرمینہ اور جارجیہ میں کئی دستوں کی صُورت میں مختلف امیروں کے تحت اس غرض سے پھیلا ہوا تھا۔ کہ اسلامی سلطنت کو زیادہ سے زیادہ وسعت دے سکے۔ اور سُلطان بذاتِ خود آذربائیجان کے علاقے میں فتوحات کر رہا تھا۔ قیصر رومینس نے یہ طے کیا۔ کہ سب سے پہلے اناطولیہ کو دشمن سے خالی کرانے کے بعد آرمینہ کی طرف بڑھے گا۔ قیصر نے اپنی فوج کو یکجا رکھا اور یکے بعد دیگرے اسلامی دستوں کو شکست پر شکست دیتا چلا گیا۔ ان شکستوں کے بعد اسلامی لشکروں نے یکجا جمع ہو کر طرزند کے مقام پر قیصر کی فوج کا مقابلہ کیا۔ اور بری طرح شکست فاش کھا جانے کے بعد اسلامی لشکر اپنے وطن کی طرف پیچھے ہٹا۔

قیصر نے سلجوقی لشکر کا تعاقب کیا۔ اور قیصر رومینس کی فوج ۱۰۷۱ء میں آرمینہ کے علاقے میں پہنچ گئی۔ اور وہاں کے نہایت ہی مضبوط قلعے مینزیکرٹ (MANJIKERT) کو آسانی سے فتح کر لیا۔ یہ وہی قلعہ تھا۔ جسے طغرل پہلے دوبارہ تو فتح نہ کر سکا۔ اور آخر کار تیسری یورش میں اُسے فتح کیا تھا۔ اس آسان فتح کی وجہ یہ تھی۔ کہ آرمینہ کی عیسائی رعایا دل وجان سے قیصر کے ساتھ تھی۔ علاوہ ازیں تاریخ شاہد ہے کہ آرمینہ کی رعایا نے ہمیشہ اپنے حاکم اور بادشاہ سے غداری کی۔ دراصل اس قلعہ کی بغیر زیادہ مزاحمت کے فتح کا سبب یہ تھا۔ اس میں مسلمان فوج کا چھوٹا سا دستہ تھا۔ اور قیصر کی فوج بہت بڑی تھی۔

الپ ارسلان کو جب مینزیکرٹ کے دشمن کے ہاتھ میں چلے جانے کی خبر ملی۔ تو وہ نہایت ہی سُرعت سے آذربائیجان سے چل نکلا۔ اور اپنے ہمراہ صرف پندرہ ہزار شہسوار لیئے اور بھاری سامان کو نظام الملک کے ساتھ اپنے دارالخلافہ میں بھیج دیا۔ تاکہ وہاں سے مزید فوجی کمک بھی بھیج دے جرنیل رومینس کو الپ ارسلان کے آنے کی خبر نہ ملی۔ اور جیسے قیصر کی فوج کا ہراول دستہ مینزیکرٹ سے آگے بڑھا۔ تو الپ ارسلان اس پر شمشیر کی طرح اپنی کمین گاہ سے جھپٹا اور رُومی دستے کو تباہ کر دیا۔ اور اس کے جرنیل بسلیکیس کو گرفتار کر لیا ان قیدیوں سے سلطان کو پتہ چل گیا۔ کہ فرانسیسی فوج کا دستہ مینزیکرٹ کے شہر کی لوٹ کے حصے پر خوش نہیں ہے۔ اور اسی لیئے وہ رُوما کی فوج سے الگ ہو گئے ہیں۔ انہی وجوہات سے قیصر نے پیش قدمی عارضی طور سے گو روک دی

تھی۔ مگر اُس کے سلطان رُوم کی سلطنت کے مٹانے کے عزم میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ کیونکہ اسلامی لشکر قیصر کے لشکر سے تعداد میں کہیں کم تھا اور عیسائی لشکر مذہبی جذبات سے سرشار تھا اور کئی مسلسل فتوحات سے اُن کے حوصلے بلند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ قیصر نے رُوسی فوج کی فرانسیسی فوج کے باغیانہ خیالات سے ہمدردی کا فکر نہ کیا۔ اور مسلمانوں سے لڑنے کی ٹھان لی۔ الپ ارسلان نے دشمن کی ان کمزوریوں اور ہراول دستے کی تباہی سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش اس طرح کی۔ کہ اُس نے قیصر سے صلح کی درخواست کی اور اس درخواست کی وجہ یہ بھی تھی۔ کہ اُسے اپنے لشکر کی تعداد کی کمی کا پُورا احساس تھا۔ اور وہ ضرور چاہتا تھا۔ کہ التوائے جنگ کر دے تاکہ اُس کی مددگار فوج کی کمک اُسے پہنچ جائے۔ قیصر روم اسلامی لشکر کی تعداد کی اپنے مقابلے میں کمزوری کو خوب سمجھتا تھا۔ اور اسلامی کمک کے آنے کا بھی اُسے خیال تھا۔ لہٰذا اُس نے سلطان رُوم کی التجا کو یُوں ٹھکرا دیا کہ:۔

"آخری صلح کی شرائط اب تو شہر رے (یعنی دارالخلافہ سلجوقی سلطنت) میں ہوگی۔"

سلطان نے جب حقارت آمیز پیغام کو سُنا۔ تو وہ رات کے وقت دریا سے کئی میل کے فاصلے پر اپنی فوج کو لے گیا۔ تاکہ اپنے دشمن کا مقابلہ کھلے میدان میں کرے۔ جہاں وُہ اپنے رسالے سے پُورا کام لے سکے۔

شہر مینزیکرٹ شہر ارز روم اور شہر وان کے درمیان واقع ہے۔ اور یہ

شہر دریائے مراد کے ایک معاون کے کنارے پر آباد ہے۔ مختلف مؤرخین نے دونوں لشکروں کی تعداد کو مختلف بیان کیا ہے۔ بازنطینی (روما) کے مؤرخین نے سلجوقی لشکر کو پندرہ ہزار سوار اور روما کے اتحادی لشکر کو چالیس ہزار لکھا ہے۔ انہوں نے فرانسیسی اور روسی لشکر کو شمار نہیں کیا۔ مگر بعض اور دوسرے عیسائی مؤرخین نے روما کے اتحادی لشکر کو کم از کم دو لاکھ نفر پر مشتمل لکھا ہے۔ بہرحال اگر بازنطینی تناسب بھی مان لیا جائے۔ تب بھی روما کا اتحادی لشکر مسلمانوں کے لشکر سے کم از کم ڈھائی گنا تھا۔

قیصر روم کا دفاعی منصوبہ

قیصر رومینس کے خلاف عیسائی مؤرخین نے یہ لکھا ہے۔ کہ اس نے روما کے فن حرب کے آزمودہ اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر اپنی فوج کو نئی ترتیب یہ دی۔ کہ ساری فوج کو ایک صف میں کھڑا کر دیا گیا۔ تاکہ یہ صف آگے بڑھے تو بچھو کے بازوؤں کی طرح سے مسلم فوج کو یا تو روندتی ہوئی چلی جائے۔ یا اپنے بازوؤں میں دبوچ کر اس کی ہڈی پسلی توڑ دے۔ اس ترتیب کی وجہ انہوں نے قیصر رومینس کا تکبر، گھمنڈ اور نادانی بتائی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ قیصر اپنے دشمن سلطان کی حیلہ سازی اور انکساری کے دھوکے میں آگیا اور اس نے دوراندیشی کو نظرانداز کر دیا۔

سلطان روم کا دفاعی منصوبہ

سلطان ایسی جگہ نہ لڑنا چاہتا تھا۔ جہاں دشمن کئی روز سے مقیم تھا۔ بلکہ اسے نئی زمین جو اسلامی شہسواروں کے فن حرب کے اصولوں کے موافق ہو۔ وہاں پر اسے لڑانا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے یہ کارروائی کی۔

۱- اپنے لشکر کے بڑے حصے کو شب کی تاریکی اور خاموشی میں خفیہ طریقے سے دریا سے بہت فاصلے پرلے گیا۔

۲- اپنی فوج کے ایک حصے کو رات کے وقت بڑے علاقے میں پھیلا دیا۔ تاکہ دشمن یہ سمجھے کہ سب فوج وہیں پر ہے۔ مگر ہمت ہارنے کے باعث ہٹ رہی ہے۔ اور جان بچا کر بھاگنا چاہتی ہے۔

۳- ۲۶ اگست ۱۰۷۱ء کو جمعہ کا روز تھا۔ سلطان نے صحیح اندازہ لگا لیا تھا۔ کہ دشمن کا لشکر نماز جمعہ کے بعد ہی اس کے بڑے لشکر سے مڈھ بھیڑ کرے گا۔ لہٰذا اُس نے جمعہ کے وقت کفن پہنا۔ اور اسی لباس میں تمام لشکریوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی۔ اور انہیں مجاہدین کی طرح سے لڑ کر شہادت حاصل کرنے کی تلقین کی۔ اور اُن سے کہہ دیا۔ کہ وہ اس میدان جنگ سے واپس نہ جائے گا، لہٰذا اگر وہ مارا جائے تو جہاں وہ گرے، اُسے وہیں دفن کر دیا جائے۔ نماز کے بعد جب سلطان اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ تو اُس نے اپنی نیام کو وہیں پھینک دیا۔ وہ صبح سے دشمن کی دفاعی چالوں کا غور سے مطالعہ کرتا رہا۔ اور حالات کے مشاہدے کے بعد اُس نے اپنے لشکر کو خالدؓ کے نمونے سے ترتیب دیا۔ یعنی اپنے لشکر کو میمنہ میسرہ، قلب کے محفوظ اور مخصوص دستے میں تقسیم کیا۔

۲۶ اگست ۱۰۷۱ء ذیقعد ۴۶۳ھ بروز جمعہ صبح کے وقت جب رومیوں کا لشکر بیدار ہوا۔ تو انہوں نے یہ سُنا۔ کہ اسلامی لشکر رات کو اپنا کیمپ چھوڑ کر بھاگ رہا ہے۔ اور اپنے ساز و سامان کی حفاظت کے لیے اپنے لشکر

کو پھیلا دیا ہے۔ تاکہ رُومی لشکر اسے تباہ نہ کر دیں۔ قیصر رومینس نے اس لئے ایک صف میں لشکر کو کھڑا کر دیا۔ اور اُسے حکم دیا۔ کہ سٹیم رُولر کی طرح سے آگے بڑھتا چلا جائے اور دُشمن کو کچل ڈالے۔

شروع میں رُوما کے دستوں کی اسلامی ہراول کے دستوں سے لڑائی ہُوئی۔ اسلامی دستوں نے نہایت ہی دلیری اور نڈر ہو کر رومیوں پر جوابی حملے کئے۔ مگر وہ فیصلہ کُن لڑائی نہ لڑے۔ اور اپنے دشمن کو فریب دیتے ہوئے پُوری تنظیم کے ساتھ پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ روما کا لشکر فتح کے نشے سے سرشار آگے بڑھتا چلا گیا۔ دوپہر کا وقت گذر گیا اور دُھوپ، پیاس اور بھاری زرہ بکتر نے گو اُن کو پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔ مگر عنقریب فتح کے حصول میں بدمست رُومی آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔ اُن کا کیمپ اب کئی میل دُور تھا، اور اب وُہ اگست کے مہینہ میں تپتے ہُوئے چٹیل میدان میں تھے۔ یہاں اچانک خشک ندی کے کٹاؤ میں سے اسلامی لشکر کے دستے نمودار ہوئے اور وُہ رُوما کے لشکر پر اُن شیروں کی طرح سے حملہ آور ہوئے جو اپنے غاروں میں کمین لگائے بیٹھے اپنے شکار کے منتظر ہوں۔ سلجوقی دستے دُشمن کے لشکر کی صف کے اُن شگافوں کے اندر گھس گئے۔ جو دُشمن کی صف مختلف حصّوں میں لمبے سفر کرنے اور مختلف مقامات میں لڑائی کرنے کی وجہ سے پڑ گئے تھے۔ خاص لشکر جو منتخب تیر اندازوں کا تھا۔ اپنی کمین گاہ سے نکل کر رومیوں کے عقب میں پہنچ گیا۔ اور اُن تیر اندازوں نے دُشمنوں پر غضب ڈھا دیا۔ رومی لشکر اسے بلائے ناگہانی سمجھے۔ اُنہوں نے یہ خیال کیا۔ کہ مسلمانوں نے درحقیقت اُن کو

دھوکا دیا تھا۔ اور انہوں نے اپنا لشکر تو یہاں چھپا رکھا تھا۔ اور صرف تھوڑا سا لشکر سینزیکرٹ لے کر گئے تھے۔ دن ڈھل رہا تھا۔ رومی لشکری بھوک، پیاس، تھکاوٹ سے نڈھال ہو چکے تھے۔ کہ اب یاس نے بھی ان کو گھیر لیا۔

سلجوقی تیر انداز تو اپنے کام میں مشغول تھے۔ اور میمنہ، قلب، میسرہ اور محفوظ فوج کے سالار رومیوں پر بار بار جوابی حملے کر رہے تھے۔ رومیوں کا نظم ٹوٹ چکا تھا۔ تھکاوٹ اور یاس نے اُن کے حوصلے چھڑا دیئے۔ اب رومی اور اُن کے اتحادی بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان حالات میں رومینس نے فوج کو اپنے پڑاؤ کی طرف واپس ہٹ آنے کا حکم دیا۔ سلجوقی رسالے نے رومیوں کے لشکر کو بہت بری طرح سے کاٹ کر رکھ دیا۔ قیصر رومینس لڑتا ہوا مسلم شہسواروں کے ہاتھ قید ہو گیا۔ اس بری خبر سے رومیوں کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے۔ اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ مسلمانوں کی یہ فتح نہایت ہی فیصلہ کن، اور شاندار فتح تھی۔ قیصر رومینس نے دس لاکھ اشرفی بطور سالانہ خراج دینے کا وعدہ کر کے صلح کر لی۔ سلطان نے جب اس شرط کو منظور کر دیا۔ تو قیصر روم نے اپنی دو لڑکیاں بخوشی سلطان روم کے لڑکوں کے لئے عقد کے لئے پیش کیں جنہیں سلطان روم نے قبول کر لیا۔

صلح پر دستخط ہونے کے بعد سلطان روم نے قیصر روم کو خلعت عطا فرمائی۔ اور اُس کے ہمراہ ایک حفاظتی دستہ بھی دیا۔ قسطنطنیہ میں جب اس شکست اور صلح کی خبر پہنچی۔ تو وہاں بغاوت اُٹھ کھڑی ہوئی اور قیصر رومینس کے خلاف مائیکل نے قیصر بننے کا اعلان کیا۔ بہت خونریز

خانہ جنگی ہوئی۔ رومینس آخرکار ہار گیا۔ اور قید ہوا۔ اور اسی قید میں مرگیا۔

جنگ مینزیکرٹ پر تبصرہ

ہم مغربی موٴرخین سے گلہ نہیں کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے جنگ مینزیکرٹ کو مناسب اہمیت نہیں دی۔ درحقیقت یہ لڑائی تاریخی لحاظ سے ایک زبردست فیصلہ کن لڑائی ہے۔ چونکہ مغربی موٴرخین نے جو تاریخیں لکھی ہیں۔ ان کا زمانہٴ ازل سے یہ مقصد رہا تھا۔ کہ مغرب کے عوام کی خودی کو بلند کیا جائے۔ اور انہیں کمتری کے احساسات سے بچایا جائے۔ اس لئے اُن کا یہ رویّہ بالکل درست ہے۔ البتہ مسلم موٴرخین سے یہ گلہ ضرور ہے۔ کہ انہوں نے ہماری رہنمائی کے لئے اس زبردست اسلامی کارنامے کو تفصیل سے نہیں لکھا۔ اس کارنامے پر مشرقی دنیا بالعموم اور مسلمان بالخصوص جس قدر بھی فخر و ناز کریں کم ہے۔ کیونکہ یہ پہلی بار تھی۔ جبکہ دول یورپ کی مشترکہ افواج نے ایشیائی سرزمین پر قدم رکھا۔ اور اس جمّ غفیر کا ایک مٹھی بھر اسلامی لشکر سے مقابلہ ہوا۔ درحقیقت یہ مشرقی اور مغربی فوجوں کی پہلی زبردست لڑائی تھی۔

قیصر رومینس ایک مانا ہوا تجربہ کار اور جنگ آزمودہ جرنل تھا۔ اور جس کے جھنڈے کے نیچے دول یورپ کی فوج بطور کمک آئی تھی۔ قیصر کا یہ حکیمانہ فقرہ کہ "عہد نامہ رے میں ہوگا" قیصر کے اعتماد کو ظاہر کرتا ہے۔ ساتھ ہی اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ رومینس کا مقصد اس کی ملکہ کی طرح سے صرف اپنے ملک کو واپس لینا ہی نہ تھا۔ بلکہ وہ اسلامی حکومت

کو بھی ختم کرنا چاہتا تھا۔ یا یُوں کہیئے کہ جب سلطنت روم ختم ہو جائے گی۔ تو پھر خلافت خود بخود دم توڑ دے گی۔ لہٰذا قیصر کا سیاسی منصوبہ بہت کامیاب ہو جائے گا۔

الپ ارسلان نے اپنی غلطی کو محسوس کر لیا۔ کہ وہ دُشمن کی چالوں سے بے خبر رہا ہے۔ یہاں تک کہ دُشمن کی فوج نے اُس کی مملکت کی فصیل کے دروازے یعنی مینز یکرٹ کے قلعے کو بھی فتح کر لیا تھا۔ اور اب دُشمن کے لئے راستہ صاف تھا۔ لہٰذا سلطان نے فوراً دشمن کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ جس انداز اور خُوبی سے الپ ارسلان نے اپنی غلطی کا تدارک کیا۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ سلطان حربی دفاع کے اُصولوں سے خُوب واقف تھا۔ اور اسلامی دفاعی تاریخ کو اُس نے بغور مطالعہ کیا تھا۔ کیونکہ اُس نے سب سے پہلے بھاری اور بوجھل سامان کو تو اپنے وزیر کے ہاتھ بھیج کر اپنے لشکر کو سُبک رفتار بنا لیا۔ پھر اُس نے اپنے سفر کو خُفیہ رکھا۔ اور دُشمن کے ہراول کو شکست فاش دے کر اِس آہنی پردے کو چاک کر دیا۔ جسے رُومیوں نے اپنی نقل و حرکت کے چھپانے کی غرض سے درمیان میں ڈال رکھا تھا۔ علاوہ ازیں اس ہراول دستے کے قیدیوں سے سلطان کو اپنے دُشمن کے متعلق بہت سے قیمتی حالات معلوم ہو گئے۔ اور جب سلطان خود پیچھے ہٹا تو دُشمن کا کوئی دستہ ایسا نہ تھا۔ جو اسلامی لشکر کی نقل و حرکت کو دیکھتا۔

سلطان نے اپنے دُشمن کی طاقت اور اس موجودہ مورچہ کا صحیح اندازہ

لگا لیا تھا۔ لہٰذا اُس نے اپنی ہوشمندی اور دُور اندیشی سے ایسا دفاعی منصوبہ تیار کیا۔ تاکہ دشمن اپنی رسد کی فراوانی، آلات کی برتری اور بھاری قسم کے آلات حرب مثلاً منجنیق وغیرہ کو اسلامی لشکر کے خلاف کارگر طور سے استعمال میں نہ لا سکے۔ سلطان نے یہ سوچ لیا تھا۔ کہ دُشمن کے سپاہی آرام طلب اور بھاری قسم کے زرہ بکتر کے استعمال کے شائق ہیں۔ لہٰذا اُس نے یہ دفاعی چال چلی۔ کہ وہ دُشمن کو ایسی جگہ لے جائے۔ جہاں اگست کے مہینے کی گرم فضا اور پینے کے پانی کی کمیابی ان عیسائی لشکریوں کو نڈھال کر دے۔ یورپ کے سپاہی خاص طور سے میدان جنگ کے ان مصائب سے ناآشنا تھے۔

قیصر کے رویہ سے صاف ظاہر ہو گیا تھا۔ کہ وہ سلطان کی باتوں میں آگیا ہے۔ اور قیصر کو اپنی فتح کا اس قدر یقین محکم ہو گیا تھا۔ کہ یہ تجربہ کار جرنل غرور اور تکبر کا شکار ہو کر بلا سوچے سمجھے جلد بازی سے ایسی دفاعی چال چل گیا۔ جو کہ لشکر کی تعداد اور دیگر حالات کے بموجب ناموزوں تھی۔

قیصر نے ایک جمِ غفیر کو جو کہ مختلف قوموں اور خیالات کی افواج کا مجموعہ تھا۔ ایک صف میں کھڑا کر دیا۔ تاکہ رومی لشکر اسلامی لشکر کو سٹیم رُولر کی طرح پہلے ہی ریلے میں روندتا چلا جائے۔ اُس نے مقامی زمین کے حالات اور موسم کو غالباً اس لئے زیادہ اہمیّت نہ دی۔ کیونکہ اُسے یہ یقین تھا۔ کہ فتح اُسے یقینی طور سے حاصل ہو گی۔

سلطان رُوم نے اپنے دُشمن کو ایسی پٹخنی دی۔ کہ وُہ خود بخود اپنے مقابل

کے جال میں پھنس گیا۔ مینز یکرٹ کی لڑائی اور جنگ بدر کی حالات ہیں ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔ مثلاً جس طرح آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے طاقتور اور بے شمار دشمن (قریش) کو غرور و تکبّر میں سرشار کر کے ایسی جگہ لڑائی لڑنے پر رضامند کر لیا۔ جہاں فضائی اور حربی حالات قریش کے مخالف تھے۔ قریش نے مسلمانوں پر ریت کی بڑی دلدل میں سے گذر کر مسلمانوں پر جب حملہ کیا۔ تو وُہ تھکان، بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو چکے تھے۔ یہی حال رُومی لشکریوں کا تھا۔ جو کہ صبح کے بعد سے دوپہر تو کیا دن ڈھلے تک چٹیل میدان میں سخت گرمی کے موسم میں مسلمانوں کے خلاف لڑتے رہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ اسلامی فوج تو بھوک پیاس کے عادی اور سخت جان تھی۔ مگر رُومی سپاہی ان مصائب سے ناآشنا تھے۔ اس لئے وہ آخر کار بیدم ہو گئے اور اُن کے ہاتھ تلوار چلانے سے عاجز ہو گئے۔

قیصر نے سب سے بڑی غلطی یہ کی۔ کہ اپنے ہاتھ میں کوئی محفوظ فوج نہ رکھی۔ اُس نے اپنی تمام فوج بہت بڑے علاقے میں پھیلا دی۔ اور جب سلطان کی تازہ دم فوج نے رُوما کی فوج کو کاٹنا شروع کیا۔ اور رُومی سپاہی گھبرا گئے۔ تو اُس نے اپنی فوج کو مجبوراً اپنے کیمپ کی طرف لوٹنے کا حکم دیا۔ ان حالات میں پیچھے ہٹنے کا حکم دینا سخت غلطی تھی۔ اور دفاعی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ ایسے حالات میں پسپائی کر کے پھر جوابی حملہ صرف وہی فوج کر سکتی ہے۔ جس کا سالار نہایت ہوشمند اور ایسا شخص ہو۔ جس پر اُس کی فوج کا ہر سپاہی اور سالار جان دینے کو تیار ہو۔

مصنف نے دونوں عالمگیر جنگوں کے علاوہ بہت سے چھوٹے معرکوں میں بھی ان حالات کا نتیجہ دیکھا ہے۔ ڈنمرک اور برما کے محاذ پر دو دفعے اس بیان کی دلیل کے لیئے کافی ہیں۔ اتحادی فوج مئی سنہ ۱۹۴۰ء میں محض اخلاقی شکست کے باعث جرمنوں کے خلاف ڈٹ کر نہ لڑ سکی۔ توپوں میں گولے بھرے رہے۔ جن کو اتحادی توپچیوں نے چلانے کی سعی تک نہ کی۔ مشین گن اور ٹینک کے دستے لڑائی لڑنا بھول گئے۔ یہی حشر روم کے عظیم لشکر کا ہوا۔ وُہ دشمن سے تعداد میں کئی گنا ہے۔ ان کے آلات بہتر تھے۔ مگر سب بیکار ثابت ہوئے۔

سلطان الپ ارسلان کو اپنے لشکریوں پر پُورا پورا اعتماد تھا۔ چنانچہ اُس کا دستہ پیچھے ہٹا۔ مگر عزم اور نظم کے ساتھ۔ اس کے لشکریوں میں شہادت پانے کا جذبہ تھا۔ اس لیئے فتحیابی ان کو نصیب ہوئی۔ علاوہ ازیں سلطان نے اپنی نقل وحرکت کی اہلیت کی فوقیت کو نہایت کامیابی سے استعمال کیا۔ کیونکہ اپنی فوج کو اُس وقت تک تازہ دم رکھا۔ جبکہ دشمن لمبے فاصلے اور گرم موسم میں سفر کرنے کے باعث تھک چکا تھا۔ ایسی حالت میں تیر اندازوں کا عقب سے اچانک حملہ اور پھر کمین گاہ میں چھپے ہوئے دستوں کے جوابی حملے ایسے تھے۔ جنہوں نے دشمن کے لشکر کے حوصلے پست کر دیئے۔ قیصر رومینس نے باوجود بڑی ہونے کے فوج کو گہرائی میں ترتیب دے کر نہ لڑایا۔ اس کے برعکس سلطان نے اپنی فوج کو اس طرح سے کھڑا کیا۔ کہ دشمن کے حملے اُس کے لشکر پر ایسے تھے۔ جیسے کسی کمانی دار گدّے پر ہوں۔ یعنی جیسے

ہی ہاتھ کا دباؤ ہٹتا گدے کے سپرنگ اسے اصلی حالت میں لے جاتے۔

مینز یکرٹ کی لڑائی بہت کچھ حضرت خالدؓ کے جوابی حملوں کا رنگ لئے ہوئے تھی۔ جس طرح سے حضرت خالدؓ اپنے دشمنوں کے لشکر کی صفوں کا پہلے نظم توڑ دیتے اور پھر دشمن کی صفوں میں شگاف پیدا کرتے۔ بعدازاں اپنے جانباز شہسوار بھیج دیتے۔ جو دشمن کے عقب اور پہلوؤں (فلینکوں) پر جوابی حملے کرکے دشمن کی صفوں کو اس طرح سے پیچھے کی طرف ہٹاتے۔ جیسے کوئی قالین کو لپیٹتا ہوا چلا جائے۔ سلطان نے اپنے جدِ امجد سپہ سالار حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی نہایت ہی قابلیت سے تقلید کی۔ اور ہم اس سے یہ سبق بھی سیکھ سکتے ہیں۔ کہ چونکہ تاریخ اپنے اوراق بار بار دُہراتی ہے۔ لہٰذا ہمیں اسلامی دفاعی تاریخ کا نہایت غور سے مطالعہ کرنا چاہیئے۔

اس عظیم الشان فتحیابی کے باعث عرصہ دراز تک اسلامی حکومت کا مرکز بیرونی دشمنوں سے محفوظ ہوگیا۔ علاوہ ازیں اسلامی استحکام کے باعث اس علاقے میں ایک ایسی حکومت بن گئی۔ جو بہت عرصہ تک عیسائی حملہ آوروں کے پہلو میں خار بن کر کھٹکتی رہی۔ اور اسی حکومت کے وجود کے باعث کچھ عرصہ تک عیسائی پادریوں کا دفاعی منصوبہ معطّل رہا۔ خصوصاً جب کہ الپ ارسلان اور اُس کے جانشینوں نے اپنے اقتدار کو رُوما کے علاقے میں اور بھی بڑھا دیا۔ سلطان الپ ارسلان کے چچیرے بھائی سلیمان نے بحیرۂ ماموره سے بحیرۂ وسط تک اناطولیہ کے علاقے کو تاخت و تاراج کرکے شہر انطاکیہ کو جب فتح کرلیا۔ تو اُس نے قونیہ (ICONIUM) کو اپنا مستقر بنالیا۔

جب جنگ ختم ہوئی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے حدیثی اُصول پر سلطان نے قیصر سے ہمدردی اور عزّت کا سلوک کیا۔ لیکن عجیب بات ہے۔ کہ مغربی مبصّرین نے اس جگہ نئے افسانے گھڑے ہیں۔ کہ جب قیصر دمنیس سلطان کے حضور پیش کیا گیا۔ تو پہلے اُس نے اس کے سر پر اپنا پاؤں رکھا اور پھر اُسے باعزّت مسند پر بٹھایا۔ دُوسروں نے لکھا ہے۔ کہ پہلے سلطان نے قیصر کو تین بار ہلکی چھڑی سے پیٹھ پر مارا۔ اور پھر مسند پر بیٹھنے کی اجازت دی۔ بہر حال یہ مورّخین سلطان الپ ارسلان کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔ کیونکہ ان میں سے مسٹر گبن یُوں لکھتا ہے کہ :۔

"اگرچہ سلطان نے اپنی قدیم رسم کی پابندی سے ادائیگی کی۔ مگر پھر بھی سلطان نے جو سلوک مفتوح قیصر کے ساتھ کیا۔ وُہ ایسا ہے کہ مہذّب دُنیا کو اسے آبِ زر سے لکھ کر اور اُسے محفوظ کر کے اُس پر عمل کرنا چاہیئے۔"

قیصر مائیکل پر اس اسلامی حکومت کا ایسا خوف بیٹھا۔ کہ اُس نے پاپائے رُوم گریگوری ہفتم سے مدد کی درخواست کی۔ ایک عظیم لشکر جمع ہوا۔ مگر وُہ سلطنت رُوم کی طرف آگے نہ بڑھا۔ اور وہیں منتشر ہو گیا۔ بہر حال پاپائے رُوم اور یورپ کے پادریوں کے سیاسی اقتدار کے لئے مینز یکرٹ کی شکست بہت مفید ثابت ہُوئی۔ کیونکہ یہی لڑائی آئندہ کی صلیبی جنگوں کا باعث اور پیش خیمہ بنی ٭

منزیکرہ بیٹ کی لڑائی
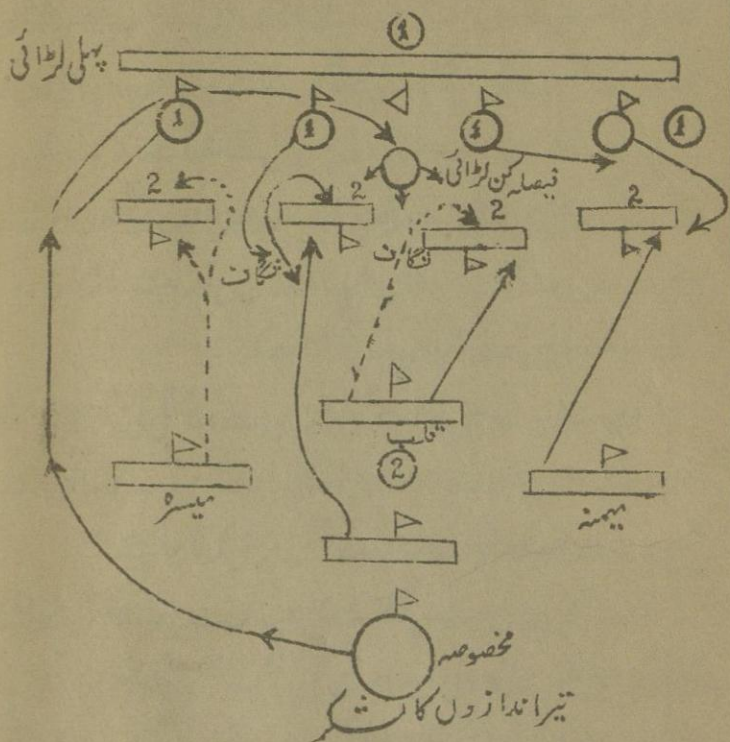
اسلامی فوج

رومی فوج

دشمنوں سے پہلی جھڑپ ہراول

حملے کے بعد رومی فوج کئی دستوں میں بٹ گئی

مسلم تیراندازوں کا فیصلہ کن حملہ

آٹھواں باب

سُلطان ملک شاہ

۱۰۷۲ء میں سلطان الپ ارسلان کا انتقال ہوا۔ تو اُس کی جگہ اُس کا بیٹا سلطان ملک شاہ سلطان بنا۔ اس نوجوان سلطان نے اوائل عُمر سے ہی اپنے قابل باپ کی جو جرنل بھی تھا اور دانش مند بادشاہ بھی، تقلید کی۔ علاوہ ازیں ملک شاہ کو نظام الملک نے سیاست اور اُمور مملکت میں طاق کر دیا تھا۔ اس سلطان نے اپنے بیس[۲] سالہ عہدِ حکومت میں اپنی مملکت کو چین سے افریقہ تک پھیلا دیا۔ ملک نے آئندہ عیسائی بادشاہوں کے حملوں کی روک تھام کے لئے یہ مناسب سمجھا۔ کہ شام، فلسطین اور مصر کو اپنے قبضے میں لے لے۔ اور اُن کو ایک مضبوط صُوبے کی شکل دے دے۔ چنانچہ ملک شاہ نے اپنے بھائی طرطوش کو شام کا بالائی حصّہ دے دیا۔ اور دمشق کو

اُس کا مستقر اور صدر مقام بنا دیا۔ اور فلسطین کو اُس نے اپنے ایک سلجوقی امیر ارطوق نامی کے سپرد کر دیا۔ مگر ۱۸ نومبر ۱۰۹۲ء میں سلطان ملک کا انتقال ہوا۔ تو اس کی سلطنت اُس کے بہت سے جانشینوں میں تقسیم ہو گئی۔ یہی وہ نامور سلطان تھا جس کے خوف سے بازنطینی قیصر نے پاپائے روم اور فلانڈرز (فرانس) کے والی کوئنٹ رابرٹس سے مدد کی اپیل کی گئی تھی۔ یہ کاؤنٹ مشہور فاتح ولیم کا برادر نسبتی تھا۔ مغربی مورخین نے وہ خط نقل کیا ہے جس میں قیصر ایلکسیس نے مدد کے لئے درخواست کی تھی۔ اگرچہ ان مورخین کے قول کے بموجب اس خط کی اصلیت مشتبہ ہے۔ تاہم اس کے پڑھنے سے اس زمانے کے صحیح حالات کا اندازہ لگ جاتا ہے۔ اور اُس خط کا کچھ حصہ یہ ہے :۔

"فلسطین سے بحیرۂ یونان تک کے تمام علاقے پر ترک قابض ہیں۔ اُن کے بحری بیڑے بحیرۂ وسط، بحیرۂ اسود میں بلا مزاحمت ترکی نشان لہراتے ہوئے پھرتے ہیں۔ اور جہاں وہ چاہتے ہیں، چلے جاتے ہیں۔ ہمارا دارالخلافہ قسطنطنیہ سخت خطرے میں ہے۔ اگر اس عیسائی سلطنت کو مٹنا ہی ہے۔ تو ہماری خواہش یہ ہے۔ کہ عیسائی عظمت کا گہوارہ شہر قسطنطنیہ ہمارے ہم مذہب لاطینی اقوام کے پاس چلا جائے۔ ہماری استدعا ہے کہ آپ اس شہر کو ہر صورت اور ہر ممکن طریقے سے بے دینوں کے ہاتھ میں پڑنے سے بچائیں۔"

مقدس پوپ سیلوسٹر دوئم (SYLVESTER) جسے عیسائی دنیا حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے "بے عیب خدائی" کے لقب سے پکارتی ہے۔ایک نہایت درد بھری اپیل لکھ کر یورپ کے تمام ڈیوکوں، کاؤنٹوں اور نائٹوں کو اس کی نقلیں بھیجیں۔اور اُس میں اُن سے یہ اپیل کی کہ:-

"قسطنطنیہ کو مذہب کے دشمنوں یعنی ترک بے دینوں سے بچایا جائے، اگر یہ شہر بے دینوں کے پاس چلا گیا تو عیسائیوں کو سخت خطرہ لاحق ہوگا۔"

ان خطوط کے پڑھنے سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔کہ یورپ دوسری بار اسلامی عظمت سے لرز رہا تھا۔اور عیسائیوں کی حمیّت کو اُکسانے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی تھی۔اور مذہبی راہنما اس میں پیش پیش تھے۔ مذہبی پیشوا عوام کو عیّاری سے یہ ذہن نشین کرا رہے تھے۔کہ اُمراء تو مذہب اور قوم کی غلامی سے بے حس ہیں۔لہٰذا مذہب کی طرف آؤ تاکہ آزادی سے زندہ رہ سکو۔یہ تو عوام سے کہہ رہے تھے۔اُدھر اُمراء کو نئی حکومت، نئے ملک، دولت و ثروت کے لالچ دے رہے تھے۔اور ان کو یہ کہہ رہے تھے۔کہ ہم آپ کے لئے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔تاکہ آپ کو نئے لشکر بھرتی کرنے میں دقّت نہ ہو۔ساتھ ہی اُن کو یہ بھی بتلاتے تھے۔کہ مذہب از حد خطرے میں ہے۔اور اگر آپ (اُمرا) اس وقت صلیبی جنگوں میں حصہ لیں گے۔تو ہم خرما و ہم ثواب کا مقولہ مصداق آئے گا۔کیوں کہ یورپ تو اب بڑی بڑی حکومتوں میں بٹ چکا ہے۔لہٰذا یہاں پر بہادر اور جنگجو جوانوں کے لئے اپنی قسمتیں آزمانے کا کوئی موقع نہیں ہے۔لہٰذا

بہتر یہ ہے۔ کہ آپ (اُمرا) وہاں جائیں۔ جہاں آپ کے لئے نئی حکومتیں فتح کر لینا آسان ہوگا۔ کیونکہ آپ کی طاقت اور اعلیٰ ہتھیاروں کا مشرقی دُنیا کے لوگ مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ یہ دلائل اپنی جگہ دُرست تھے۔ اس لئے ان ایام میں بہت سے نائٹ اور کاؤنٹ مالی مشکلات میں مبتلا تھے کیونکہ یورپ میں لُوٹ مار کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ ان پادریوں نے ان جنگجو نائٹوں کو یہ بھی ذہن نشین کرا دیا تھا۔ کہ اسلامی حکومت کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ ان حالات کا بذات خود مشاہدہ کیا گیا ہے۔ اس نئی سلطنت اور نئی حکومت کے لوگ مال وزر کے ساتھ ساتھ عیسائی مذہبی پیشواؤں، اُمرا اور عوام کو مقدس مقامات کے معجزات جو مختلف مقدس پادریوں نے دیکھے تھے بیان کر کے ان لوگوں کو مرعوب کرتے تھے۔ لطف تو یہ ہے کہ بہت سے جدید زمانے کے مغربی مورخین نے ان معجزات کو من گھڑت لکھا ہے۔ مگر یہ بھی لکھا ہے کہ پادری ان کو اس طرح سے بیان کرتے تھے کہ عوام کو یقین آجاتا تھا۔ آجکل ہمیں اس قسم کے اثرات کا تماشہ دیکھنے کے لئے دُور نہ جانا پڑے گا۔ کیونکہ آئے دن نئے پیر اور نئے مزار بنتے ہیں۔ ان لوگوں کے معجزات ان کے مُرید جس خُوبی سے بیان کرتے ہیں وہ اکثر جاہل لوگوں کے دلوں میں اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ عقاید کی ان کمزوریوں کی وجہ یہ ہے۔ کہ جب عوام مذہب کے صحیح اصولوں اور عقائد سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ تو اس قسم کے اثرات ان پر بہت جلد غالب آجاتے ہیں ؎

نواں باب

صلیبی جنگ کا منصوبہ

بعض مورخین کی یہ رائے ہے۔ کہ صلیبی جنگوں کی ابتدا اس سن سے ہوئی۔ جب اسلامی مجاہدین کا لشکر جہاد کی غرض سے مدینہ سے نکلا۔ اور عیسائی لشکروں نے ان کا مقابلہ کیا۔ لہٰذا اُن کے نظریہ کے بموجب "اسلامی اور عیسائی لشکروں کے تصادم" کو صلیبی جنگ کہا جاتا ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ رائے درست نہیں۔ کیونکہ صلیبی جنگ ایک سیاسی منصوبہ تھا جس میں عیسائی بادشاہوں، اُمرا اور عیسائیوں نے حصہ لیا۔ سیاسی نظریہ کو مذہبی رنگ کیوں دیا گیا۔ اس بات کے سمجھانے کے لئے ہمیں پہلے ساتویں صدی کے واقعات پر غور کرنا ہوگا۔ یعنی یہ زمانہ صلیبی جنگوں کے آغاز یعنی (گیارہویں صدی) سے چار صدی قبل کا ہے۔ اس زمانے میں یورپ میں کئی بار زبردست پلیگ اور بیماریوں نے

ایسا ہولناک سماں باندھا تھا۔ کہ لوگ ان مصائب سے نجات پانے کے لئے غور و فکر کرنے لگے۔ لوگ بدکاریوں اور بدنظمی سے تنگ آ گئے تھے۔ ملک میں طوائف الملوکی تھی۔ ڈیوک اور کاؤنٹ ایک دُوسرے سے برسرِ پیکار تھے۔ مذہب کے پیشوا تک بدکاری کے الزامات کے باعث بدنام تھے۔ یورپ کو کئی جانب سے خطرہ تھا۔ ان کی شمالی اقوام لامذہب تھیں۔ جو بار بار اُن پر حملہ کر کے لُوٹ مار اور غارت گری کرتی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ فرانس کے اندر ایک بڑی سلطنت قائم ہو گئی۔ جس کی وجہ سے ڈیوک اور کاؤنٹ اب لڑنے جھگڑنے سے باز آ گئے۔ ہمن اقوام کے خطرات نے سیکسن اقوام کے اُمرا (ڈیوک کاؤنٹ وغیرہ) بھی یکجا کر دیا اور اس طرح سے جرمنی میں ایک متحدہ حکومت قائم ہو گئی۔ جس کے بادشاہ نے اپنے آپ کو قیصر کا لقب دیا۔ تاکہ وہ بعدازاں اپنے آپ کو مغربی جرمنی کا جائز وارث اور جانشین کہلانے کا حقدار بن سکے۔ قیصر جرمنی نے اپنے بے ملک نائٹوں اور کاؤنٹوں کو جنوبی اٹلی جانے کی ترغیب دی۔ تاکہ وہاں جا کر وہ عرب مسلمانوں کو (جنہیں وہ بے دین پکارتے تھے) وہاں سے نکال کر اپنے عیسائی بھائیوں کی مدد کریں۔ ان جرمن بہادروں نے جنوبی اٹلی اور (سسلی) صقلیہ سے مسلمانوں کو نکال دیا۔ مگر جب ان جرمنوں نے ان مفتوح علاقوں پر اپنی حکمرانی کرنے کا دعویٰ کیا۔ تو معزول شُدہ حکمرانوں اور خاص کر پاپائے رُوم نے ان جرمنوں کے حقوق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

اس انکار کی بنا پر جرمن اُمرا نے ۱۰۵۳ء میں پوپ لیو نہم کو قید کر لیا۔ اور اُسے اُس وقت آزاد کیا۔ جب اُس نے نئے نارمنوں کی گذشتہ اور آئندہ ہونے والی فتوحات کو جائز تسلیم کر لیا۔ اس طرح سے جنوبی اٹلی میں نئی نارمن حکومتیں قائم ہو گئیں۔ ۱۰۵۶ء میں ہنری چہارم جب تخت نشین ہوا۔ تو وہ نابالغ تھا۔ لہٰذا اُس کی سرپرست حکومت بنائی گئی۔ لیکن یہ بہت کمزور تھی۔ اس لئے اُس وقت کے پوپ گریگوری ہفتم نے یہ مناسب سمجھا۔ کہ ایسے وقت میں سیاسی اقتدار حاصل کرے۔ اس کے مددگار نئی نارمن حکومتیں تھیں۔ جو خود مختار رہنا چاہتی تھیں۔ اور اُدھر قیصر جرمنی ان پر اپنا حق جمانا چاہتا تھا۔ لہٰذا پوپ نے یہ دعویٰ کیا۔ کہ سیاسی معاملات میں پوپ اعظم تمام حکمرانوں کے مساوی ہے۔ مگر دینی معاملات میں سب سے برتر ہے۔ اسی بنا پر تمام حکمرانوں کو اپنے اپنے علاقوں میں استفوں اور بڑے پادریوں کے ان حقوق کو تسلیم کر کے اس پر عمل درآمد کرنا چاہیئے۔

جرمن نگران حکومت نے اس اعلان کی مخالفت کی۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ جب ہنری بالغ ہو گیا۔ تو وُہ خود لشکر لے کر نکلا اور پاپائے رُوم گریگوری ہفتم کی فوجوں کو شکست دے کر رُوم پہنچ گیا۔ مگر گریگوری روم چھوڑ کر جنوبی اٹلی جا پہنچا تھا۔ یہ واقعہ ۱۰۸۰ء کا ہے۔ مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد جنوبی نارمنوں کا ایک لشکر گائیکارڈ (GUISCARD) کے تحت آگے بڑھا۔ اور اُس نے ہنری کی فوجوں کو شکست دی۔ مگر گریگوری اس

فتح کو نہ دیکھ سکا۔ کیونکہ اس کا انتقال ۱۰۸۵ء میں ہو چکا تھا۔ لہٰذا اب یورپ کی عیسائی آریہ اقوام کی یُوں تقسیم تھی۔ جو کہ بہت حد تک ہندوستان کے آریاؤں سے مشابہت رکھتی تھی:۔

عیسائی یورپ	ہندوستان
سب سے افضل:۔ پاپائے رُوم۔ پادری	برہمن
اسکے بعد:۔ حکمران، ڈیوک، کاؤنٹ وغیرہ	چھتری
بعد ازاں:۔ عوام	ویش
ان کے بعد:۔ یہودی، مجوسی، بے دین (مُسلم)	شُودر یعنی اُچھوت لوگ

سیاسی اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے لازم تھا۔ کہ مسلم ترکوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو جو دینی عقاید اور جہاد سے فروغ پا رہا تھا روک دیا جائے۔ لہٰذا پوپ نے دوبارہ یہ نعرہ بلند کیا کہ "مذہب کی طرف آؤ"۔

نارمن جنوبی اٹلی اور صقلیہ کی فتوحات سے مالا مال ہو گئے تھے۔ لہٰذا اب ضروری تھا۔ کہ ان فتوحات کو اور بھی آگے بڑھایا جائے۔ تاکہ پاپائے رُوم کی طاقت میں اور اضافہ ہو۔ یہاں پر یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا۔ کہ کروسیڈ کے جذبہ کی بُنیاد ڈال کر پوپ گریگوری نے ایک طرف تو یورپ میں اپنے آپ کو افضل ترین منوا لیا۔ اور دوسری طرف مشرقی رُوما کے اسقف اور فلسطین کے پادریوں کو اپنا مرہونِ منت بنا کر اُن سے بھی اپنی سرداری منوا لی۔

اب ہم اپنے بیان کی دلیل میں وُہ قصّہ بیان کرتے ہیں، جسے بہت سے فاضل مغربی مورّخین ایک طرف تو بذاتِ خود من گھڑت بیان کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی اُسے قابلِ ذکر اور با وقعت تسلیم کرتے ہیں اور وُہ راہب پیٹر کا افسانہ ہے۔

راہب پیٹر

راہب پیٹر فرانس کے شہر ایمیز کا باشندہ تھا۔ اور وہ ۱۰۹۲ء میں فلسطین کے مقدس مقامات کی زیارت کے لئے گیا۔ فلسطین کے مقدّس مقامات کی زیارت کے لئے گیا۔ فلسطین کے جن ناگفتہ بہ حالات نے راہب پیٹر کے دل پر بہت زبردست اثر کیا۔ وہ یہ تھے کہ فلسطین کے مقدّس مقامات مسلمانوں (بے دینوں) کے قبضے میں تھے۔ اور وہ لوگ ان مقامات کی زیارت کر کے ناپاک کرتے تھے۔ علاوہ ازیں بے دین مقامی عیسائیوں اور یورپ کے زائرین سے بہت بُرا سلوک کرتے۔ اور اُن پر تشدّد کرتے تھے۔ راہب پیٹر نے بیت المقدّس کے بڑے پادری سے جب اس مسئلہ پر بحث کی۔ تو اُس نے اس معاملے میں اپنی بے بسی اور معذوری کا اظہار کیا۔ اور یہ کہا کہ "اُسے حالات کے اور بھی بدتر اور افسوسناک ہونے کا اندیشہ ہے۔ ہاں مقامی عیسائیوں اور زائرین کو تب ہی اس شرمناک سلوک سے نجات مل سکتی ہے۔ جبکہ ہمارے مغربی ہم مذہب بھائی ہماری مدد کے لئے فلسطین آجائیں۔ تاکہ ہم ان کی مدد سے بے دینوں کو فلسطین سے نکال کر اس سرزمین کو پھر سے پاک کر دیں۔"

راہب پیٹر پر مقامی بڑے پادری کی باتوں کا اس قدر گہرا اثر ہوا۔ کہ اُس نے پادری سے کہا۔ کہ یورپ لوٹنے پر پہلے وہ پوپ اعظم کی خدمت میں حاضر ہو گا۔ اور اُس نے دعا حاصل کرنے کے بعد یورپ کے کونے کونے میں بڑے پادری کا پیغام لے جائے گا۔ اور تمام حکمرانوں، اُمرا اور عوام سے فلسطین کے عیسائی بھائیوں کے لئے مدد کی التجا کرے گا۔

راہب پیٹر نے بڑے پادری سے عرض کیا۔ کہ وُہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے مزار پر رات جگے کی نیّت سے اس لئے جا رہا ہے۔ کہ مقدّس مسیح کی رُوح اس کی رہنمائی کرے۔ لہٰذا وُہ پیٹر کے حق میں دُعائے خیر کرے۔ پیٹر جب رات کا کافی حصّہ عبادت کرتے گذار چکا تھا۔ تو اُس حالت میں اُسے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور اُنہوں نے راہب پیٹر سے یوں فرمایا۔ "تم جاؤ اور وُہ تشدّد، ظلم و ستم اور تکالیف جو ہمارے نیک بندوں پر فلسطین میں ہو رہے ہیں۔ اُن سے مغرب کے نیک بندوں کو آگاہ کرو، اور ہمارے اُن نیک بندوں سے کہو کہ بے دینوں کو نکال کر فلسطین کی سرزمین کو پھر سے پاک کر دو۔ اس نیک کام کو سرانجام دینے میں ہمارے بندوں کو بہت سی دشواریوں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مگر اس کے صلے میں ہم بہشت بریں کے تمام دروازے ان کی آمد کے انتظار میں کھلے رکھیں گے۔"

ہوش میں آنے کے فوراً ہی بعد راہب پیٹر بڑے پادری کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ بیان کر دیا۔ بڑے پادری نے اس واقعہ کو

قلم بند کر دیا۔ اور پیٹر کے بیان کردہ واقعہ کے حق میں قسم کھا کر یہ لکھ دیا۔ کہ راہب پیٹر کا بیان سچا ہے۔ اور اُس کی تصدیق میں مقدّس صلیب کی مُہر بھی اس خط پر ثبت کر دی۔ یہ خط لے کر راہب پیٹر فلسطین سے چلا گیا۔ اور سمندر کے راستے پہلے اٹلی گیا اور پھر پاپائے رُوم سے ملا۔ پوپ اربن نے پیٹر کے واقعہ کو بہت دلچسپی سے سنا۔ کیونکہ اسی کا حکم اُن کو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے خواب میں دیا تھا۔ لہٰذا پوپ اربن نے پیٹر کو ہر طرف سے مدد دینے کا وعدہ کیا۔ اور پیٹر کو بار شرف ملاقات بخشا۔

پیٹر کلیر مونٹ میں

رُوم سے چل کر پیٹر نے پہلے الپس پہاڑ کو عبور کیا۔ اور کلیر مونٹ پہنچا۔ یہاں پر اُس نے ایک مشاورتی مجلس بلائی۔ جس میں بہت سے اُمراء کاؤنٹ بھی شامل ہُوئے۔ پیٹر نے اس مجلس کے سامنے فلسطین کے مقدّس مقامات کے حالات بیان کئے اور ان سب سے فلسطین کی نجات کے لئے التجا کی۔ حاضرین پر اس تقریر کا بہت اثر ہوا۔ پیٹر چھوٹے قد، گندمی رنگ، لاغر جسم اور لمبی سفید ڈاڑھی والا تھا۔ اب وہ اپنے حواریوں کو لے کر صلیبی جنگ لڑنے کی ترغیب کے لئے چل نکلا۔ وہ سفید خچر پر سوار ہو گیا۔ اور گاؤں گاؤں، قصبہ قصبہ اور ہر شہر میں صلیبی جنگ لڑنے کے لئے لوگوں کو پرچار کرتا۔ وہ حاضرین جلسہ کے مذہبی جذبات کو فلسطین کے مقامی عیسائیوں پر بے دینوں کے ظلم و تشدد کے افسانے سُنا سُنا کر اُبھارتا۔ مسلمان (بے دین) تو ایک طرف اُس نے یہودیوں کے خلاف بھی کافی زہر

انگلا یں ۱۰۹۵ء اور ۱۰۹۶ء کے موسم سرما میں بھی پیٹر نے ایک دن آرام نہ لیا۔ اس کے حواریوں نے پیٹر کے متعلق کرامات بیان کر کے لوگوں کو پیٹر کا مُرید بنا دیا۔ یہاں تک کہ پیٹر کے خچر کے جسم کے بال لوگ بہت رقم دے کر خریدتے اور اس طرح پیٹر نے بہت بڑی رقم جمع کر لی۔ راہب پیٹر کی تعلیم بہت معمولی تھی۔ مگر چرب زبانی میں وُہ یکتا تھا۔

پوپ اربن سیاسی میدان میں

پوپ اربن فرانس کے شہر ایمز کا باشندہ تھا۔ اور پاپائے رُوم گریگوری ہفتم کا خاص دوست تھا۔ اربن گریگوری نے اسے شہر آسٹیا (OSTIA) کا بڑا پادری بنا دیا تھا۔ اور آخر کار ۱۰۸۸ء میں اربن پوپ اعظم بن گیا۔ اربن اور گریگوری چونکہ ہنری کے خلاف بغاوت میں بہت تعاون سے کام کرتے رہے۔ لہٰذا وہ اپنے محسن کے سیاسی منصوبہ سے پُوری طرح واقف تھا۔ جرمنی کا قیصر اپنی بدکاریوں اور بدعنوانیوں کے لئے بدنام تھا ہی۔ مگر اربن کی خوش نصیبی تھی۔ کہ فرانس کا بادشاہ فلپ بھی کاؤنٹ منٹ اینجو کی بیوی برٹراڈ کے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ اور آخر کار برٹراڈ مستقل طور سے فلپ کے پاس رہنے لگی۔ رومن کیتھولک کے عیسائیوں کو یہ فعل بہت ناگوار گذرا۔ پادریوں نے اس موقع سے پُورا فائدہ اٹھایا۔ اور بادشاہ اس قدر پریشان ہوا۔ کہ اُس نے اپنی بداعمالیوں کی توبہ کے لئے پوپ اعظم کے پاس وفد بھیجنے کا خیال ظاہر کیا۔ پوپ نے اس وفد کو ۱۰۹۵ء کے

ایسٹر کے سالانہ مجلس کے موقعہ پر بلایا۔ اور پوپ نے انہی ایام میں قیصر رُوما ایلکسیس کے وفد کو بھی شہر پیاسنزا (Piacenza) میں بلایا۔ یہ اُس کی گہری سیاسی چال تھی۔ اس کا مقصد چونکہ صاف ظاہر تھا۔ کہ پوپ اعظم نے قیصر ہنری کو سخت بدنام کر کے عوام کے دلوں میں سے اُس کے وقار اور احترام کو ختم کر دیا تھا۔ لہٰذا جرمن کے اُمرا و عوام پوپ کی طرف رہنمائی کے لئے دیکھتے تھے۔ یورپ کا دوسرا نامور بادشاہ فلپ تھا۔ اسے بھی پوپ اعظم نے اپنے سحر کا شکار بنا لیا۔ جنوبی اٹلی اور صقلیہ کے ڈیوک اور کاؤنٹ پہلے سے ہی پوپ اعظم کے معاون تھے اور یہاں "من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو" کا قصہ تھا۔ اب رہا قیصر روما ایلکسیس اُسے بھی اب پوپ اعظم نے علانیہ طور سے اپنا پروردہ منوا لیا۔ علاوہ ازیں پوپ اعظم نے تمام پادریوں کی مشاورتی مجلس بہت بڑے پیمانے پر پیاسنزا (Piacenza) بلائی۔ لیکن چونکہ ہجوم بہت تھا یعنی کہیں تو وفد تھے کہیں کاؤنٹ اور ان کے معاون۔ پادری اور اُن کے حواری اور پھر عوام جو پوپ اعظم کی سالانہ زیارت کرنے کی غرض سے جمع ہوئے تھے۔ اس لئے فلپ بادشاہ کے وفد نے بادشاہ کی جانب سے پوپ اعظم سے بادشاہ کے گناہوں کی توبہ اور معافی کے لئے استدعا کی۔ پوپ اعظم نے اسے قبولیت کا درجہ بخشا۔

اس کے بعد قیصر رُوما کے وفد نے بے دینوں کے مظالم، بے رحمیوں اور مقدس مقامات کی بے حرمتیوں کا ذکر نہایت درد بھرے لہجے میں بیان

کیا۔ اور تمام حاضرین سے مذہب کی اعانت کے لئے گڑگڑا کر التجا کی۔ لوگ جوش وخروش میں بھر گئے۔ پوپ اربن نے خود بھی بہت مؤثر تقریر کی اور آخر کار یہ فیصلہ سنایا۔ چونکہ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔ اس لئے ایک بہت بڑے پیمانے پر ۱۸ر نومبر ۱۰۹۵ء کو ایک بہت بڑی مجلس شہر کلیر مونٹ میں بلائی جائے۔ اور وہاں پر مشاورتی مجلس حالات کا جائزہ لے کر کسی اہم فیصلہ کا اعلان کرے۔ اس مجلس میں شمولیت کی دعوت پوپ اربن نے اپنے پادریوں کے ذریعے تمام یورپ والوں کو دی۔ یہ اربن پوپ کی دوسری سیاسی فتح تھی۔ اس مجلس کی روئداد یا مقاصد کا اظہار چونکہ پوپ اربن کی تقریر سے عیاں ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے اہم نکات کو بیان کرنا ضروری ہے۔ اس سے یہ واضح ہو جائے گا۔ کہ پوپ اعظم اور مشاورتی مجلس نے کیا ہدایات جاری کیں اور کیوں؟ اور وہ جذبات کیا تھے جن کی بنا پر یورپ کے عوام اپنے بیوی بچوں اور وطن کو خیرباد کہہ کر فلسطین کی طرف چل پڑے۔ چونکہ مجمع میں کثیر تعداد ان لوگوں کی تھی۔ جو فرانسیسی زبان کو سمجھتے تھے۔ اس لئے پوپ اعظم اربن نے عام دستور کو ترک کر کے لاطینی زبان کی بجائے فرانسیسی زبان میں تقریر کی۔ قدرتی امر ہے۔ کہ اس تقریر کو ہر کس وناکس نے سمجھا اور غور سے سُنا۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ فرانس کے کاؤنٹ اور نائٹ تو جوش اور جذبات کے سیلاب میں بہہ گئے۔ پوپ اعظم اربن نے سب سے پہلے تمام حاضرین کو یہ ذہن نشین کرایا کہ عیسائی مذہب کے پیرو اللہ تعالیٰ کے اپنے خاص بندے

ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی کے لئے اپنے بیٹے (حضرت عیسیٰ علیہ السّلام) کو بھیجا تھا اور خدا کے بیٹے نے ہی یہ مذہب اُن کے لئے چُنا تھا۔ اُس کے پوپ اعظم نے عوام سے خطاب کر کے مقدس مقامات کی ناگفتہ بہ حالت ان کے عیسائی بھائیوں پر جو مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔ ان کو نہایت درد بھرے انداز اور لہجے میں بیان کیا۔ پوپ اعظم نے پیٹر کا خواب اور اپنے لئے جو احکامات حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی طرف سے ملے تھے بیان کئے اس طرح سے حاضرین کو بتایا۔ کہ وہ لوگ محافظ دین و تمدن ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے حاضرین سے سوال کئے کہ کیا ہم خاموشی اور بے حیائی کے ساتھ یہ سب کچھ دیکھتے رہیں گے کہ فلسطین کے مقدس مقامات ناپاک ہیں وہاں کے مقامی نگران اور آپ کے ہم مذہب بھائی ظلم و تشدد سے برباد ہوں؟ کیا ہم ان کی انصاف اور مدد کی درد بھری التجاؤں کو ٹھکرا دیں؟ قسطنطنیہ کی حکومت نے آپ کے مال، جان، عزت اور مذہب کی حفاظت ابتک کی ہے۔ یہ اُن کا ہم سب پر احسان ہے جسے ہم بھلا نہیں سکتے اور جس کے لئے ہماری گردنیں ہمیشہ کے لئے جھکی رہیں گی۔ اب یہ حکومت نڈھال ہو چکی۔ اس علاقے کے عیسائیوں کو ترکوں نے اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ اُن کی بہو بیٹیوں کو کنیزیں بنا لیا ہے۔ ان کے گھر برباد اور ان کے گرجے ویران ہو چکے ہیں، ہم یہ سب کب تک برداشت کریں گے؟ آہ انطاکیہ! جو ہمارے مقدس رہنما پادری پیٹر کا مسکن تھا۔ اب ناپاک بے دینوں کے

ہاتھوں میں ہے۔ کیا ہم یہ بے غیرتی گوارا کر سکتے ہیں فلسطین کے تمام
مقدس مقامات آپ سے فریاد کر رہے ہیں۔ اور تم کو پکار پکار کر کہہ
رہے ہیں۔ کہ تم کب تک ان کی بے حرمتیوں کو گوارا کرو گے۔ وہاں کے
مقدس مقامات کے بدترین حالات کا بیان کرنے سے میری زبان قاصر
ہے۔ شکر ہے کہ مقدس مقبرہ ابھی تک اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے بھرپور ہے۔
تم سب کو خوب معلوم ہے۔ کہ ہر سال ایسٹر میں فرشتے مقدس روشنی کو آسمان
سے لا کر روضہ مبارک کے لیمپوں کو روشن کرتے ہیں۔ اور پھر اسی روشنی
سے وہ سارا علاقہ جگمگ ہو جاتا ہے۔ کہ یہ معجزہ ہمارے لئے تازیانے
کا کام نہیں کرتا۔ کہ اللہ تعالے ہر سال اس معجزے کو دہرا کر آپ کو
اپنے بیٹے کے روضہ کی نگرانی اور تقدس کی ذمہ داری نہیں بنا رہا ہے۔"

اس کے بعد پوپ اربن نے تقریر جاری رکھتے ہوئے بہادر اور
جنگجو امرا اور نائٹوں کو مخاطب کر کے کہا۔ "کیا آپ حضرات جن کا شیوا
بہادری اور ایثار ہے اپنے ہم مذہب بھائیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح
سے قتل ہوتے دیکھنا گوارا کر سکتے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ آپ آپس میں
لڑائی جھگڑے بند کریں۔ کیونکہ ایک عیسائی کو دوسرے عیسائی کا خون
بہانا جرم ہے۔ کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ جو کہ دنیا کے مانے ہوئے
جری بہادر ہیں۔ خدا کے حکم اور اس کی خوشنودی کے لئے فلسطین کی طرف
چل پڑیں اور وہاں پر صلیبی جنگوں میں اپنی بہادری اور بے باکی کے ہنر
دکھلائیں۔ اس طرح سے آپس کے باہمی نفاق، حسد اور جھگڑے خود بخود

ختم ہو جائیں گے۔ اگر آپ ایسا کریں گے۔ تو اللہ تعالےٰ کا بیٹا مسیح آپ کی اِس نیک کام میں بذات خود رہنمائی کرے گا۔ اپنے نبی کے احکام کی بجا آوری میں جان دینا بہترین کارنامہ ہے، لہٰذا اس فرض کی انجام دہی کے لئے دنیاوی بڑی سے بڑی حرص کو آپ اپنے راستہ میں ستراہ نہ بننے دیں۔ کیا آپ نے کبھی بھی سوچا ہے۔ کہ آپ ایسی جگہ (یورپ) میں آباد ہیں۔ جس کی وسعت کم ہے اور سالہا سال کی کاشت نے اس زمین کو زرخیز نہیں رہنے دیا ہے۔ علاوہ ازیں اس علاقے کی آبادی گنجان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ آپس میں کٹتے مرتے رہتے ہیں۔ تم میری بات سنو۔ آپس میں عناد اور جھگڑا ختم کرکے اس علاقے کی طرف بڑھو جو جنّت نشان ہے۔ جہاں مال و دولت بے حساب ہے ۔اسے بے دین غاصبوں سے چھین لو۔ اور مال و زر سے اپنی جھولیاں بھر لو۔ اس طرح سے اگر تم زندہ رہے تو امیر کبیر بن کر لوٹو گے اور اگر مارے گئے تو جنّت جگہ ہوگی۔ اَے فرانس کے جنگجو بہادرو، تم اپنے بادشاہ چارلس اعظم اور لوئی کے کارناموں کو دوبارہ زندہ کرو۔ ان کی ان خدمات کو روشن کرو۔ جو انہوں نے آپ کے مذہب اور مقدّس مقامات کی خدمت کے لئے کی تھیں ان کو یاد کرو۔ اور ان کی پیروی کرو۔ اَے بہادر نائٹو ! تم بہادر بزرگوں کی اولاد ہو۔ بہادری اور بے باکی پُشتہا پشت سے تمہارے ورثہ میں چلی آرہی ہے۔ اُٹھو اور اپنے بزرگوں کے سنہری کارناموں کو پھر سے زندہ کرو۔ اور آپس کے جھگڑوں میں اپنے جوہروں کو ضائع مت

کرو۔ تم ہی وہ بہادر ہو جو عیسائی مذہب کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر پر لے سکتے ہو۔ آج بے دینوں نے تم کو للکارا ہے۔ خدا اور اُس کے بیٹے یسوع مسیح کا نام لے کر آگے بڑھو۔ اور پُرانی فرانسیسی روایات کو دوبارہ زندہ کرو۔" اربن کا یہ خطاب بہت مؤثر ثابت ہوا اور تمام عوام اور نائٹ (DEUS VULT - DEUS VULT) یک زبان ہو کر پکار اُٹھے جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ "ہم راضی بہ رضا حاضر ہیں، کہ ہم راضی بہ رضا حاضر ہیں"۔ دیر تک ان نعروں سے آسمان گونج اُٹھا۔ آخر کار پوپ اعظم نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر لوگوں کو خاموش ہونے کیلئے اشارہ کیا۔ جب لوگ خاموش ہو گئے۔ تو اربن نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ کہ میں اللہ اور اُس کے بیٹے نبی کی حمد و ثنا کے بعد تم کو یہ جتلانا چاہتا ہوں۔ کہ تم نے میرے سوال کے جواب میں یہ فقرہ کہ "ہم راضی بہ رضا حاضر ہیں" بیساختہ کہا ہے۔ درحقیقت یہ حکم الٰہی تھا جسے اللہ تعالیٰ نے خود بخود بے ساختہ تمہاری ہی زبانوں سے اس وقت نکلوایا۔ جبکہ تمہارے دلوں میں نیک کام کرنے کے بہا۔ بات گھر کر گئے تھے۔ لہٰذا جب تم صلیبی جنگ کے لئے آگے بڑھو۔ تو اپنے لئے "ہم راضی بہ رضا ہیں" کو اپنا نعرہ بنا لو۔ اور یہی تمہارا نشان ہے۔ ان الفاظ کے سُننے پر تمام حاضرین سر بسجود ہو گئے اور ایک بڑے پادری نے تمام حاضرین کی طرف سے پاپائے رُوم کے سامنے ان کے گناہوں سے معافی کے لئے دُعا مانگی۔ پوپ اعظم نے رسمی طور سے ان سب کو اُن کی توبہ قبول ہونے کی بشارت دی۔ اس کے بعد لوگ یکے بعد

دیگرے پاپائے رُوم کے ہاتھوں پر صلیبی جنگ کی بیعت کے لئے آگے بڑھے اور ہر شخص کو اُس کے مناسب کام سُپرد کر دیا۔ جب کاؤنٹ ریمانڈ آف طوطوس جو جنوبی فرانس کا سب سے معزز شاہزادہ تھا۔ صلیبی جنگ پر جانے کے لئے پوپ اعظم کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ تو عوام کے جوش و خروش کی انتہا نہ رہی۔ بیعت کرتے وقت اُس نے یہ قسم کھائی کہ وہ نہ صرف اپنے علاقے کے لوگوں میں سے صلیبی لشکر تیار کریگا۔ بلکہ وہ ان لوگوں کو بھی جو دوسرے علاقے کے ہیں۔ صلیبی لشکر میں شامل ہونے کے لئے لائے گا۔ اور اُن کو ہتھیار اور روپیہ دے گا۔ اور اُن کی میدان جنگ میں رہنمائی کرے گا۔ شہر لی پوئے کے بڑے پادری اڈھیمر نے کاؤنٹ ریمانڈ کے ساتھ جانے کا اعلان کیا۔

صلیبی جنگ میں شرکت کی شرائط

صلیبی جنگ پر جانے کی رضامندی کا اظہار ہر شخص کی خوشی پر تھا۔ مگر جو شخص ایک بار صلیبی جنگ میں شامل ہونے کی قسم کھالیتا اور صلیبی نشان حاصل کر لیتا تو اُس کے لئے صلیبی جنگ پر جانا نہایت ہی لازمی تھا اور وہ کسی عذر سے اس حلف کی وعدہ خلافی نہ کر سکتا تھا۔ اور اگر کوئی شخص حلف اُٹھانے کے بعد مُکر جاتا تو اُسے سیہ کار اور وعدہ خلاف مشتہر کر دیا جاتا۔ اس طرح سے اخلاقی بائیکاٹ کے باعث بدنامی اور شرمندگی کے باعث وہ کہیں بھی کمائی کے لئے نوکری نہ کر سکتا۔ اور اس وعدہ شکنی کا ایک ہی کفارہ تھا۔ اور وُہ یہ تھا کہ وہ شخص صلیبی جنگ

پر جا کر اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور پادری اس کی توبہ کو قبول کرے۔ بوڑھے اور کمزور شخصوں کو صلیبی لشکر میں داخلے کی اجازت نہ دی گئی۔ اور نہ ہی کوئی عورت صلیبی جنگ پر جا سکتی تھی۔ جب تک اُس کا اپنا شوہر یا کنواری لڑکی کا اپنا سگا بھائی اُس کے ہمراہ نہ جائے۔

کوئی راہب یا کنیسہ کا خدمت گذار اس وقت تک صلیبی لشکر میں شمولیت نہ کر سکتا تھا۔ جب تک کہ اُسے مقامی بڑا راہب یا پادری جانے کی اجازت نہ دے دے۔ عوام بھی صلیبی لشکر میں اسی وقت شامل ہو سکتے تھے۔ جب کہ وہ مقامی بڑے پادری کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کی اجازت طلب کر لیں۔ غرض کہ یہ زبردست سیاسی اقتدار تھا۔ جو پوپ اعظم نے خود اور پھر اپنے بڑے نمائندوں کو دیا۔ یعنی یورپ کے حکمران اجازت نہ دے سکتے اور صرف مذہبی رہنما ہی اس معاملے میں بااختیار تھے۔ اس مجلس کے آئین میں یہ بھی لکھا گیا۔ کہ جو شخص ذاتی مفاد عزت یا شُہرت کے لیے نہیں بلکہ محض خُدا کے گھر کو ناپاکوں کے ہاتھوں سے چھُڑانے کے لئے فلسطین جائے گا۔ پوپ اعظم اُسے یقین دلاتے ہیں۔ کہ اُس کا یہ سفر اُس کے تمام گناہوں کیلئے کفّارہ مانا جائیگا۔

گرجوں میں صلیبی مجالس کا قیام

پاپائے رُوم نے تمام گرجوں کے پادریوں اور کنیسوں کے راہبوں کو حکم بھیجا۔ کہ وُہ جگہ جگہ جا کر صلیبی جنگ کے لئے مجالس قائم کریں۔ لوگوں کے جذبات کو اُبھاریں اور اپنے ہمراہ کچھ حواری لوگ رکھیں جو کہ (DEUS VULT) "ہم راضی بہ رضا ہیں" کا نعرہ لگا لگا کر اس نعرے کی اہمیت اور ان کرامات کا

ذکر کریں۔ جو کہ اپنے مقدس زائرین نے وقتاً فوقتاً مقدس مقامات میں دیکھے ہیں۔ اور ان کرامات کی صداقت کا ہر خاص و عام کو یقین دلائیں۔ بشپ گلیبرٹ (Gislebert) نے جو فنِ ستارہ شناسی اور علم نجوم کا ماہر مشہور تھا۔ اُس نے اس محاذ کے متعلق کئی پیشین گوئیاں مشتہر کیں۔ تاکہ لوگوں کی ہمت بڑھے۔ اس مہم کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ پادری، نجومی، تجار گھر گھر اور ہر مسافر خانے اور قہوہ خانے میں صلیبی جنگ کی اہمیت کا ذکر کرتے تھے۔ شہروں اور قصبوں کے کونے کونے میں مقدس مقامات کی کرامات اور برکات کا ذکر ہر فرد وبشر کی زبان پر تھا۔ پاپائے رُوم نے تمام کنیسوں اور گرجوں کے متولیوں کو احکام جاری کئے۔ کہ وہ اُن لوگوں کے بیوی بچوں اور جائیداد کی بھی نگرانی کریں۔ جو کہ صلیبی جنگ پر جارہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ پوپ اعظم نے یہ بھی حکم جاری کردیا۔ کہ گرجوں اور کنیسوں کے فنڈ میں سے روپیہ کے ذریعہ وہ ان لوگوں کی جائیدادیں بھی خرید سکتے ہیں۔ جو کہ صلیبی لشکر میں داخلے کے لئے ہتھیار یا زادِ راہ کے لئے روپیہ کے حاجت مند ہیں۔ یہ آخری مگر بہت زبردست چوٹ تھی۔ جو کہ پوپ اعظم اربن نے سیاسی میدان میں اقتدار کے حصول کے لئے یورپ کے حکمرانوں اور اُمرا کے خلاف لگائی۔ اس کے اثرات پر بحث مناسب جگہ پر آئے گی ؛

دسواں باب

صلیبی جذبات کا اُمنڈتا ہُوا سیلاب

پہلا دستہ :- ۱۰۹۶ء کے موسم بہار میں پوپ اعظم کے حواریوں کے جادُو کا اثر یُوں نمودار ہوا۔ کہ لورین کے علاقے کا پہلا صلیبی دستہ چل نکلا۔ لوگوں کے مذہبی جوش کی یہ حالت تھی۔ کہ وُہ فرطِ جذبات سے دیوانے ہو گئے مثلاً

۱- لورین کے عوام نے عہد کیا۔ کہ وُہ اُس قوم کو بھی فنا کر دیں گے۔ جنہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو سُولی پر چڑھایا تھا۔

۲- شہر کولون میں یہودیوں کے عبادت خانے جلا دیئے گئے اور ان کو لُوٹ لیا۔ بہت سے یہودیوں کو قتل کر دیا اور ان کے گھر لوٹ لئے۔

۳- شہر مینس میں یہودیوں نے گرد و نواح کے حالات سُن کر بڑے پادری کو ایک بھاری رقم اس لئے دی۔ کہ وُہ یہودیوں کو گرجے کے احاطے میں پناہ دے۔ مگر کاؤنٹ ایمچ (ENICH) اور اُس کے ہمراہیوں نے تمام

یہودی مردوں، عورتوں اور بچوں کو گرجے کے احاطے کے اندر قتل کر دیا۔ ۱۰۹۶ء کے ایسٹر کے ایام میں راہب پیٹر اندازاً پندرہ ہزار صلیبیوں کے ہمراہ کولون میں پہنچا۔ اور ان کو مشورہ دیا۔ کہ باقی صلیبی دستوں کا انتظار کریں۔ تاکہ سب مل کر چلیں۔ مگر اس دستے کے سالار والٹر دی پوائی اور والٹر سان ایوائے (SAUS-AVOIR) نے پیٹر کے اس مشورہ کو نہ مانا اور یہ لوگ ہنگری کی طرف روانہ ہو گئے۔

ہنگری کے بادشاہ کولومن (COLOMAN) نے اس قافلے کو شہر سیملن (SEMLIN) تک باعزت پہنچا دیا۔ اس قافلہ کا زیادہ تر حصہ تو بلگراڈ چلا گیا۔ مگر کچھ حصہ سیملن میں ہتھیار خریدنے کے لئے رہ گیا۔ وہاں کچھ تنازعہ ہوا۔ تو اس دستے کو مقامی عوام نے لوٹ لیا۔ اور اُن کو قتل کر دیا۔ صلیبی لشکریوں نے اہل بلغاریہ سے سامان رسد طلب کیا۔ مگر بلغاریوں نے سامان رسد دینے سے جب انکار کیا تو صلیبیوں نے لُوٹ مار مچا دی۔ اس بنا پر اہل بلغاریہ نے صلیبیوں پر حملہ کر دیا۔ اور بیشتر صلیبی وہیں کام آئے۔ مگر جو جان بچا سکے، وہ پہاڑی راستوں سے قسطنطنیہ پہنچ کر راہب پیٹر کا انتظار کرنے لگے۔

دُوسرا دستہ:۔ راہب پیٹر کے ہمراہ دُوسرا دستہ جرمنوں کا تھا۔ یہ قافلہ بھی اسی راستے سے گیا جسے فرانسیسی دستہ نے اختیار کیا تھا۔ جب یہ جرمن صلیبی دستہ سیملن کے شہر کے باہر پہنچا۔ تو انہوں نے دیکھا کہ فرانسیسی قافلے کے صلیبی لشکریوں کے صلیبی نشانات اور ہتھیار سیملین کے شہر کی فصیل پر آویزاں تھے۔ اس مظاہرے نے ان صلیبیوں کو انتقام لینے پر آمادہ کیا۔ لہذا

صلیبیوں نے شہر پر حملہ کر دیا۔ اور جب شہر کو فتح کر لیا۔ تو جی بھر کے اسے لوٹا، قتل و غارت کی اور پھر شہر کو جلا دیا۔ جب یہ قافلہ بلگراڈ پہنچا۔ تو وہاں کے باشندے شہر کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ لہٰذا صلیبیوں نے جو اُن کے ہاتھ آیا لوٹ لیا اور وہاں سے بڑھ کر شہر نیش (NISH) میں پہنچا۔ یہاں کے حکمران شہزادے نکیتا (NICETAS) نے صلیبیوں کی بہت خاطر مدارات کی اور یہ قافلہ قسطنطنیہ کی طرف آگے بڑھا۔ اس صلیبی لشکر کے کچھ آدمیوں نے نیش شہر کے گرد و نواح میں پن چکیوں کو لوٹ لیا۔ اور ساتھ ہی اُن کو آگ لگا دی۔ ان پن چکیوں کے مالکوں نے جب شہزادہ نکیتا سے شکایت کی۔ تو اُس نے اپنے لشکر سے ان صلیبی لٹیروں کو گھیر لیا۔ لڑائی ہوئی اور سب صلیبی مارے گئے۔ جب راہب پیٹر کو اپنے ساتھیوں کے قتل ہونے کی خبر ملی۔ تو اُس نے لشکر کو واپس ہونے کا حکم دیا۔ تاکہ شہزادے کو اُس کے بُرے کام کرنے کی سزا دی جائے۔ دونوں فوجوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ اور آخر کار صلیبی لشکر کو شکست فاش ہوئی۔ اور یہ سب بھاگ نکلے۔ جو قتل ہونے سے بچے۔ وہ صلیبی پیٹر سے آ کر مل گئے۔ جو ایک پہاڑی مقام میں جا چھپا تھا۔ پیٹر کو سب سے بڑا صدمہ یہ ہوا۔ کہ اُس کے خزانے کا بکس بلغاریوں کے ہاتھ پڑا۔ اس بکس میں بہت کثیر رقم تھی۔ جو راہب پیٹر نے اُمرا اور غُربا سے اپنی چرب زبانی سے جمع کی تھی۔ آخر کار اس پندرہ ہزار میں سے سات ہزار سے کم صلیبی راہب پیٹر کے ہمراہ قسطنطنیہ میں یکم اگست ۱۰۹۶ء میں پہنچے۔ قسطنطنیہ میں بھی یہ جرمن صلیبی لشکر لوٹ مار سے

باز نہ آئے۔ اور کئی مقامی گرجے لوٹ لیے۔ اور وہاں کے گرجوں کی چھتوں
سے سیسہ پگھلا کر وہیں پر بیچنا شروع کر دیا۔ قیصر روما کے لشکر اور صلیبیوں
میں کچھ جھڑپیں ہوئیں۔ آخر کار صلح اس شرط پر ہوئی۔ کہ قیصر ایلکسیس نے
راہب پیٹر اور والٹر اور ان کے صلیبی لشکریوں کو سامان رسد دے
کر ایشیا کے ساحل پر اتار دیا۔

صلیبی لشکر اور ترکوں میں پہلی بار جھڑپ

اس پڑاؤ میں بھی
صلیبی لشکری اپنی
لوٹ مار کی عادت سے باز نہ رہ سکے۔ اور اس لشکر میں سے ایک بڑا
دستہ رینالڈ کے ماتحت باقی لشکر سے علیحدہ ہو کر سلطان روم کے علاقے
میں لوٹ مار کرنے کی غرض سے نکلا۔ اور انہوں نے ایک غیر آباد قلعے پر
قبضہ کر کے اُسے اپنا مستقر بنایا۔ اس علاقے کا امیر قلیج ارسلان تھا۔ جو
ملک شاہ کے جانشینوں میں سے تھا۔ اُس نے عیسائی لشکروں کی آمد کی
خبر سُن کر ایک لشکر ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ لیکن ترکی لشکر نے رینالڈ کے
صلیبی لشکر کو محاصرے میں لے لیا۔ اس قلعے میں پینے کے لئے پانی نہیں
تھا۔ کچھ دن تو صلیبی لشکریوں نے گندے تالاب کے پانی اور اپنے گھوڑوں
کے خون سے پیاس بجھائی۔ مگر آخر کار بھوک اور پیاس سے عاجز آ کر انہوں
نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ترکوں نے ان قیدیوں کو اپنے ملک میں بیچ دیا۔
راہب پیٹر نے جب مسلم لشکر کے آنے کی خبر سُنی۔ تو وہ قسطنطنیہ قیصر روما
کے پاس مدد کے لئے گیا۔ سلطان کے لشکر نے رینالڈ کے لشکر کو قید کر لیا۔ تو لات

کے وقت صلیبی لشکر پر شبخون مارا۔ جو صلیبی گرمی کی وجہ سے قلعہ کے باہر سو رہے تھے۔ وہ تو سب قتل ہو گئے۔ تقریباً دو ڈھائی ہزار صلیبیوں نے قلعہ میں اپنے آپ کو بند کر لیا۔ قیصر الیکسیس نے امدادی فوج بھیج دی۔ اس فوج کے آنے پر ترکی لشکر لوٹ مار کا سامان لے کر بغیر کسی لڑائی لڑے چلا گیا۔

تیسرا صلیبی دستہ:۔ یہ تیسرا دستہ کئی ہزار جرمنوں پر مشتمل تھا۔ اس کا امیر پادری گاٹسچاک (GOHSCHALK) تھا۔ ہنگری کے بادشاہ کولومن نے اس صلیبی لشکر کی بہت خاطر و مدارات کی۔ مگر ضیافت کے دوران میں بہت سے صلیبی لشکری شراب کے نشے میں بدمست ہو گئے۔ اور انہوں نے بدمستی کے عالم میں عورتوں کی عصمت دری کی اور لوٹ مار مچا دی۔ اس پر بادشاہ کولومن نے صلیبی لشکریوں کو گھیر لیا۔ اور ان کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا۔ جب انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ تو ہنگری کے بادشاہ کے حکم سے سب صلیبی لشکریوں کو قتل کر دیا گیا۔

چوتھا صلیبی دستہ:۔ یہ لشکر جو کئی ہزار کا تھا۔ یہ دستہ پادری والکمر (VOLKMAR) کے تحت بوہیمیا کے راستے سے روانہ ہوا۔ مگر بوہیمیا کے شہروں میں ان صلیبی لشکریوں نے عورتوں کی عصمت دری اور لوٹ مار اور قتل و غارت شروع کر دی۔ لہٰذا تمام باشندے جمع ہو کر اس صلیبی لشکر پر رات کے وقت ٹوٹ پڑے۔ اور ان میں شاید ہی کوئی صلیبی جان بچا کر بھاگ سکا ہو۔

پانچواں صلیبی دستہ:۔ یہ زیادہ فرانسیسی صلیبیوں کا تھا۔ اس کا سالار

کاؤنٹ ایمخ (EMICH) تھا۔ انہوں نے یہ طے کیا۔ کہ ہنگری کے بادشاہ کولومن کو اُس کی سفاکی کا مزا چکھائیں۔ یہ لشکر پندرہ ہزار کے قریب تھا۔ اس صلیبی لشکر میں بہت نامور اور جنگجو نائٹ تھے۔ اس لئے شروع شروع کی لڑائیوں میں صلیبی لشکر کو بہت کامیابی ہوئی۔ اور بادشاہ کولومن تقریباً حوصلہ ہار کر رُوس کی طرف بھاگنے کو تھا۔ کہ اُس نے آخری بار قسمت آزمانے کی غرض سے جوابی حملہ کیا۔ صلیبی لشکر اپنی پہلی فتحیابیوں سے سرشار بے پروائی سے آگے بڑھا۔ صلیبیوں کو شکست فاش ہوئی۔ کاؤنٹ ایمخ اور بہت ہی تھوڑے صلیبی اپنی جان بچا کر وہاں سے بھاگ کر اپنے وطن کو لوٹ گئے۔

ابتدائی صلیبی مہمات پر تبصرہ

صلیبی جنگوں کی تحریک کی اہمیت دوگنی ہے۔ صلیبی جنگوں کی تحریک اپنے بنیادی جذبہ کے لحاظ سے (اور یہ جذبہ اسلامی جہاد سے اثر پذیر ہوا ہے) ایک رُوحانی تحریک ہے۔ جس نے ایک رُوحانی رواج کو خارجی سیاسی شکل دے دی۔ اور وُہ مقدّس صلیبی جنگ کہلائی جاتی ہے۔ جو عیسائی مذہبی رہنماؤں کے قول کے مطابق نہ صرف انصاف پر مبنی ہے۔ بلکہ تقدّس کی انتہا کو بھی پہنچتی ہے۔ پادریوں کے قول کے بموجب یہ ایک ایسی جنگ ہے۔ جو عیسائیوں کو اپنے ایمان کے سب سے بڑے دُشمن کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لئے متحد کرتی ہے۔ صلیبی جنگوں کا مقصد سرزمین مقدّس (فلسطین) کو نجات دلانا ہے۔ یہ جنگیں عیسائی مغرب کو مسلم مشرق

میں داخل ہونے کی ترغیب دیتی ہیں۔

آپس کی لڑائیوں کے لئے سوسائٹی کے جنگجویانہ جذبہ نے دسویں صدی سے پاپاؤں اور کلیسائی مجلسوں کی توجّہ اپنی طرف مبذول کر لی تھی۔اب مذہبی رہنماؤں نے نائٹوں کے دست و بازو کی قوت کو انصاف کی حفاظت کرنے اور ظلم کو ختم کرنے کے لئے وقف کرنے کا مطالبہ کیا۔کہ کلیرمونٹ کے جلسہ میں اربن دوئم نے حاضرین سے مطالبہ کیا۔کہ نجی جنگوں میں اپنی طاقت کو صرف کرنے کی بجائے اِسے مذہبی دشمن کے خلاف جنگ کے تقدّس میں بدل دیا جائے اور اس جذبہ کو انصاف اور مقدّس جنگ کے ڈھانچہ میں ڈال دیا جائے۔ بالفاظ دیگر نجی جنگوں کے لئے صلح اور صلیبی جنگوں کے لئے سرفروشی کا حکم دیا۔اس کا خلاصہ سمجھنے کے لئے مذکورہ بالا تصریح کے لحاظ سے صلیبی جنگوں کی دو حیثیتیں ہیں:۔

۱۔ زائرین کا مقدّس مقامات میں باعزّت و بلا روک ٹوک جانا جسے زائرین کا سفر (PILGRIMS PROGRESS) کہ سکتے ہیں۔

۲۔ دُوسری مقدّس جنگ (HOLY WAR) "تاکہ مقدّس ملک کو ناپاکیوں سے صاف کر دیا جائے۔لیکن ہمیں صلیبی جنگ کی ایک اور ضروری حیثیت کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔اور وہ یہ ہے کہ صلیبی جنگ کی تحریک کا یورپ کے نئے نظام کو ہر دلعزیز بنانا تھا۔مثلاً بادشاہتیں بننے سے جاگیردار (ڈیوک کاؤنٹ اور ان کے معاون نائٹ) اور خاص کر ان کے چھوٹے بیٹے اپنے وطن میں کوئی امتیاز حاصل کرنے سے ناامید

ہو چکے تھے۔ مثلاً اگر جنوبی اٹلی اور صقلیہ اور بحرِ وسطٰ کے جزائر میں نئی حکمرانیاں قائم نہ ہوتیں۔ تو (TANCRED) ٹانکراڈ کے شاہی خاندان کے بہت سے افراد بھوکوں مرجاتے۔ اور ذلّت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ یہ جاگیریں بادشاہت رکھتی تھیں۔ مگر بڑی بادشاہتیں بننے سے ان جاگیرداروں کے بڑے لڑکوں کے لئے تو روزگار برقرار رہا۔ مگر دُوسروں کے لئے مستقبل بھیانک تھا۔ لہٰذا ان نئی حکمرانیوں نے ان لوگوں کو سہارا دیا۔

علاوہ ازیں پوپ اعظم کے مستقر اٹلی کی آمدنی بہت کم ہو گئی تھی۔ صلیبی جنگوں سے اٹلی کی بندرگاہوں کی تجارتی اہمیت بڑھ گئی۔ اور اس ملک میں خوشحالی پھر سے لوٹ آئی۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہم نے یہ بھی دیکھا۔ کہ پہلے دَور میں صلیبی لشکریوں کو ناکامی ہوئی۔ اور ان میں نہ تو نظم تھا اور نہ ہی جہاد کرنے والے مجاہدین کا سا جذبہ اور ایثار کا شوق۔ پوپ اربن نے صلیبی جنگ کے اُصول بناتے وقت جہاد کے اُصولوں کی کسی قدر تقلید ضرور کی۔ مگر وہ صلیبی لشکریوں میں نہ تو اخلاقی جذبہ بھر سکے۔ اور نہ ہی ان کو دُوسرے مذاہب کے ساتھ رواداری برتنے کا سبق دیا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہٗ کے لشکریوں کے متعلق جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ خبر ملی کہ اُنہوں نے دو ایسے لوگوں کے گھرانوں کو لُوٹ لیا ہے۔ جو کہ مسلم تھے۔ تو آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کو بھیجا۔ کہ اس آبادی کے لوگوں کو تشفّی دیں۔ اور ان کے نقصانات کی فراخدلی

سے تلافی کریں۔ اس کے ساتھ ہی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خالدؓ کو میدانِ جنگ سے بُلا بھیجا۔ اور اُن کو تنبیہ کی۔ مگر یہاں پر صلیبی جنگوں کے مانے ہوئے رُوح رواں راہب پیٹر کی سرکردگی میں صلیبی لشکریوں نے اپنے ہم مذہب اور میز بانوں کو قتل کیا اور لوٹا۔ بہر حال چارلس اعظم اور پوپ گریگوری کا مجوزہ منصوبہ آخر کار بہت کچھ رنگ لایا۔ بیت المقدّس کے کنیسہ کے راہبوں نے نئی نئی کرامات کی اختراع کرکے اہل یورپ کو مذہب کی جانب لوٹا دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی خانہ جنگی بھی بند ہو گئی ؛

گیارہواں باب

پہلی صلیبی جنگ

مغربی مبصرین نے اس صلیبی لشکر کو "مقدس جنگ" اور پہلی صلیبی جنگ لڑنے والا لشکر لکھا ہے۔ اس بڑے لشکر کی صحیح تعداد لکھنا مشکل ہے۔ کیونکہ مغربی مورخین نے دیدہ و دانستہ اسے نظر انداز کیا ہے۔ بہر حال یہ لشکر کئی لاکھ صلیبیوں پر مشتمل تھا۔ اس لئے کئی دستوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ تاکہ راستے میں رسد کے مہیا کرنے میں آسانی ہو۔ اور نظم و نسق بھی قائم رہ سکے۔ درحقیقت یہ نظم اور تقسیم پہلے دستوں کی بدنظمی لوٹ مار وغیرہ کے تلخ تجربہ کی بنا پر ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں پہلے دستوں کی بربادی کی وجہ سے پوپ اعظم نے دستوں کے سپہ سالار معزز اور شاہی نسل کے اُمرا وغیرہ کو متعین کیا تھا۔ اور ہر دستے کے ساتھ معتبر پادری بھی متعین کئے تھے۔ یہ وہ وقت تھا کہ ابھی تک یورپ کے باشندے بحری

سفر کرنے سے گھبراتے تھے۔ اور بحیرۂ رُوم کے طوفانوں کا خوف و ہراس
ان کے دلوں میں موجُود تھا۔

پوپ اربن اور راہب پیٹر یقیناً تعریف کے مستحق ہیں۔ کہ اُنہوں
نے تمام یورپ کے عوام کے دلوں میں مذہب کی حفاظت کے جذبہ کو
انتہا تک پہنچا دیا۔ اور لوگ پہلے پانچ دستوں کی ناکامی اور بربادی
کو مقدّس بشپ گلبرٹ کی پیشین گوئی کے بموجب سمجھتے تھے۔ جس نے
عوام سے یہ کہا تھا۔ کہ کچھ صلیبی لشکر اپنی غلطیوں کی وجہ سے بہت نقصان
اُٹھائیں گے۔ بہر حال یورپ میں مذہبی جذبات کا ایسا زبردست
سیلاب آیا۔ کہ امیر و غریب اس کی رَو میں بہ گئے۔ مغربی مؤرّخین
نے اسے پہلی صلیبی جنگ لکھا ہے۔ اگرچہ یہ صلیبی لشکریوں کا چھٹا ریلہ
تھا۔ جو مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ مغربی مؤرّخین نے شاید اس کو اس
لئے پہلی صلیبی جنگ اسی لئے لکھا۔ کیونکہ صرف اس مہم کے لشکری فلسطین
کی سرزمین تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اور مسلمانوں سے باقاعدہ
ان کی ٹکر ہوئی تھی۔

مغربی مؤرّخین نے پہلے کروسیڈوں کو اس لئے بھی تسلیم نہیں کیا ہے۔
کہ وُہ ایک برباد شدہ صلیبی لشکروں کی کہانی ہے۔ اور ہارے ہوئے
جرنل کے قصّے کو کوئی نہیں لکھتا، چاہے اُس نے کتنی ہی دفاعی قابلیت
کا اظہار کیا ہو۔ ابھی حال ہی کی بات ہے۔ کہ جب انگریزی پارلیمنٹ
میں ایک ممبر نے مسٹر چرچل سے یہ درخواست کی۔ کہ ان سپاہیوں کو ایک

تمغہ دیا جائے جو ڈنکرک سے اپنی ہمت سے جان بچا کر آئے تھے۔ تو مسٹر چرچل نے اس درخواست کے جواب میں یہ کہا۔کہ میں اپنی شکست کی یادگار کو منانے یا زندہ رکھنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔لہٰذا ان صلیبی لشکریوں کے لئے پوپ اعظم نے معفرت کی دُعا نہ کی۔ اور وہ بیچارے لُوٹ مار اور نئی حکمرانیاں بھی قائم نہ کر سکے۔ اس طرح وہ دین اور دُنیا دونوں کی برکتوں سے محروم رہے۔ پہلے کروسیڈ (صلیبی جنگ) کا پہلا دستہ اگست ۱۰۹۶ء میں اپنے معینّہ پڑاؤ سے روانہ ہوا۔ اور آخری دستہ اپنے پہلے روانہ شدہ لشکریوں سے موسم بہار ۱۰۹۷ء میں نکوبیسیا کے محاصرے کے وقت آن ملا۔ پہلے دستے کا سالار کاؤنٹ گاڈفری آف لورین تھا۔

صلیبی جنگ پر روانہ ہونے سے قبل گاڈفری جھگڑالو اور ظالم مشہور تھا۔ جسے مذہب سے کچھ اُنس نہ تھا۔ اپنی جوانی میں گاڈفری نے اپنے دادا "ڈاڑھی والے" کاؤنٹ گاڈفری کی روایات کو دوبارہ زندہ کر دیا تھا۔ ورڈون (VERDUN) کے بشپ نے جب سیاسی اقتدار کے حاصل کرنے کی سعی کی تھی۔ تو ڈاڑھی والے گاڈفری نے بشپ کے گرجا کو گھیر لیا تھا۔ اور اُس کے فدائیوں کو قتل کر دیا تھا۔ اس طرح جب اس گاڈفری کے عہد میں بھی ورڈون کے بشپ نے دُوسری بار سیاسی اقتدار کے حصول کی کوشش کی۔ تو اس گاڈفری نے بشپ کے حواس ٹھکانے لگا دیئے تھے۔

ہنگری کے بادشاہ کولومن نے اس صلیبی لشکر کو اپنے ملک سے گذرنے سے قبل گاڈفری سے ایک عہدنامے پر دستخط کروائے۔ جس کی شرائط بہت سخت تھیں اور گاڈفری کو اپنے چھوٹے بھائی بالڈون اور اُس کے بیوی بچوں کو بطور یرغمال کولومن کے پاس رکھنے کے لئے مجبور کیا۔ اس طرح قیصر رُوما ایلکسیس نے بھی ایک عہدنامے پر اس سے دستخط کرائے تھے۔ اس طرح یہ صلیبی لشکر جب قسطنطنیہ کے قریب پہنچا تو ان کو یہ خبر ملی۔ کہ قیصر نے کاؤنٹ ہیو آف ورمینڈوائی کو نظر بند کر رکھا ہے۔ کاؤنٹ ہیو آف ورمینڈوائی (HUGH OF VERMANDOIS) اپنے لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ میں گاڈفری کے لشکر سے بھی پہلے دُوسرے راستہ سے پہنچ گیا تھا۔ مگر جب اُس نے قیصر ایلکسیس کی شرائط نہ مانیں تو قیصر نے ہیو کو نظر بند کر دیا۔ کاؤنٹ گاڈفری نے قیصر سے کاؤنٹ ہیو کی آزادی کے لئے مطالبہ کیا۔ مگر اس کے جواب میں قیصر نے دعوت پر کاؤنٹ کو بلایا تاکہ آپس میں مل کر اس بات کا فیصلہ کر سکیں۔ گاڈفری نے دعوت کو نامنظور کیا۔ کیونکہ اُسے ڈر تھا کہ کہیں اُس کے ساتھ بھی دغا نہ کرے یا کھانے میں زہر نہ دے دے۔ قیصر نے اپنی دعوت کے انکار کو بے عزّتی سمجھا اور اپنے اُمرا اور رعایا کو حکم دے دیا کہ صلیبی لشکریوں کو رسد مہیّا نہ کریں۔ قیصر کے اس حکم کے جواب میں گاڈفری نے اپنے لشکریوں کو لُوٹ مار کر کے رسد حاصل کرنے کا حکم دے دیا۔ لہٰذا صلیبی لشکریوں نے لُوٹ مار مچا دی۔ آخرکار گاڈفری اور قیصر میں صُلح ہو گئی۔ تو قیصر نے اپنے

جہازوں پر مع کافی رسد کے گاڈفری اور اُس کے لشکر کو سمندر کے پار ایشیائے کوچک کے ساحل پر اُتار دیا۔ تاکہ صلیبی لشکریوں اور قسطنطنیہ کے درمیان سمندر حائل رہے۔

دُوسرا صلیبی دستہ:۔ جب کاؤنٹ بوہیمانڈ اور اُس کے چچا کاؤنٹ راجر آف سسلی نے گاڈفری کے لشکر کے متعلق چل پڑنے کی خبر سُنی۔ تو اپنے صلیبی لشکر کو لے کر پہلے درولولی میں آیا۔ اور پھر وہاں سے کاسٹوریا سے ہوتا ہوا قسطنطنیہ پہنچا۔ قیصر نے ہوشیاری سے بوہیمانڈ سے کہا۔ کہ تم جا کر انطاکیہ فتح کرو۔ اور میں تم کو اس شرط پر وہاں کا والی مقرر کروں گا۔ کہ تم میری وفاداری کا حلف اُٹھاؤ۔ بوہیمانڈ نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ اور اس طرح سے قیصر نے ایک کمان سے ایک ہی وقت میں دو تیر چلائے یعنی بوہیمانڈ کو اپنے کھوئے ہوئے علاقے کو فتح کرنے پر رضامند کر لیا۔ اور بطور انعام اُسے وہاں کا اپنا والی تسلیم کر لیا۔

تیسرا دستہ:۔ اس دستہ کا سالار ناربون کا ڈیوک ریمانڈ چہارم (RAYMOND IV) تھا۔ جو طولوش کا کاؤنٹ پرووِنس کا مارکوئس اور سینٹ گلی (SAINT-GILLES) کا کاؤنٹ بھی تھا۔ یہ ڈیوک جب کاؤنٹ تھا تو چارلس اعظم اور گریگوری کے منصوبے کے تحت فلسطین اچھی طرح سے دیکھ آیا تھا۔ اسی زمانے میں اُسے اپنے بڑے بھائی کے مرنے پر ساری جائیداد مل گئی تھی۔ لیکن یہ تجربہ کار اور جنگجو ڈیوک اپنے لئے نئی دُنیا کی تلاش میں تھا۔ ریمانڈ تمام صلیبی سالاروں سے عُمر میں بڑا اور تجربہ کار

جرنیل تھا۔ چونکہ وہ فلسطین کے حالات سے خوب آشنا تھا۔ اس لئے وہ اپنے ہمراہ بہت سے آزمودہ اور جنگجو نائٹ لایا تھا۔ اور اُس نے اپنے ہمراہ پوپ اڈھمر آف پوائے (ADHEMAR OF POY) کو لے لیا تھا۔ ریمانڈ نے یورپ میں جو راستہ سفر اختیار کیا تھا۔ اُس کے حالات سے وُہ واقف نہ تھا۔ بلغاریوں نے اس کے لشکر پر کئی بار حملے کئے۔ مگر ریمانڈ نے ان کا مُنہ توڑ جواب دیا اور اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ قیصر ایلکسیس ریمانڈ کی طاقت سے ہراساں تھا۔ لہٰذا وہ اُس کے قسطنطنیہ آنے پر خوش نہ تھا۔ اپنے عہد و پیمان کے خلاف قیصر کے لشکری اور مقامی لُٹیرے صلیبی لشکر کو پریشان کرتے رہے۔ اور عوام نے بھی رسد مہیا کرنے میں پُورا تعاون کیا۔ جب ڈیوک ریمانڈ شہر روڈسٹو (RODOSTO) میں پہنچا۔ تو قیصر کی طرف سے صرف چند ہمراہیوں کے ساتھ قسطنطنیہ آنے کی دعوت ملی۔ اس دعوت کے ملنے پر ریمانڈ تمام راستے کے مصائب کو بالائے طاق رکھ کر صرف چند ہمراہیوں کے ہمراہ قسطنطنیہ چلا گیا۔ قیصر روما نے ڈیوک سے کہا۔ کہ وہ بھی بوہیمانڈ، گاڈفری اور رابرٹ کی طرح قیصر کی وفاداری کا حلف اُٹھائے۔ ریمانڈ نے اس سوال کے جواب میں قیصر سے کہا۔ کہ وہ فلسطین کو ناپاک لوگوں سے آزاد کرانے کے لئے گھر سے نکلا ہے۔ اور وُہ کسی کی سرداری کو قبول نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر قیصر بذات خود اپنے لشکر کے ساتھ صلیبی جنگ میں حصہ لینے کے لئے صلیبی لشکر کے ہمراہ چلے تو اُس صُورت میں وُہ اور اُس کا لشکر قیصر کے جھنڈے کے نیچے لڑائی لڑنے کو تیار ہیں۔ اور قیصر کو اپنا سپہ

سالار تسلیم کر لیں گے۔ اس گفتگو کے بعد جب ریمانڈ واپس آ کر اپنے لشکر سے قسطنطنیہ سے کچھ دُور آ کر ملا۔ تو اُسے یہ پتہ چلا۔ کہ اُس کی غیر حاضری میں قیصر کے لشکریوں نے علانیہ طور پر صلیبی لشکریوں پر حملے کئے ہیں۔ تو وُہ غضبناک ہو گیا اور اُس نے تمام صلیبی سالاروں کو اپنی مدد کے لئے بلایا۔ تاکہ سب مل کر قسطنطنیہ پر حملہ کر کے اُسے فتح کر لیں۔ اور قیصر کو اُس کی بدعہدی کی مناسب سزا دیں۔ تمام صلیبی سالاروں نے ریمانڈ کی درخواست کو کسی نہ کسی عذر سے ٹال دیا۔ لیکن بوہیمانڈ نے تو صاف کہہ دیا۔ وُہ قیصر رُوما کی معاونت کرے گا۔ اور ریمانڈ کے خلاف لڑے گا۔ ریمانڈ نے جب اپنے آپ کو بے یارو مددگار پایا تو اُس نے گو حلف وفاداری تو نہ اُٹھایا۔ مگر قیصر رُوما سے صلح کر کے ایک ایسے عہد نامے پر دستخط کر دیئے۔ جس میں یہ لکھا تھا۔ کہ وہ قیصر رُوما کے مفاد کے خلاف کوئی جنگی کارروائی نہ کرے گا۔

اس عظیم الشان صلیبی لشکر کا آخری دستہ یورپ سے ستمبر ۱۰۹۶ء میں آیا۔ اس لشکر کا سالار ڈیوک رابرٹ آف نارمنڈی تھا۔ اس لشکر میں دُوسرے نامور لوگ کاؤنٹ اسٹفن، کاؤنٹ رابرٹ آف فلینڈرس اور اور کاؤنٹ ایلوس (ALOST) تھے۔ اس لشکر کے ساتھ شمالی فرانس کے بہت نامور اور جنگجو نائٹ تھے۔ مگر اُن کا ہمراہی بشپ بیو (BAYEUX) بہت ہی فسادی اور سرکش مشہور تھا۔ یہ دستہ اٹلی کے راستے سے جب گذرا تو پوپ اعظم اربن نے بذات خود ان کے حق میں کامیابی کے لئے دُعا کی۔ جب یہ لشکر بندرگاہ باری (BARI) میں پہنچا۔ تو موسم کی خرابی کی

وجہ سے ڈیوک نے بحری سفر کرنا چونکہ مناسب نہ سمجھا۔ لہٰذا یہ لشکر موسم سرما کے دن جنوبی اٹلی میں گزارنے کے لئے وہیں ٹھہر گیا۔ کاؤنٹ رابرٹ آف فلینڈرس نے ڈیوک کے مشورہ کو نہ مانا۔ اور اپنے ہمراہی لے کر بحری راستے میں قسطنطنیہ چلا گیا۔ اور یہ لشکر اُس وقت قسطنطنیہ پہنچا جب ریمانڈ وہاں تھا۔ گو ڈیوک رابرٹ خود تو بہت ہی آرام سے رہا۔ مگر اُس کے لشکریوں کو بہت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ سردیاں بہت سخت تھیں۔ اس لئے ان مصائب سے پناہ لینے کی غرض سے بہت سے صلیبی لشکریوں نے اپنے ہتھیاروں کو بیچ دیا۔ اور اس روپیہ سے گھر کو لوٹ گئے۔ موسم سرما کی سختی کے باعث کچھ لوگ مر گئے۔

۸ اپریل ۱۰۹۸ء یعنی عین ایسٹر کے دن ڈیوک رابرٹ کے ہمراہ تقریباً چار سو صلیبی جانباز ایک جہاز پر قسطنطنیہ کے لئے سوار ہوئے۔ مگر یہ جہاز طوفان میں گھر کر ساحل کے قریب ہی ڈوب گیا۔ اس ہولناک منظر سے متاثر ہو کر کچھ صلیبی وطن کو لوٹ گئے۔ ڈیوک نے فیصلہ کیا کہ اس مقام کو جلد سے جلد چھوڑ دے گا۔ لہٰذا وہ باقیماندہ لشکر کو لے کر ڈوروزو تھیلی اور سالونیکا سے ہوتے ہوئے جب قسطنطنیہ پہنچا۔ تو قیصر روما نے ڈیوک اور اُس کے لشکر کو شہر میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور سمندر پار جانے پر اصرار کیا اور رسد وغیرہ دینے پر بھی تب رضامند ہوا۔ جب اس ڈیوک نے حلف وفاداری اُٹھا لیا۔

قیصر کے طرزِ عمل پر تبصرہ مغربی مورخین نے قیصر کی بے نیازی، سرد مہری،

وعدہ شکنی کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ اور حلف اُٹھانے کے اصرار پر بھی نکتہ چینی کی ہے۔ پھر وہ قیصر کے مذکورہ بالا رویہ کی حمایت کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں :-

۱ - قیصر ایلکسیس نے شروع شروع میں ان صلیبی لشکریوں کی دل سے آؤ بھگت کی۔ مگر جب ان لشکریوں نے لُوٹ مار، غارتگری اور عورتوں کی عصمت دری کی تو اُسے مجبوراً اپنا رویہ بدلنا پڑا۔ کیونکہ اُسے ڈر ہو گیا کہ کہیں یہ لوگ اس کے ملک پر قابض نہ ہو جائیں۔ خصوصاً ڈیوک ریمانڈ کے وہ پیغامات جو اُس نے دوسرے سالاروں کو بھیجے تھے۔ اُس کے کانوں تک پہنچ گئے تھے۔

۲ - قیصر نے جب صلیبی لشکریوں کو یونانی گرجاؤں کی بے حرمتی اور لُوٹ مار کرتے دیکھا تو اُسے بے حد صدمہ ہوا۔ یہ چرچ اُس کے آباؤ اجداد نے اٹلی کے چرچ کے بالمقابل کھڑے کئے تھے۔ اور اس کی وجہ سے قیصر کے گھرانے کا وقار بڑھا تھا۔ لہٰذا اُسے شک ہوا۔ کہ کہیں لاطینی چرچ کے لوگ یونانی چرچ کو تباہ نہ کر دیں۔ خصوصاً جبکہ اُن میں بہت سے پادری ایسے تھے۔ جو شر اور فساد کے لئے بہت بدنام تھے۔

۳ - چونکہ قیصر ان لوگوں میں ایک تھا۔ جس نے صلیبی جنگ کے شروع کرنے میں بہت کام کیا تھا۔ اس لئے اُسے خُوب معلوم تھا کہ بہت سے اُمرا (ڈیوک) جو اب نواب بے مُلک تھے۔ اس جنگ پر صرف نئی حکومتیں قائم کرنے کی غرض سے شامل ہوئے تھے۔ جنوبی اٹلی اور صقلیہ میں جو گُذرا تھا۔ اُسے خُوب یاد تھا۔ جب ذرا سے بہانہ پر صلیبیوں نے لُوٹ مار

مچادی۔ تو قیصر کو اور بھی وہم پیدا ہو گیا۔ کہ کہیں یہ لوگ اسے ہی باہر نہ نکال دیں۔ لہٰذا وہ جلد سے جلد صلیبی لشکروں کو قسطنطنیہ سے دُور بھیجنے کی فکر میں تھا۔ تاکہ ان کو اپنے دُشمنوں سے لڑا کر خود محفوظ ہو جائے۔ مغربی مورّخین یہ بھی لکھتے ہیں۔ کہ باوجود ان خطرات اور خدشات کے قیصر یہ بات نہ بھلا سکتا تھا۔ کہ اُس کے بُزرگوں کی سلطنت کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ اور ایک طرف دجلہ و فرات کی وادیوں پر مشتمل تھا۔ اور دُوسری طرف مصر کی حدُود سے جا ملتا تھا۔ چونکہ وہ اپنے کھوئے ہُوئے علاقے کو واپس لینا چاہتا تھا۔ اس لئے وُہ سب بدمزگیاں اور خطرات کو برداشت کرنے کو تیار تھا۔ خصوصًا اُسے یہ موقع مل گیا تھا۔ کہ دُوسروں کے جذبات کے بل پر وُہ اپنے خواب کی تعبیر دیکھ سکتا ہے۔ لہٰذا اُس نے جو عیّاری، چالبازی یا سیاسی جوڑ توڑ صلیبی سالاروں سے کیا۔ وُہ ایسا کرنے میں بہت حد تک حق بجانب تھا۔

بارہواں باب

ایشیائے کوچک پر حملہ

جب تقریباً سب صلیبی دستے ایشیائے کوچک میں جمع ہو گئے۔ تو یہ سیلاب نقیہ (NICAEA) شہر کی طرف بڑھا۔ ڈیوک ریمانڈ سب سے آخر میں روانہ ہوا۔ اس دستے نے نقیہ پر حملہ کیا۔ مگر مسلم دستے نے اپنے آپ کو قلعہ بند کر لیا۔ صلیبی دستوں نے شہر کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرے کی خبر جب قلیچ ارسلان کو پہنچی۔ تو اُس نے ایک جرّار دستہ محصورین کی مدد کے لئے بھیجا۔ اس سلجوقی لشکر نے صلیبی لشکر پر حملہ کیا۔ سخت لڑائی ہوتی رہی اور مُسلم فوج بہت کامیابی سے عیسائیوں پر حملے کر رہی تھی۔ کہ اتفاقاً عین اُس وقت ڈیوک ریمانڈ کا صلیبی لشکر آ پہنچا۔ اور مُسلم لشکر چاروں طرف سے گھر گیا۔ گو مُسلم لشکر کچھ دیر تک تو سخت مقابلہ کرتا رہا۔ مگر صلیبی لشکر جو تعداد میں تُرکوں سے کہیں زیادہ تھا۔

اور بہتر ہتھیار اور زرہ بکتر سے لیس تھا۔ جب ایک زبردست یورش کی۔ تو ترکوں نے میدان چھوڑ دیا۔ بہت سے تُرک مارے گئے۔ ان کا بھاری سامان خصوصاً رسد کا سامان صلیبی لشکریوں کے ہاتھ آیا۔ یہ صلیبی لشکریوں کے لئے بہت اہم مدد تھی۔ عیسائی لشکریوں نے اُن تمام زخمیوں سپاہیوں اور ان مردوں کے بھی جنہیں ترکوں نے مرنے کے بعد وہیں دفن کر دیا تھا۔ سروں کو کاٹ لیا اور ان سروں کو نقیہ کے قلعہ بند ترکی سپاہیوں کے ڈرانے کی غرض سے قلعے کے اندر پھینک دیا۔ مگر ترکی سپاہی برابر لڑتے رہے۔ کئی ہفتوں کے بعد جب اُن کو کمک آنے کی اُمید نہ ملی۔ تو اُن کے پاس کھانے پینے کا سامان نہ رہا۔ تو اُنہوں نے خُفیہ طور سے قیصر سے صلح کر لی۔ اور ایک دن جب صبح نمودار ہوئی۔ تو اُنہوں نے یہ دیکھا کہ نقیہ کے شہر کی فصیلوں پر قیصر کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ اور اُسی روز قیصر خود بھی فوج لے کر وہاں پہنچ گیا۔ قیصر نے اس فتح کی خوشی میں تمام صلیبی لشکروں کے افسروں کو سونے اور چاندی کے سکّے بطور انعام دیئے اور سپاہیوں کو پیتل کے سکّے دیئے۔ مگر یہ انعام جو کافی فیاضی سے دیا گیا تھا۔ صلیبی لشکریوں کی حرص کو پُورا نہ کر سکا۔ جو اس اُمید میں تھے۔ کہ نقیہ کی فتح کے بعد اُس کی لُوٹ مار سے وُہ اپنی جھولیاں بھر لیں گے۔ صلیبی لشکر بہت ناراض ہوا۔ اور انطاکیہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ مگر راستہ میں یہ دونوں لشکر مختلف راستوں پر چلنے لگے۔ گو دونوں کا مقصد انطاکیہ پہنچنا تھا۔ ایک

لشکر تو ریماناڈ کے تحت تھا۔ اور جس میں ایڈ ھیمر، گاڈ فری اور رابرٹ آف فلینڈرس تھے۔ اس لشکر نے سیدھا راستہ اختیار کیا۔ دُوسرے لشکر کا رہنما بوہیمانڈ تھا۔ اور اُس کے ساتھی ٹینکرڈ، ہیو اعظم اور رابرٹ آف نارمنڈی تھے۔ بوہیمانڈ کے ساتھیوں کو سفر کے مصائب اور تُرکی جانبازوں کے غارت گری کے حملوں سے سخت نقصان ہوا۔ اور جب تک یہ پہاڑی علاقے سے نکل کر سلیشیا کے زرخیز میدانی علاقے میں نہ پہنچ گئے۔ یہ لشکری بھوک اور خصوصًا پیاس سے بہت پریشان رہے۔ جب یہ لشکر ہراقلیہ جسے آجکل ارقلی کے نام سے پکارتے ہیں پہنچا تو آرمینی باشندوں کے نمائندوں کے کہنے پر کاؤنٹ بالڈون اور کاؤنٹ ٹینکرڈ باقی قافلے سے الگ ہو کر آرمینہ کی طرف چل پڑے۔ اور باقی لشکر انطاکیہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ اور دونوں صلیبی لشکروں نے ۲۱ اکتوبر ۱۰۹۷ء میں انطاکیہ کے سامنے ڈیرے ڈال دیئے۔ اور اس کا محاصرہ کر لیا۔

جنگ نقیبہ پر تبصرہ نقیبہ کی جنگ پہلی باقاعدہ جنگ جو مسلمانوں اور صلیبیوں کے درمیان ہوئی۔ اس جنگ سے بہت سی اہم باتیں واضح ہوتی ہیں:۔

۱۔ صلیبی لشکریوں اور قیصر کے درمیان اعتماد و یکجہتی نہ تھی۔ اس لیئے یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ کروسیڈ کی بُنیاد مستحکم نہ تھی۔

۲۔ مُسلم حکومت مختلف حصّوں میں بٹ چکی تھی۔ ان حکمرانوں میں

حسد، بُغض اور رشک حد درجہ کا تھا۔ اس لیئے وُہ ایک دُوسرے کی بربادی دیکھتے رہے۔ اور یہ نہ سوچا کہ ان کی بھی باری آئے گی۔

۳۔ قلیج آرسلان نے اپنے بزرگوں کی روایات کو ترک کر کے اتنے زبردست لشکر کے خلاف ایک مددگار دستہ بھیجا۔ جس کا سالار فن حرب کے اُصولوں کا ماہر نہ تھا۔ کیونکہ اُس نے اپنی غفلت کے باعث اپنی فوج کو گھیرے میں آجانے دیا۔ وُہ رسالے کا سالار تھا۔ لہٰذا اُسے نقل وحرکت کی اہلیت کو استعمال کر کے دُشمن کے گھیرے میں آجانے کے بعد بھی نکل جانے کی کوشش کرنی چاہیئے تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس نے اپنی فوج کی حفاظت کے لیئے پاسبان مقرر نہ کیئے۔ ورنہ ریمانڈ کا لشکر جسے ان حالات کا صحیح علم نہ تھا۔ اس قدر کامیابی سے تُرکوں کو گھیرے میں نہ لے لیتا۔ اگر وہ گھیرے میں آگیا تھا۔ تو اُسے جلد ترین گھیرے سے نکل جانے کی سعی کرنی چاہیئے تھی۔ کیونکہ وُہ دُشمنوں سے زیادہ تیز رفتار تھا۔ مگر اُس نے جم کر لڑنا چاہا۔ جو اُن حالات میں فن حرب کے اُصولوں کے خلاف تھا۔ اگر وُہ صلیبیوں کو گھیرے میں سے نکل کر اس علاقے کو تاخت و تاراج کرتا تو صلیبی لشکریوں کو رسد کے حاصل کرنے میں سخت دُشواریاں ہوتیں اور بہت ممکن ہے کہ ان کو قسطنطنیہ کی طرف مدد کا ہاتھ پھیلانا پڑتا۔ وہاں سے مدد ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں اُس نے اسلامی روایات کے اس زرّیں اُصول پر بھی عمل کیا۔ کہ اُس نے نہ تو محفوظ فوج رکھی اور نہ

ہی رسار وغیرہ کے ساتھ بڑا حفاظتی دستہ رکھا جو کہ مصیبت کے وقت یا تو رسد کو بچا کر لے جاتا یا اُسے دشمن کے ہاتھ لگنے کی بجائے برباد کر دیتا۔

آخر میں یہ سوال کیا جا سکتا ہے۔ کہ کیا یہ اچھا نہ ہوتا۔ کہ قلیج ارسلان خود میدان جنگ میں آتا اور ایسا کرنا اسلامی روایات کے مطابق ہوتا۔ شاید سلجوقی سلطان نے صلیبیوں کی طاقت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا تھا۔ اس لئے خود میدان جنگ میں نہ پہنچا ؂

آرمینیا پر صلیبی جھنڈا

سلیشیا یہ علاقہ گو بہت عرصہ سے مسلمانوں کے تحت تھا۔ مگر پھر بھی مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری کا یہ ثبوت ہے۔ کہ اس علاقے میں زیادہ تر عیسائی آباد تھے۔ اور مسلمانوں نے عوام کے مذہب یا تمدن میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ فلسطین تو کیا تمام شام میں مغربی پادری اور ہاسپٹلر (HISPITALLERS) آرڈر کے نائٹ تمام علاقے کو صلیبی جنگوں کے لئے آمادہ کرتے رہے تھے۔ چونکہ عوام کی اکثریت عیسائیوں کی تھی اور زائرین کو گذرگاہ کی عام اجازت تھی۔ اس لئے اس فساد کے پھیلانے میں پوپ اعظم کے صلیبیوں کو کوئی خاص دشواری نہیں ہوئی۔ لہٰذا جونہی صلیبی فوجیں ایشیائے کوچک میں داخل ہوئیں۔ عوام ان کی طرف ہر جانب سے لپکے۔ انہی میں ایک سفارت آرمینیہ کے لوگوں کی طرف سے ٹنکرڈ کو ملی۔ جو بالڈون سے

الگ ہو گیا تھا۔ اور اسی سفارت کے کچھ لوگ بالڈون سے بھی ملے ٹینکرڈ جب شہر طرطوس میں آیا تو وہاں کے ترکی محافظ دستے نے شہر کی فصیل کے دروازے بند کر دیے۔ لہٰذا ٹنکرڈ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ابھی ٹنکرڈ کو محاصرہ کئے صرف دو ہی روز گزرے تھے۔ کہ بالڈون بھی وہاں آ پہنچا۔ بالڈون نے شہریوں سے ساز باز کر کے قلعے کے دروازے کھلوا لئے اور شہر میں داخل ہو گیا۔ شہر والوں نے بالڈون کو اپنا حاکم مان لیا۔ ٹنکرڈ کو یہ بہت ناگوار گزرا۔ لہٰذا وہ وہاں سے چل کر میسیسی (MESSIS) شہر آیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں پر بھی بالڈون دوسرے روز مع لشکر کے پہنچا۔ تو کاؤنٹ ٹنکرڈ کے غصے کی انتہا نہ رہی اور دونوں لشکروں میں لڑائی شروع ہو گئی جو کہ شام تک جاری رہی۔ بہر حال رات کو دونوں لشکریوں اور سالاروں نے جب صلیب پر اپنی قسموں اور عہد کو یاد کیا۔ تو وہ پچھتائے اور دوسری صبح کو ہی دونوں سالاروں کا ملاپ تو ہو گیا۔ مگر ٹنکرڈ اپنے ساتھی لے کر انطاکیہ چلا گیا۔ تاکہ وہاں اپنی قسمت آزمائی کرے۔ خصوصاً جبکہ بالڈون کی فوج اُس کی اپنی فوج سے بہت زیادہ طاقت ور تھی۔

گو آرمینیہ کا کافی علاقہ ترکوں نے فتح کر لیا ہوا تھا۔ مغربی اڈیسہ (الرہا) عیسائی حکمران شہزادہ تھروس کے پاس تھا۔ اور جسے اُس نے اپنا پایۂ تخت بنا رکھا تھا۔ کاؤنٹ بالڈون جب یہاں پہنچا تو یہاں پر تھروس اور عوام نے بالڈون کا شاہانہ استقبال کیا۔ زیادہ دن نہ گزرے

تھے۔ کہ تھروس کو یہ یقین ہو گیا۔ کہ بالڈون اس کے خلاف عوام سے سازش کر رہا ہے۔ لہٰذا شہزادے نے جب بالڈون سے اڈیسہ سے چلے جانے کو کہا۔ تو شہزادے کے اُمرا اور عوام نے اس بات کی مخالفت کی اور آخرکار تھروس (THOROS) کو اس بات پر مجبور کیا گیا۔ کہ وہ بالڈون کو اپنا متبنیٰ بنالے۔ اُس علاقے میں یہ رواج تھا۔ کہ جس شخص کو گود میں لیا جاتا تھا اُسے گود لینے والا اور اُس کی بیوی اپنے کُرتے کے نیچے (یعنی ننگے) جسم سے سینہ پر لگاتے تھے۔ یہ رسم بہت تزک و احتشام سے ادا کی جاتی تھی۔ چنانچہ بالڈون کے ساتھ بھی یہی رسم ادا کی گئی۔ تھروس نے اس خطرے کو دُور کرنے کی غرض سے بالڈون کو ترکوں کے خلاف لڑنے کو بھیجا۔ تاکہ وہ آرمینیہ کی حکومت کا کھویا ہوا علاقہ تُرکوں سے واپس لے لے۔ چنانچہ بالڈون آگے بڑھا اور تُرکوں کے لشکر سے کچھ جھڑپیں ہوئیں۔ بالڈون خُوب سمجھتا تھا۔ کہ اس جنگ پر بھیجنے کے لئے تھروس کا اصلی مدعا کیا ہے۔ لہٰذا بالڈون چند یوم بعد لوٹا۔ اور آتے ہی تھروس کو قید کر لیا۔ اور عیاری سے اُسے قتل کروا دیا۔ اس طرح سے میدان صاف ہو جانے پر وُہ آرمینیہ کا بادشاہ بن گیا۔ علاوہ ازیں بالڈون نے شاہی نسل کی شہزادی سے شادی کر کے اپنے حقوق کو اور بھی مضبوط کر لیا۔ اس شادی کے بعد اُس نے آرمینیہ میں اپنا سکہ جاری کر دیا۔ آرمینیہ والوں نے جب دیکھا کہ بالڈون بحیثیت بادشاہ کے تھروس سے کہیں زیادہ سخت گیر ثابت ہوا ہے۔ تو انہوں نے فساد اور بغاوت کرنے

کی کوشش کی۔ مگر بالڈون کے صلیبی لشکریوں نے ان فسادات کو دبا دیا۔
ان بغاوتوں اور فسادات کی وجہ سے اگرچہ بالڈون اپنا علاقہ بڑھا نہ سکا۔
مگر اُس کا اب سلیشیا کے زرخیز علاقے پر قبضہ تھا۔ اور اس کا لشکر صلیبی
لشکروں کے آمدورفت کے راستے کی حفاظت کے لئے بہت موزوں تھا۔
اور وُہ اس علاقے سے صلیبی لشکریوں کے لئے بہت سا سامان رسد
بھیجتا رہا۔ تاکہ عوام کو یہ احساس ہو کہ بُرے وقت کے آنے پر باقی صلیبی
لشکر اس کی مدد پر آئے گا۔ اس رویّہ سے بالڈون کی صلاحیت اور بیدار
مغزی کا پتہ چلتا ہے۔ بالڈون نے شہر سروج اور گرد و نواح کے قصبے تُرکوں
سے چھین لئے۔

گو آرمینیہ کی فتح صلیبی لشکریوں نے کسی دفاعی منصوبے کے تحت نہ کی۔
مگر یہ اتفاقاً فتح جو ایک کاؤنٹ کی حرص کی بنا پر ہوئی۔ صلیبی لشکریوں کے
لئے دفاعی لحاظ سے بہت مفید ثابت ہوئی ؛

انطاکیہ کا محاصرہ

۲۱ اکتوبر ۱۰۹۷ئہ میں انطاکیہ کا محاصرہ شروع ہوا۔ روایات کے
بموجب صلیبی لشکر کی تعداد تین لاکھ کے قریب تھی۔ اور شہر کے اندر دو ہزار
شہسوار تھے اور باقی اندازاً پندرہ ہزار پیدل سپاہی تھے۔ شہر کے عوام
زیادہ تر عیسائی تھے اور باقی آرمینی یہودی اور مُسلم تھے۔ صلیبی لشکریوں نے
فصیل کے شمال مشرق کی جانب زیادہ توجہ دی۔ کیونکہ وُہ اتنے بڑے

قلعے کو پوری طرح سے محصور نہ کر سکتے تھے۔ بوہیمانڈ نے قلعے کے بالمقابل
ایک پہاڑی پر اپنا ڈیرا ڈالا۔ ٹنکریڈ نے اسی کے قریب ایک اور
ٹیلے پر پڑاؤ ڈالا۔ ان کے بعد ڈیوک آف نارمنڈی اور رابرٹ
آف فلینڈرس پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ اسی طرح سے ریمانڈ،
گاڈفری نے ایک دروازے کے مقابل قیام کیا۔ ۵ نومبر تک
دونوں جانب سے کوئی کارروائی نہ ہوئی۔ البتہ آرمینی اور شامی
شہری باشندے اپنا سامان بیچنے کے لئے صلیبی لشکر کے کیمپ
میں آتے جاتے تھے اور اسی طرح ترکی فوج کے سالار نے ان
لوگوں کے ذریعے سے سب خبریں معلوم کر لیں۔ ۵ نومبر کے بعد
ترکی فوج شہر سے نکل کر صلیبیوں پر حملہ آور ہوئی۔ اور صلیبی بھی اُن
پر حملہ آور ہوئے۔ کرسمس کا زمانہ آگیا۔ اور صلیبی لشکریوں کو رسد
کی بہت وقت ہونے لگی۔ کیونکہ جب تک صلیبی لشکریوں کا بڑا دستہ
رسد لینے کے لئے نہ جاتا۔ ترک غارت گر سپاہی اُن پر حملہ کر کے
اُن کو لوٹ لیتے اور قتل کر دیتے۔ یہاں تک کہ رسد کی حالت بہت
خراب ہو گئی۔ اس پر بوہیمانڈ، اور فلینڈرس رابرٹ سامان رسد
لانے کے لئے باہر علاقے میں گئے۔ مگر ان کو رسد حاصل کرنے میں
کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ البتہ اس صلیبی دستوں کی غیر حاضری
میں ترکی محصور فوج نے اچانک حملہ کر دیا۔ اور بہت سے نائٹوں
اور پیادوں کو قتل کر کے قلعے میں واپس چلے گئے چونکہ رسد کی حالت

بہت خراب ہوگئی تھی اسلئے نہ تو جانوروں کے لئے چارہ تھا۔ اور نہ ہی انسانوں کے لئے خوراک تھی۔ اس بنا پر بوہیمانڈ نے اعلان کیا۔ کہ اپنے لشکریوں کو بھوک سے مرنے دینا اُسے پسند نہیں۔ لہٰذا وُہ واپس جا رہا ہے۔ گاڈفری اور ریمانڈ بیمار تھے لہٰذا وُہ بھی لوٹ جانے کے خواہش مند تھے۔ قیصر ایلکسیس کے امدادی لشکر نے بھی واپس لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ اب انطاکیہ کا محاصرہ اُٹھائے بغیر چارہ نہیں ہے۔ انہی ایّام میں یہ خبر ملی۔ کہ ایک ترکی لشکر محصورین کی مدد کے لئے آرہا ہے۔ اس خبر کے سُنتے ہی بوہیمانڈ نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اور اُس نے یہ طے کیا۔ کہ رات کے وقت ترکوں کی کمک پر دریا کے کنارے شام کو خیمہ زن ہو کر شبخون مارے۔ لہٰذا وہ اپنے لشکریوں میں سے زیادہ تعداد اپنے ہمراہ لے کر آدھی رات کے گذرنے کے بعد شبخون مارنے کے لئے نکلا۔ نہایت احتیاط اور رازداری کے باوجود بوہیمانڈ کا یہ حملہ کامیاب نہ ہوا۔ اور عنقریب اُسے شکست ہونے کو تھی۔ کہ بوہیمانڈ نے اپنے محفوظ دستے سے ترکوں پر حملہ کر دیا۔ ترک اس جوابی حملے کی تاب نہ لاسکے۔ اور بھاگ نکلے۔ ترک کافی سامان رسد اپنے کیمپ میں چھوڑ گئے اور (۱۰۰) سو ترکوں کے سر کاٹ کر بوہیمانڈ اپنے ہمراہ کیمپ میں لے گیا۔ یہ واقعہ ۹ فروری ۱۰۹۸ء کا ہے۔

ترکوں کے حملے سے تنگ آکر صلیبی لشکریوں نے یہ طے کیا۔ کہ

اس دروازے کے بالمقابل جو شمال مغربی سڑک کے پتھروں کے پُل پر تھا۔ ایک قلعہ بنالیں۔ ترکی کمانڈر نے جب دیکھا کہ بوہیمانڈ خود تو رسد کے لئے غارت گری کرنے گیا ہے۔ تو اُس نے قلعے پر ایک دستہ بھیج کر قبضہ کرلیا۔ بہت زور کی لڑائی ہوتی رہی۔ کیونکہ تُرکوں نے قلعے کے دروازے بند کر کے عیسائیوں کو قتل کرنا شروع کردیا تھا۔ اسی اثنا میں بوہیمانڈ واپس لوٹ آیا اور اب تُرکوں نے جب قلعے کی طرف لوٹنا شروع کیا۔ تو چاروں طرف سے اُن پر حملہ ہوا۔ اس حملے میں مغربی مبصّرین کے بموجب شہر کے عیسائی مرد اور عورتوں نے تُرکی سپاہیوں پر پتھر پھینکے۔ اس طرح سے اس پُل کو عبور کرتے وقت تقریباً پندرہ ۱۵ سو ترک مارے گئے۔ شام کے وقت صلیبی لشکریوں نے مُردوں کو قبروں میں سے نکال کر پھینک دیا۔ اور اُن کے سر کاٹ کر پُل کے سامنے لٹکا دیئے۔ تاکہ تُرکوں کے دلوں میں خوف پیدا ہو۔ اور صلیبی لشکر کے دلوں میں اس انعام اور فتح کے نشان کو دیکھ کر حوصلے اور بھی بڑھیں۔ بوہیمانڈ ان ایّام میں شہریوں سے صلح کرنے کے لئے خفیہ طور سے ریشہ دوانیاں کر رہا تھا۔ اور اُس نے اپنے ساتھ ایک امیر فیروز نامی کو رشوت دے کر ملا لیا۔ اور یہ طے پایا کہ بوہیمانڈ ایک دن یہ ظاہر کرے۔ کہ وہ رسد لینے کے لئے گیا ہے۔ اور اس طرح سے فصیل کے سپاہی غافل ہوں گے۔ اس حالت میں وُہ دروازہ کھول دے گا۔ اور بوہیمانڈ کے چیدہ نائٹ جو خفیہ طور سے دروازے

کے باہر کھڑے ہوں گے اندر داخل ہو جائیں گے۔ نماز فجر کے وقت ذرا پہلے جب پہرہ دار فصیل سے گذر گئے۔ تو فیروز نے دروازہ کھول دیا۔ بوہیمانڈ کے نائٹ اندر گھس گئے اور بوہیمانڈ چونکہ رات ہی کو واپس آگیا تھا۔ اپنا لشکر لے کر شہر میں داخل ہو گیا۔ دوسری صبح کے وقت جب باقی صلیبی لشکری بیدار ہوئے تو انہوں نے بوہیمانڈ کا جھنڈا شہر کے دروازوں پر اڑتے ہوئے دیکھا۔ تو تمام صلیبی لشکری شہر پر ٹوٹ پڑے اور بے حد قتل و غارت گری کی۔ اور مسلم اور مقامی عیسائیوں کی لاشوں کے اوپر ضیافتیں اڑائیں۔ اور ناچ رنگ کئے۔ بوہیمانڈ فیروز اور اس کے ساتھیوں کو نہ بچا سکا۔ اور وہ بھی تلوار کی نذر ہوئے۔ شہر فتح ہوئے کچھ دن ہوئے تھے۔ کہ ترکی کمک امیر قوام الدولہ کربوقا کے تحت آپہنچی، ۵ جون ۱۰۹۸ء کو لڑائی ہوئی۔ اور ترک سپاہی صلیبیوں کو مارتے ہوئے شہر کی فصیل تک لے گئے۔ اور اس طرح سے صلیبی لشکر قلعہ بند ہو گیا۔

صلیبی لشکر میں سے بہت سے لشکری بیدل ہو گئے اور فصیل پر سے رسوں کی مدد سے اتر کر سمندر کے راستے سے بھاگ گئے۔ ان کا لقب روپ ڈانسر (ROPE DANCERS) رکھا گیا۔ ان صلیبی بھگوڑوں نے اسکندریہ کی راہ لی۔ کاؤنٹ اسٹفن آف چارٹر جو کہ فاتح شہنشاہ کا داماد تھا۔ ان بھگوڑوں میں سے تھا۔ اسٹفن راستے میں قیصر ایلکسیس سے ملا۔ جو بہت بڑی کمک لے کر انطاکیہ کی طرف

آرہا تھا۔ اس کے سامنے کاؤنٹ نے انطاکیہ کا ایسا بُرا نقشہ کھینچا۔ کہ وُہ اپنی فوج لے کر قسطنطنیہ واپس چلا گیا۔

حالات خراب ہوتے گئے۔ ۹ جُون کے دن کاؤنٹ ریمانڈ اور بشپ اڈھیمر بہت مایُوسی سے دُشمن کے کیمپ کے حالات کو دیکھ رہے تھے۔ کہ اُن کے پاس ایک شخص پیٹر بارتھلومیو آیا اور اُس نے اُن سے ایک خواب کا ذکر کیا۔ کہ اُس نے خواب میں یہ دیکھا ہے۔ کہ سینٹ اینڈروے نے اُسے وُہ جگہ بتلائی ہے۔ جہاں وُہ نیزہ مدفن ہے۔ جس کے ساتھ رُوما کے ایک سپاہی نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے پہلو کو زخمی کیا تھا۔ یہ خواب اُس نے دوبارہ دیکھا۔ اس صلیبی سپاہی کو اس خواب نے ایسا پریشان کیا۔ کہ اس کے بیان کے بموجب انطاکیہ کی فصیل سے اُتر کر بھاگ گیا۔ اور قبرص جانے والے جہاز پر سوار ہو گیا۔ مگر طوفان نے اس جہاز کو لمیٹرا کی بندرگاہ پر واپس لے آیا۔ اور خواب میں اُسے پھر حکم ملا۔ کہ وہ انطاکیہ واپس جائے۔ اور اس بھالے کی تلاش کرے۔ کیونکہ اس میں صلیبیوں کی بھلائی ہے۔ بشپ اڈھیمر نے اس قصّے کو من گھڑت تصوّر کیا۔ مگر کاؤنٹ اور ریمانڈ نے اس کو باور کر لیا۔ لہٰذا کاؤنٹ نے پیٹر کو پادری ریمانڈ آف اینگیولر کے سپرد کیا۔ اسی رات کو پادری اسٹفن آف ولینس کو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام خواب میں نظر آئے۔ اور اُنہوں نے فرمایا کہ وہ پانچ روز کے اندر صلیبی نیک بندوں کو کمک بھیجیں گے۔

۱۴ر جُون کو جب پانچ دن گذر گئے۔ تو کاؤنٹ اپنے گیارہ ہمراہیوں کے ساتھ سینٹ پیٹر کے گرجا میں گیا۔ صبح سے شام تک زمین کھودتے رہے مگر بھالے کا کوئی نشان نہ ملا۔ جب پیٹر جو اس افسانے کا راوی تھا۔ اُس نے کھودنے والے آدمیوں کو تھکا ماندہ دیکھا تو وہ خود گڑھے میں کُود گیا۔ اور زمین کھودنے لگا اور اُس نے سب حاضرین سے کہا۔ کہ اُس کے ساتھ مل کر دُعا مانگیں کہ وُہ مقدّس نیزہ اُن کو مل جائے۔ آخر کار اللہ تعالےٰ کے فضل سے پیٹر کو وہاں پر وُہ نیزہ نظر آیا۔ سب کے سب گڑھے میں کُود گئے۔ اور نیزے کو بوسہ دیا۔

۲۸ر جُون تک صلیبی، تُرکوں کے ساتھ صلح کی گفت و شنید کرتے رہے۔ کیونکہ اُن کے پاس کھانے کے لئے بہت ہی کم خوراک رہ گئی تھی۔ کئی قسم کی شرائط صلیبیوں نے بھیجیں۔ مثلاً چھ جانباز تُرکوں کی طرف سے آئیں اور چھ نائٹ صلیبیوں کی طرف سے جائیں۔ جس دستے کو اللہ فتح دے دے۔ دُوسری پارٹی اُسے شکست تسلیم کر لے۔ اس صلح کی گفت و شنید کا دراصل مقصد وقت کو ٹالنا تھا۔ کیونکہ صلیبیوں نے قیصر ایلکسیس کے پاس مدد کے لئے سفیر بھیجے تھے۔ مگر جب کوئی مدد نہ آئی۔ تو آخر کار صلیبیوں نے ۲۸ر جُون کی فجر کو جبکہ آہستہ آہستہ بُوندا باندی ہو رہی تھی۔ اور آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ صلیبی لشکر نے اپنے آپ کو چھ دستوں میں منظم کیا۔ ایک دستہ میں ہیو اعظم،

دُوسرے میں گاڈفری، اور تیسرے میں رابرٹس آف نارمنڈی تھے۔ چوتھے میں کاؤنٹ ریمانڈ اور بشپ اڈھیمر تھے۔ اڈھیمر کے ہاتھ میں مقدّس نیزہ تھا۔ اور یہ نیزہ فوج کے آگے آگے تھا۔ پانچواں لشکر ٹنکرڈ کا تھا اور آخری دستہ میں بوہیمانڈ پیادہ نائٹوں کے ساتھ تھا۔

امیر کربوقا خوابِ غفلت میں تھا۔ اُسے یہ گمان تک بھی نہ تھا۔ کہ صلیبی لشکر جو اُس کے خیال میں فاقوں سے مر رہے تھے۔ کبھی حملہ آور ہونگے۔ لہٰذا جب سے انطاکیہ کے ایک بھگوڑے تُرک قیدی نے صلیبی لشکر کے کوچ کی خبر دی تو کربوقا ہنسا۔ اور کہا کہ اُن کو میدان میں نکل آنے دو۔ مَیں اُنہیں سمجھ لوں گا۔ اور پھر سے شطرنج کھیلنے میں مشغول ہوگیا حتّٰی کہ ایک سپاہی نے یہ خبر دی۔ کہ صلیبی لشکر تو سر پر آپہنچا ہے۔ تو اُس نے جلدی سے شہسواروں کے دستے کو بھیجا۔ کہ چکّر کاٹ کر صلیبی لشکریوں کے عقب میں جا کر اُن کو واپس لوٹ جانے سے روک دیں۔ اور وُہ خود اپنے پڑاؤ میں اپنے لشکر کو منظّم کرنے لگا۔ اور تیراندازوں کو حکم دیا۔ کہ دُشمن پر تیر برسائیں۔ جب صلیبی لشکریوں نے اپنے عقب میں ترکوں کے شہسواروں کو دیکھا تو اُنہوں نے کاؤنٹ رینالڈ کے تحت سوار نائٹوں کا دستہ شہسواروں کے حملے کو روکنے کے لئے مقرّر کر دیا۔ اس دفاعی ترکیب کے بعد صلیبی لشکری آگے بڑھے۔ ہوا مخالف تھی۔ تُرکی تیرانداز اچانک حملے کی وجہ سے گھبرائے ہُوئے تھے۔ ان وجُوہات سے تیر اپنی جگہ پر نہ

گئے۔ اور صلیبی لشکر کا حملہ کامیاب ہوا۔ ترک شہسوار گو بہت بہادری سے لڑے۔ مگر باقی فوج بھاگ نکلی اور بہت سے سپاہی مارے گئے۔

پادری ریمانڈ جو مقدس بھالا اُٹھائے ہوئے تھا۔ اور جو بشب اڈھیمر کے قریب تھا۔ اپنی یادداشت میں لکھا ہے۔ کہ اس مقدس بھالے کی وجہ سے ہی تمام صلیبی بے دینوں کے تیروں سے محفوظ رہے اور اُس نے اور بہت سے پادریوں نے یہ دیکھا۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے بھیجے ہوئے شہسوار سفید گھوڑوں پر سوار ہو کر صلیبیوں کی مدد پر آئے اور ان کے بھالوں میں سے بجلی نکلتی تھی۔ اسی طرح سے بے حساب تُرک اس بجلی سے تباہ ہو گئے اور آخرکار بھاگ گئے۔ ٹی آر چیر نے اپنی کتاب کروسیڈ میں اس کرامت کو لوگوں کا تخیّل کہا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ وُہ ترکوں پر فتح پائیں گے۔

تُرکوں کی شکست کے اسباب

ابن اثیرالجزری نے یہ لکھا ہے۔ کہ مصر پر علویوں کا قبضہ تھا۔ اُنہوں نے جب یہ دیکھا۔ کہ سلجوقیوں کی طاقت بڑھتی جا رہی ہے۔ اور غزہ شام تک گھس آئے ہیں۔ تو اُن کو خطرہ پیدا ہوا۔ اس خطرے سے بچنے کے لئے اُنہوں نے قیصر رُوما کو یقین دلایا۔ کہ شام پر اگر وُہ یا فرنگی حملہ کریں گے۔ تو مصر سلجوقیوں کی مدد پر نہ آئے گا۔ اس طرح صلیبیوں کے خلاف مصر کی طرف سے کوئی کاروائی نہ ہوئی۔

انطاکیہ کی فتح کی خاص وجہ یہ تھی۔ کہ ترکی سپہ سالار کو اپنی کامیابی پر اس قدر یقین ہو گیا تھا۔ کہ اُس نے فن حرب کے ابتدائی اُصولوں مثلاً دشمن کے خلاف چوکس رہنے اور اُس کی نقل و حرکت کو دیکھنے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اور جب اُسے ایک بھگوڑے ترکی قیدی نے وقت پر خبر بھی دی تو اُس نے اس پر کوئی عمل نہ کیا۔ اور شطرنج کھیلتا رہا۔ اور بارش کی ہلکی ہلکی پھوار کو لطف اُٹھاتا رہا۔ اور جب دشمن سر پر آن پہنچا۔ تو وہ گھبرا گیا۔ اور اُس نے کوئی منظم کارروائی نہ کی۔ اس کے برعکس صلیبی لشکر کے سپہ سالار نے اپنی فوج کو ایک منظم لشکر کی شکل دے دی۔ اور جب اُس نے دیکھا کہ شہسوار اُس کے عقب میں آ گئے ہیں۔ تو اُن پر جوابی حملہ کرنے کے لئے اُس نے فوراً سوار نائٹوں کا دستہ بھیج دیا ؎

تیرہواں باب

انطاکیہ کی فتح کے بعد

انطاکیہ کی فتح کے بعد گاڈفری کے مشورے پر صلیبی لشکر انطاکیہ میں مقیم ہو گیا۔ گاڈفری نے اپنے ساتھیوں کو موسم گرما میں سفر کرنے اور جنگ کرنے کے خلاف رائے دی۔ کیونکہ وُہ پندرہ برس سے اس ملک کے حالات سے واقف تھا۔ اس لئے سب نے اس مشورہ کو مان لیا۔ اور اکتوبر تک وہیں ٹھہر گئے۔ اس اثنا میں صلیبی لشکریوں نے انطاکیہ سے اڈیسہ تک کے تمام قلعے فتح کر لئے۔ جن شہروں کو اُنھوں نے فتح کیا۔ وہاں پر اُنھوں نے تمام مسلمان عورتوں، بچّوں اور بُوڑھوں کو قتل کر دیا۔ حلب کے حکمران اور وہاں کے مزار کے سجادہ نشین کی آپس میں ناچاقی تھی۔ مزار کے بُزرگ نے صلیبیوں سے مدد مانگی۔ گاڈفری اس پر آمادہ ہو گیا۔ اور اُس نے

اس بات کی رضامندی دے دی۔ تو عرب سفیروں نے صلیبی لشکریوں کے سامنے دو کبوتر اڑا دیئے۔ پہلی بار اہل مغرب نے کبوتروں کو پیغام لے جاتے دیکھا تھا۔ اور حیران رہ گئے۔ گاڈفری نے اپنے بھائی بالڈون کو مدد کے لئے بلا بھیجا۔ اور دونوں مل کر حلب کی طرف بڑھے۔ مگر اگست کی گرمی سے تنگ آکر حلب کے حکمران سے ایک آدھ جھڑپ کے بعد آرمینہ کے پہاڑی علاقے میں آ گئے۔ کیونکہ یہاں موسم نہایت خوشگوار تھا۔ انہی ایام میں بشپ اڈھیمر کا انتقال ہو گیا۔ پیٹر براتھیلولیمو نے اس بشپ کو خواب میں دیکھا۔ کہ وہ اس سزا میں جہنم کی طرف بھیجا گیا۔ کہ اس نے مقدس بھالے پر شروع میں عقیدت کا اظہار نہ کیا تھا۔ لیکن بعد ازاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے اور ان کی سفارش پر بشپ اڈھیمر کو جنت میں جگہ مل گئی۔ اڈھیمر نے پیٹر سے کہا۔ کہ وہ لوگوں کو بتا دے۔ کہ اب وہ جنت میں ہے اور اس کی روح ہر وقت صلیبی لشکریوں کی مدد کرتی رہے گی۔ یہ قصہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ مغرب کے مقدس پادری کس طرح سے لوگوں کو خوش اعتقادی پر مائل کرتے جا رہے تھے۔

نومبر ۱۰۹۸ء میں سب صلیبی سالار جمع ہو گئے تھے۔ مگر بوہیمانڈ کا لشکر پڑاؤ میں آیا۔ اس وقت انطاکیہ کے آدھے حصے پر بوہیمانڈ کا قبضہ تھا۔ اور باقیماندہ حصے پر ریمانڈ کا قبضہ تھا۔ ریمانڈ نے اس خدشے سے کہ کہیں اس کی غیر حاضری میں بوہیمانڈ شہر پر قبضہ نہ کر لے۔

بوہیمانڈ کی غیر حاضری میں تمام اُمراء سے یہ شکایت کی۔ کہ بوہیمانڈ کا قلعہ پر قبضہ تسلیم کر کے اُمراء نے ریمانڈ کی حق تلفی کی ہے۔ چونکہ معاملہ بڑھتا گیا۔ اس لئے ریمانڈ نے بطور مصلحت یہ کہدیا۔ کہ مناسب ہو گا۔ کہ اس مسئلہ کے فیصلے کو سردست التوا میں رکھا جائے اور اگر بوہیمانڈ فلسطین کی طرف سب کے ساتھ مل کر مقدس جنگ کے لئے چل پڑے گا۔ تو اس مسئلہ پر جو فیصلہ صلیبی لشکر کے اُمرا کریں گے۔ وُہ اُسے منظور ہو گا۔ بالفاظ دیگر اُس نے قیصر کے فیصلے یا وفاداری یا ماتحتی کے سوال کو تسلیم نہ کیا۔ بلکہ یہ کہا کہ کروسیڈ کے اُمرا جو باہمی فیصلہ کریں گے۔ وُہ اُسے منظور ہو گا۔ بوہیمانڈ نے اس رائے کو مان لیا۔ اور پُورا لشکر انطاکیہ سے چل پڑا۔ ۲۸ جُون بروز ہفتہ صلیبیوں نے قلعہ مارا پر حملہ کیا۔ مگر ناکام رہے۔ دُوسرے دن بروز اتوار بوہیمانڈ کا لشکر بھی پہنچ گیا۔ اس لئے پھر سے حملہ کیا۔ مگر یہ بھی ناکام رہا۔ اب ریمانڈ نے جو کہ تجربہ کار انجنیئر بھی تھا۔ لکڑی کا ایک مینار بنایا۔ جس کے نیچے پہیئے لگے ہوئے تھے۔ اس مینار کی مدد سے قلعے والوں پر جب منجنیقوں سے پتھر پھینکے گئے۔ تو پھر صلیبی نائٹ اس مینار کی مدد سے قلعے کی دیواروں پر چڑھ گئے۔ تو محصورین بھاگ نکلے۔ مغربی مورخین کے قول کے مطابق اس شہر میں صلیبی لشکریوں نے اس قدر قتل عام کیا۔ کہ شہر کا کونہ کونہ مقتول مسلمانوں کی لاشوں سے اٹ گیا اور مرد عورت، بوڑھے، بچے بلا امتیاز قتل کر دیے

گئے۔ اور شہر کی گلیوں کی یہ حالت تھی۔ کہ ان لاشوں کو روندے بغیر چلنا ناممکن تھا۔

تقسیم پر جھگڑا

مارا کے فتح ہونے پر ایک اور جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ بشپ ریمانڈ یہ شہر البارا کو دینا چاہتا تھا اور نارمن صلیبی لشکریوں نے پیٹر بارتھلومیو کے انکشافات کا مضحکہ اُڑایا۔ اور نارمنوں نے شہر کے اس حصّے کو خالی کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ وُہ بشب البارا کو شہر دینے پر رضامند نہ تھے۔ اور وُہ انکشافات کو بناوٹی بتاتے تھے۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا۔ کہ بھالا پیٹر نے خود وہاں رکھا تھا۔

ایک اور جھگڑا اس بات پر ہوا۔ کہ بوہیمانڈ نے یہ تجویز پیش کی۔ کہ فلسطین کی طرف پیش قدمی ایسٹر کے بعد ہو۔ علاوہ ازیں کرسمس کے ایّام بھی قریب تھے۔ اور گاڈفری اور کچھ صلیبی اُمرا لوٹ مار کر کے ارمینہ کی طرف سے واپس نہ آئے تھے۔ مگر لشکریوں میں اکثریت فوراً پیش قدمی کرنے کے لئے مصر تھی۔ اُنہوں نے اتفاق رائے سے ریمانڈ کو اپنا سپہ سالار چُن لیا اور یہ کہا۔ کہ جو حکم دے گا۔ اس پر سب کو عمل کرنا ہو گا۔ ریمنڈ نے کچھ عذر کے بعد سپہ سالار بننا قبول کر لیا۔ اور پیش قدمی کے لئے ایک تاریخ مقرر کر دی۔ بوہیمانڈ اس بات پر ناراض ہو کر انطاکیہ واپس چلا گیا۔ اس بنا پر سب نے گاڈفری کو اڈیسہ سے واپس بلایا۔ اور اُمرا نے پھر ایک میٹنگ کی۔ اُمرا میں

سے زیادہ لوگ ریمانڈ کے موافق نہ تھے یا یُوں کہئے کہ لشکری تو ریمانڈ کو سپہ سالار بنانا چاہتے تھے۔ مگر اُمرا کا ارادہ کچھ اور تھا۔ مارا کا شہر بشپ البارا کو دے دیا گیا۔ مگر عام طور سے لشکریوں کو اُمرا کی ناچاقی پسند نہ آئی۔ لہٰذا وہ لشکری جو زخمی یا بیمار رہ گئے تھے۔ اُنہوں نے سارے شہر میں آگ لگا دی۔ اور فصیلوں کو توڑ دیا۔ بشپ کے محافظی دستوں نے اس بربادی کو بہت روکنا چاہا۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ کیونکہ یہ لوگ ایسے وقت غارت گری کرتے۔ جب محافظ وہاں نہ ہوتے۔ اور یہ کام ان لوگوں نے رات دن رکھا۔ اور آخر کار شہر کو خاک کا ڈھیر بنا دیا۔

۱۳ جنوری ۱۰۹۹ء کو باوجود امرا کی مخالفت کے صلیبی لشکر ۱۳ جنوری کو مارا کے پڑاؤ سے چل نکلا۔ اور دمشق کے راستہ کو چھوڑ کر ساحلی راستے کو اس لئے اختیار کیا۔ کیونکہ اُنہیں اُمید تھی۔ کہ وہ جہاز جو انطاکیہ چھوڑ آئے تھے۔ مزید کمک لے کر آئیں گے۔ قبرص سے بھی ان کو سامان رسد اور دُوسری مدد ملنے کی اُمید تھی۔

ارقہ کا محاصرہ

۱۴ فروری ۱۰۹۸ء کو ریمانڈ نے قلعہ ارقہ کے سامنے ڈیرہ ڈال دیا۔ شہر والے قلعہ بند ہو گئے۔ صلیبی لشکری تین ماہ یہاں مقیم رہے۔ کیونکہ یہ علاقہ بہت زرخیز تھا۔ اور لوٹ مار کرنے کے لئے بہت موقعے تھے۔ اس لئے سب صلیبی لشکریوں نے دل کھول کر ہر قسم کا سامان جمع کر لیا۔ ارقہ کے محصورین کو بھی رسد کی کمی اس لئے نہ تھی۔ کیونکہ اٹلی اور یُونان کے تجّار غلہ وغیرہ لا کر ان کے ہاتھوں فروخت

کرتے تھے۔ انہی ایّام میں یہ اطلاع ملی۔ کہ بغداد کا خلیفہ ایک زبردست لشکر بطور کمک ارقہ کے محصورین کے لئے بھیج رہا ہے۔ ریمانڈ نے اس لئے گاڈفری اور رابرٹ کو اپنی مدد کے لئے بُلا بھیجا۔ اُنہوں نے شہر جبلہ کو محصور کر رکھا تھا۔ مگر اسے چھوڑ کر ریمانڈ سے آملے۔ اسلامی کمک کی خبر جب غلط نکلی تو گاڈفری اور رابرٹ نے ریمانڈ کو یہ طعنہ دیا۔ کہ اُس نے تو لوٹ مار سے اپنی جھولی تو خُوب بھر لی ہے۔ اور جب اُس نے یہ دیکھا۔ کہ اُنہیں بھی کچھ مال وزر ملنے کا موقع ہے۔ تو حسد سے ایک بہانہ نکال کر ان کو جبلہ سے واپس بُلا لیا۔ پادری ارنلف جو اُن کا ساتھی تھا۔ اُس نے پھر سے پیٹر بارتھلومیو کے انکشافات کا مضحکہ اُڑایا۔ اور کہا مقدّس بھالے کے ڈھکوسلے سے ریمانڈ خُود اور اپنے ساتھیوں کی جیبیں بھر رہا ہے۔

پیٹر بارتھلومیو نے اس کے جواب میں یہ کہا۔ کہ آپ بڑی سے بڑی آگ روشن کر دیں۔ اور اگر میں اس آگ میں سے مقدّس بھالے طفیل صحیح سلامت گذر گیا تو کیا آپ بھالے کے تقدّس کو مان لیں گے۔

۱۸ اپریل ۱۰۹۸ء بروز (گوڈ) جمعہ لکڑیوں کے بڑے انبار میں آگ لگائی گئی۔ تمام عیلبی لشکری جو لاکھ کی تعداد میں تھے۔ وہاں پر جمع ہو گئے۔ تاکہ اس مقدّس بھالے کی کرامت دیکھیں۔ جب آگ بھڑک اُٹھی۔ تو ریمانڈ نے بلند آواز سے کہا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اس شخص پیٹر کو خواب میں بالمشافہ اس مقدّس بھالے کے لئے

ہدایات دی تھیں اور بھالے کی پوشیدہ جگہ دکھائی تھی۔ تو میری دُعا ہے۔ کہ یہ شخص پیٹر اس آگ میں سے صحیح سالم گذر جائے۔ تمام حاضرین نے آمین کہا۔

پیٹر سب سے پہلے البارا کے سامنے گھٹنوں کے بل ہوا۔ اور اُس کی دُعا طلب کی۔ اور بشپ نے متقدس بھالا پیٹر کے ہاتھ میں دے دیا۔ پادری ریمانڈ جب پیٹر آگ میں سے گذر رہا تھا۔ تو اُس نے یہ دیکھا کہ سفید پرندے پیٹر کے محافظ بن کر اُس کے سر پر اُڑ رہے ہیں۔ مگر جب بعض لوگوں نے اُسے جھٹلایا تو اُس نے کہا۔ کہ تم لوگوں کو معلوم نہیں۔ کہ کیوں ان آسمانی پرندوں کو نہیں دیکھا۔ کیونکہ اور بہت سے لوگ جو تمہارے پاس ہی کھڑے تھے۔ اُنہوں نے تو رحمت کے پرندوں کو پیٹر کے سر پر اُڑتے دیکھا تھا۔ پیٹر جب آگ میں سے نکلا تو تمام حاضرین نے شور مچا دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد اور نگرانی کی ہے۔ لوگ پیٹر کو اُٹھا کر لے گئے۔ مگر پیٹر چند دنوں میں اپنے زخموں کی وجہ سے مر گیا۔ اس لئے بہت سے لوگوں کا اس متقدس بھالے سے اعتقاد اُٹھ گیا۔ البتہ وہ لوگ جن کا اعتقاد قائم تھا اُنہوں نے یوں کہا۔ پیٹر بادشلو میو محض تماشائیوں کے ہنگامے اور شوقِ دیدار کے جوش کے باعث روندا گیا۔ اور انہی زخموں سے جانبر نہ ہو سکا۔ مگر ریمانڈ کو یہ ماننا پڑا کہ پیٹر کے جسم پر جل جانے کے زخم تھے۔ ایسٹر بھی گذر گیا اور ارقہ فتح نہ ہوا تھا۔ اس لئے اُمرا کی مجلس جمع ہوئی۔ اور اس سوال پر سوچ بچار ہوئی۔ کہ قیصر کے لشکر کا انتظار کیا

جائے یا نہیں۔

قیصر نے یہ پیغام بھیجا تھا۔ کہ وہ موسم گرما کے وسط میں بطور کمک ایک بڑا لشکر بھیجے گا۔ سب نے یہی فیصلہ کیا۔ کہ یہ فصل کا موسم ہے۔ لہٰذا اس سے فائدہ اُٹھا کر جلد سے جلد بیت المقدس پہنچنا چاہیئے۔

بیت المقدّس کی طرف پیش قدمی

۱۳ مئی کو صلیبی لشکر ارقہ سے قاریہ کی جانب چل پڑا۔ اور جب یہ رملہ میں پہنچا۔ تو پھر مجلس اکٹھی ہوئی۔ اور جس کے سامنے یہ سوال تھے:۔

۱۔ کیا مناسب نہ ہوگا۔ کہ صلیبی لشکری جنوب میں اسکندریہ کی طرف بڑھیں۔ تاکہ وہاں پر ایک زبردست سلطنت فتح کرلیں۔ ایسا کرنے سے فلسطین خود بخود اُن کے قبضہ میں آجائے گا۔

۲۔ وہ لوگ جو اس منصوبہ کے خلاف تھے۔ اُنہوں نے کہا۔ اگر ہم پندرہ سو نائٹ فلسطین میں بیت المقدس کو فتح نہیں کر سکتے۔ تو اتنی بڑی سلطنت کو کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔

۳۔ بعض اُمرا کا خیال تھا۔ کہ جہاں جہاں ان لوگوں نے فتوحات حاصل کرلی ہیں۔ وہاں جمے رہیں۔ بیت المقدّس کی فتح کا سوال بعد میں سوچا جائے۔ آخرکار یہ طے پایا کہ بیت المقدّس کی طرف پیش قدمی کی جائے۔ ۶ جون ۱۰۹۹ء کو گروسیڈر

بیت المقدس کے سامنے پہنچ گئے۔ اور چونکہ ان کی تعداد زیادہ نہ تھی۔
اس لئے سارے شہر کا محاصرہ کرنا ناممکن تھا۔ بیت المقدس ان ایام
میں مصری خلیفہ کے ہاتھ میں تھا۔ قیصر الکسیس نے صلیبیوں کو بتا دیا
تھا۔ کہ وہ مصری حکومت کے ساتھ ساز باز کریں۔ اور اُسے ترکی
کے خلاف جو کہ سُنی مذہب کے تھے۔ امداد دینے کا وعدہ کریں چنانچہ
صلیبی اُمرا نے نقیہ کے محاصرے کے دوران میں مصر کے خلیفہ کے پاس
اس قسم کا وفد بھیجا تھا۔ اسی طرح ترکوں نے بھی خلیفہ مصر کے پاس
صلیبی لشکر کے خلاف مدد حاصل کرنے کے لئے وفد بھیجا تھا۔ اس
بنا پر کہ ترک اور صلیبی دونوں خلیفہ مصر کی اعانت چاہتے ہیں۔ مصر
کے خلیفہ نے انطاکیہ کی فتح کے بعد یہ پیغام بھیجا تھا۔ کہ وہ تین سو غیر
مسلح صلیبیوں کو ایک بار بیت المقدس میں زیارت کرنے کی اجازت
دے گا۔ صلیبی اُمرا نے اس پیش کش کو حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ ۱۳
جُون کو بیت المقدس پر پہلی بار حملہ ہوا۔ مگر ناکامیاب رہا۔ ۱۷ جُون
کو صلیبی لشکریوں کے لئے جہازوں سے رسد کا سامان آ گیا۔ اس لئے
قحط کے خطرات دُور ہو گئے۔ ایک طرف تو رابرٹس آف فلینڈرس
جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لایا۔ اور اُس کے بڑے مینار بنا لئے۔ شہر
کے عیسائی پادریوں کے جاسوس صلیبی لشکریوں کو لمحہ لمحہ کی خبریں دے
رہے تھے۔ ریمنڈ کو بھی اسی طرح سے ایک بڑا مینار بنوا لیا تھا۔ ان
میناروں کی سے صلیبی لشکروں نے بیت المقدس کی فصیلوں پر پتھر

پھینکے۔ اور آخر کار صلیبی لشکریوں نے ۱۷ ؍جولائی کو گاڈ فری کے ساتھ حملہ کر دیا۔ مسلم سپاہیوں نے لکڑی کے مینار کو آگ لگانے کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہے۔ مسلم سپاہیوں نے منجنیقوں کے پتھروں کے بچاؤ کے لئے گھاس سے بھری ہوئی بوریاں فصیل کے ساتھ باندھی ہوئی تھیں۔ صلیبی لشکریوں نے آگ لگانے والے تیروں سے بہت سی بوریوں میں جب آگ لگا دی۔ تو مسلم سپاہی جو فصیل پر تھے۔ اس آگ کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ لہٰذا اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر صلیبی لشکریوں نے مینار کو دیوار سے لگا دیا۔ اور کچھ صلیبی نائٹ فصیل پر چڑھ گئے۔

گاڈ فری کا حملہ کامیاب ہو رہا تھا۔ اس وقت ریمانڈ کے لشکری مایوس ہو رہے تھے۔ اور یہ سوچ رہے تھے۔ کہ میناروں کو ہٹا کر دوسری طرف سے جائیں۔ یکایک اُنہوں نے دیکھا۔ کہ "مقدس مزار کی پہاڑی پر ایک سفید پوش نائٹ اُن کو حملہ کرنے کا اشارہ کر رہا ہے"۔ ریمانڈ نے اسے الہامی مدد سمجھ کر حملہ کر دیا۔ اور یہ وہ وقت تھا جب کہ گاڈ فری کے نائٹ شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ اس دو طرفہ حملے کی مسلم سپاہی تاب نہ لا سکے۔ خصوصاً جب کہ عوام جو کہ عیسائی تھے حملہ آوروں کا ساتھ دے رہے تھے۔ مسٹر ٹی آرچر اپنی کتاب میں یہ لکھتے ہیں:۔

"ہم ان لوگوں کا صرف آنکھوں دیکھا حال لکھتے ہیں۔ اور مفصّل

لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ تمام گلیوں، کوچوں، گھروں میں مقتولوں کے سر اپنے جسموں سے جدا پڑے ہوئے تھے۔ ہر جگہ سروں، ہاتھوں، پاؤں اور دھڑوں کے الگ الگ انبار صلیبیوں نے چن دئے تھے۔ اور عام گذرگاہ اور پگڈنڈیوں پر سے گذرنے کے لئے مُردوں کی لاشوں کے انبار پر سے گذرنا پڑتا تھا۔ وہ مُسلم جو گرجوں میں پناہ لینے چلے گئے تھے۔ ان کو وہیں قتل کر دیا گیا۔ اور کسی نے بھی رحم کی طرف التفات نہ کی۔ اپنی سمجھ میں اُنہوں نے جب تمام مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ تو سب صلیبی لشکری جمع ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے مقدّس مزار پر زیارت کے لئے گئے۔

دُوسری صبح کو صلیبیوں کو پتہ چلا۔ کہ ٹنکرڈ نے بہت روپیہ لے کر ستّر ہزار مسلمانوں کو امان دے دی ہے۔ اور یہ لوگ مسجد اقصٰی میں ہیں۔ اس خبر کے سُنتے ہی یہ صلیبی لشکری دیوانہ وار وہاں گئے۔ اور سب کو قتل کر دیا۔ اور مسجد کی بیش بہا قندیلوں کو لُوٹ لیا۔ ریمانڈ نے البتہ کچھ مسلمانوں کو لُوٹ لینے کے بعد جان بچا کر عسقلان کی طرف بھاگ جانے دیا۔ چونکہ لاشوں کے پڑے رہنے سے شہر میں سخت بدبُو پھیل گئی تھی۔ لہٰذا صلیبی لشکریوں نے گرد و نواح سے عربوں کو پکڑ لیا۔ اور اُن سے تمام لاشوں کو ایک جگہ جمع کرا کر اس انبار کو آگ لگا دی۔ بے دینوں کا ایسا قتل عام کبھی نہ دیکھنے یا سُننے میں آیا تھا۔ خدا ہی جانتا ہے۔ کہ کتنے مرد، عورتیں اور بچے قتل کئے گئے۔

فتح بیت المقدس پر تبصرہ

فتح بیت المقدس اور صلیبیوں کی پیش قدمی مندرجہ ذیل باتوں پر غور کرنے کی ترغیب دیتی ہے:۔

۱۔ گو صلیبی اُمرا لالچ، حرص اور ظلم کے غلام تھے۔ مگر وہ کروسیڈ کے لئے قسم کو پُورا کرنے کی غرض سے آپس میں ملے رہے۔ ان میں گہرا اتفاق نہ تھا۔ وقتی ضرورت اُن کو قریب لے آئی تھی۔ وہ جلد باہمی نفاق کا شکار ہو گئے۔

۲۔ قیصر ایلکسیس وعدے کرتا رہا۔ مگر اُس نے اُن کو پُورا کرنے کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔

۳۔ اس ظلم لوٹ مار کی ہوس اور قتل و غارت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کروسیڈ کو مقدس جنگ کہنا کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اپنی مجلس کے فیصلہ کے مطابق صلیبی سیدھے بیت المقدس کی طرف بڑھے۔ ورنہ اگر وہ اپنے کو طاقتور سمجھتے تو مصر پر حملہ کرکے وہاں پر حکومت قائم کرتے۔

۴۔ صلیبیوں نے انطاکیہ کے علاقے کو جو اڈیسہ تھا بہت مستحکم کر لیا۔ ارقہ کو بغیر فتح کئے چھوڑ دینا اور دمشق کو فتح نہ کرنا اُن کی دفاعی غلطی تھی۔

۵۔ مسلمانوں کے دفاعی منصوبے کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی۔ کہ انہوں نے پتھر اور چونے سے اپنی حفاظت طلب کی۔ اور یہ بھول گئے کہ قلعہ بند فوج اگر نقل و حرکت کی اہلیت نہیں رکھتی یا قلعہ بند فوج کی اگر ضرورت کے وقت محرک فوج سے مدد نہیں کی جا سکتی تو قلعہ بند فوج آخر کار ہتھیار ڈال دیتی ہے۔ قلعہ بند ہونے والے لشکریوں کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔

اور وہ اُس شیر کی مانند ہوتے ہیں جو کہ پنجرے میں بند ہو۔ وُہ دشمن پر پنجے چلاتا ہے۔ دانت نکالتا ہے۔ مگر پنجرے کی آہنی سلاخیں شیر کے حملے کو بے سُود بنا دیتی ہیں۔ تھکاوٹ، مایُوسی، پیاس اور بھُوک آخر کار اُسے قید کرنے والے شخص کے حکم ماننے پر مجبُور کر دیتی ہے۔ اس لئے لازمی ہے۔ کہ حکومت جب حفاظتی قلعے بنائے، اور اُس میں حفاظتی دستے رکھے تو اس بات کا یقین کرلے کہ وہ حکومت اُن حفاظتی قلعوں اور اُن میں مقیم دستوں کی مدد کے لئے اتنی متحرک فوج رکھے جو حملہ آوروں کے دانت کھٹے کر دے۔

تاریخ نے بار بار اس دفاعی اُصول کو واضح کیا ہے۔ مگر لوگ بھُول جاتے ہیں۔ ہٹلر بذات خُود میجنو لائن کے قلعے کو ۱۹۴۰ء میں پاش پاش کرنے کے بعد خود اسی کمزوری کا شکار ہو گیا۔ اور اُس نے اٹلانٹک لائن بنائی۔ اور جب یہ پاش پاش ہو گئی تو ہٹلر نے مایُوسی کے عالم میں خُودکشی کر لی۔

۶ - یہ صلیبی فتح یہ ظاہر کرتی ہے۔ کہ عیسائی پادریوں اور نائٹوں نے اسلامی دُنیا کی کمزوری یعنی شیعہ اور سُنّی تفرقات کا صحیح اندازہ لگا لیا تھا۔ لہٰذا مصری خلیفہ اور تُرک ایک دوسرے کا مُنہ تکتے رہے۔ اور صلیبی لشکریوں نے بیت المقدّس کو فتح کر لیا۔ اگر ان دونوں حکومتوں میں اسلامی جذبہ ہوتا۔ اور وُہ اسلام کے خطرے کو محسوس کر لیتے۔ تو تاریخ کے اوراق مختلف حالات بیان کرتے۔

۷ - ایسا معلوم ہوتا ہے۔ اسلامی حکمرانوں کی جاسوسی کا صیغہ بالکل بیکار

تھا۔ اور ان حکمرانوں نے صلیبی لشکر کے مختلف اُمرا اور پادریوں کے اختلافات سے کچھ فائدہ اُٹھانیکی کوشش نہ کی۔ سب حکمران اس کبوتر کی مانند تھے۔ جو بلّی کی آمد پر یہ سمجھ کر آنکھیں بند کرلیتا ہے۔ کہ اب وُہ بلّی کو نہیں دیکھ رہا۔ لہٰذا بلّی بھی اُسے نہیں دیکھ رہی ہوگی۔ اور اس طرح بلّی کا شکار بن جاتا ہے۔ مسلم فوجیں اپنے اپنے قلعوں میں بیٹھی ہوئی صلیبی لشکریوں کی آمد کی منتظر رہیں اور کسی کے خیال میں نہ آیا۔ کہ اپنے قرب سے گذرنے والے دشمن پر اگر حملہ نہیں تو چھیڑ چھاڑ تو کردیں۔ مثلاً ارقہ والوں نے کچھ نہ کیا۔ اور دمشق والے بیٹھے مُنہ دیکھتے رہے۔ اور یہی حال اُن قلعوں اور چھاؤنیوں کا تھا جو خاموش بیٹھے صلیبی لشکر کو اپنے پاس سے گذر جانے پر نازاں تھے کہ اُن پر حملہ نہیں ہوا۔

۸۔ آخری سوال یہ ہے۔ کہ کیا ریمانڈ نے غلطی کی تھی۔ کہ ارقہ کا محاصرہ چھوڑ دیا۔ اور دوسرے قلعہ جات کو بغیر تسخیر کئے بیت المقدس کی طرف بڑھ گیا۔ دراصل ریمانڈ نے بہت دُور اندیشی سے کام لیا۔ کیونکہ صلیبی لشکریوں کا اصل مقصد اور مُدعا بیت المقدس کو فتح کرکے مسلمانوں سے خالی کرانا تھا۔ چونکہ اسے ریمانڈ نے حاصل کرلیا۔ لہٰذا اُس کا وُہ فیصلہ صحیح تھا۔ علاوہ ازیں دفاعی اُصول کے لحاظ سے بھی یہ فیصلہ صائب تھا۔ ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء کی دُوسری جنگ عظیم کی ہی مثال لے لیجئے۔ جرمنوں کے سپہ سالار نے جب اتحادی فوجوں کو شکست دے دی۔ تو جرمنی کی فوجیں نہایت سُرعت کے ساتھ آگے بڑھتی چلی گئیں۔ حتّٰی کہ وُہ

ڈنکرک کے ساحل پر پہنچ گئیں۔ جرمن سپہ سالار نے کئی بڑے بڑے مورچے بلا فتح کئے چھوڑ دیئے۔ اور اُن کی نگرانی کے لئے کچھ دستے چھوڑ دیئے تاکہ اتحادیوں کو سنبھلنے کا موقع نہ ملے۔ جب جرمنوں نے ڈنکرک سے اتحادی فوجوں کو مار بھگایا۔ تو باقی علاقے بھی آسانی سے فتح کر لئے۔ اگر جرمن سپہ سالار ایسا نہ کرتا تو بہت ممکن تھا کہ اتحادی سنبھل جاتے۔

اسی طرح سے ریمانڈ نے ارقہ کے مسلم دستے کو اس حالت میں قلعہ بند چھوڑا۔ کہ ان کی یہ ہمت نہ ہوئی۔ کہ صلیبی لشکر کے عقب میں حملہ کرتے۔ علاوہ ازیں ریمانڈ کی لگاتار پیش قدمی کے باعث مصر کا خلیفہ بیت المقدس کو کوئی مدد نہ بھیج سکا۔ جب یہ اسلامی کمک مصر سے عسقلان پہنچی۔ تو اُس وقت بیت المقدس کروسیڈروں کے ہاتھ میں تھا۔

اس میں کلام نہیں کہ ریمانڈ کا یہ منصوبہ پُرخطر ضرور تھا۔ مگر جنگ تو جان سے کھیلنے کا نام ہے۔ اور جو سالار دُوراندیشی کے ساتھ خطرات مول نہیں لیتا وہ دُشمن کی چالوں کو مات نہیں دے سکتا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور خالد رضی اللہ عنہ کی جنگوں کا مطالعہ ہمارے اس بیان کی تصدیق کرتا ہے ؂

جون 1098

ترکی رسالہ

نائٹ سوار

مخصوصہ

محفوظ

قلب رجمنٹ 4

رابرٹس 2

گاڈفری 2

ہراوّل

ہیوا عظم 1

تیر انداز

ترکوں کا کمپ
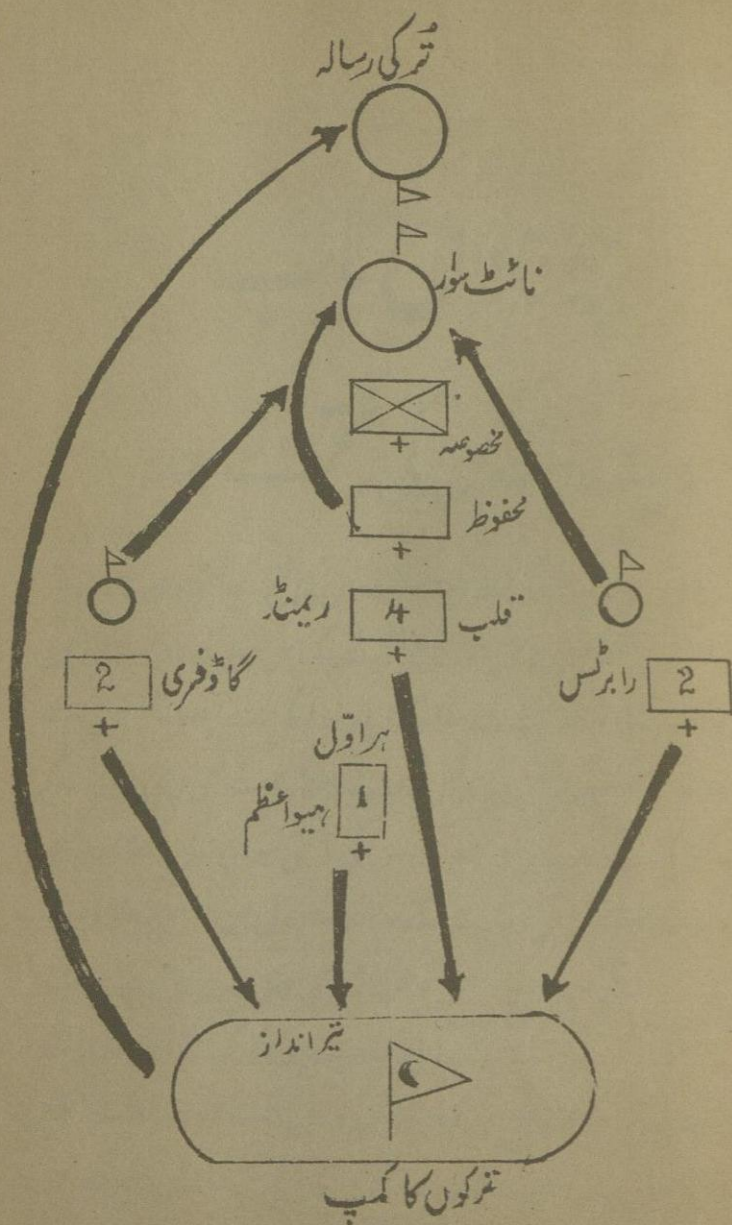
چودھواں باب

بیت المقدّس کی فتح کے بعد

۲۲ر جولائی ۱۰۹۹ئ؁ بیت المقدس کی فتح کے آٹھ دن بعد تمام صلیبی لشکر اس غرض سے جمع ہُوئے۔ کہ اس شہر کے بادشاہ کو چُنیں۔ ریمانڈ نے بادشاہ بننے سے انکار کر دیا۔ غالباً اسے قیصر ایلکسیس سے وعدہ شکنی منظور نہ تھی۔ رابرٹس آف نارمنڈی نے بھی اپنی امارت کو کھو کر ایک دُوسرے بادشاہ (قیصر) کی ماتحتی قبول نہ کی۔ علاوہ ازیں وُہ ان مظالم اور قتل و غارت کے مناظر سے دل میں شرمندہ تھا۔

بشپ اعظم کا انتخاب

آخر گاڈفری دی بلوین کو جب سب نے بادشاہ بننے پر مجبُور کیا۔ تو اُس نے اپنا لقب بادشاہ رکھنا قبول نہ کیا۔ کیونکہ وُہ اس ملک کا بادشاہ کہلانا نہیں چاہتا تھا۔ جہاں اُس کے مذہب کے نبی سُولی پر چڑھائے گئے تھے۔ اس

لیئے اُس نے اپنا لقب بیرن آف دی ہولی سیپلکر (مقدس مزار کا محافظ) تجویز کیا۔ حاکم چُن لینے کے بعد مقامی بشپ اعظم چُننا لازمی تھا۔ گو بہت سے اُمیدوار تھے۔ مگر روہی کا ارنف اس عہدے کے لیئے چُنا گیا۔ یہ وُہ پادری تھا۔ جو کہ مقدس نیزے کو لغویت بیان کرتا تھا۔ اور اپنی بدکاری اور بدنیتی کے لیئے لشکریوں میں بدنام تھا۔ مگر چونکہ بہت عیّار اور چالاک تھا۔ اس لیئے کامیاب ہو گیا۔ ارنف ایک میانہ رو سیاست دان تھا۔ اس لیئے عوام اس کے انتخاب پر خوش ہوئے۔ گاڈفری بھی اس انتخاب سے مطمئن تھا۔ اور اُس نے ارنف کو گرجے کے نظام میں اصلاح کی پُوری آزادی دے دی۔ ریمانڈ کو اس چناؤ کا سخت صدمہ ہوا۔ لیکن ریمانڈ کے ساتھی بہت سے مارے گئے تھے۔ اس لیئے چناؤ میں اکثریت مخالف پارٹی کی تھی۔ ارنف کے مقدس نیزہ توڑ کر ایک صلیب بنوائی۔ اور اسے مقدس نصرت والی نشانی مشہور کر دیا۔ اس سونے کی صلیب نے آخرکار بہت عزت و حرمت اور تقدس حاصل کر لیا۔ ریمانڈ اور گاڈفری میں جھگڑا ہو گیا۔ کیونکہ گاڈفری نے ٹاور آف ڈیوڈ کو بشپ آف البارا سے چھین لیا تھا۔ اس بنا پر ریمانڈ نے فوراً وطن جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اور بیت المقدس سے نکل کر جریکو میں خیمہ زن ہوا۔

عسقلان کی جنگ

اس کے چند روز کے بعد ٹنکرڈ شہر نیبلس کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاں کے لوگوں نے صلیبیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ اس کے ساتھ گاڈفرے نے اپنے بھائی

کو بھیجا تاکہ وہ ہمیشہ کی طرح لُوٹ کا مال ہضم نہ کرے۔ ان کے روانہ ہونے کے بعد ہی مصری سفیر بیت المقدس پہنچا۔ اور فرنگیوں سے وعدہ خلافی پر لعن طعن کی۔ اور فلسطین سے نکل جانے کو کہا۔ اس کا معقول جواب نہ ملنے پر حاکم مصر نے ایک زبردست لشکر اپنے وزیر افضل کی سرکردگی میں عسقلان کی طرف روانہ کیا۔ گاڈفرے نے ٹنکرڈ اور یوس ٹیس کو لکھا۔ کہ وہ فوراً قیساریہ اور رملہ پہنچ کر مصری فوج کی نقل وحرکت کو دیکھیں۔ اُدھر گاڈفرے نے فوراً فوجیں جمع کیں۔ اور اپنے ساتھیوں کو مدد کی درخواست کو ٹھکرا دیا۔ مگر بعد ازاں کروسیڈ کے جذبے کے تحت اُس کی مدد کو چل پڑے گاڈفرے فوج لے کر ۹ اگست کو بیت المقدس سے باہر آ کر فوج میں شامل ہونے کا حکم دیا۔ پس سارے سپاہی اس سے مل گئے۔ صرف راہب پیٹر معہ ایک محافظ دستہ کے صلیبی لشکر کی فتح یابی کی دُعا مانگنے اور دیگر انتظامات کے لئے بیت المقدس میں ٹھہر گیا۔

۱۱ اگست کو صلیبی لشکر عسقلان کی طرف بڑھا۔ اُدھر مصری لشکر کے سپہ سالار سے اُس کے نجومیوں نے یہ کہہ دیا تھا۔ کہ صلیبی لشکریوں کی مجال نہیں۔ کہ وہ مصری فوج سے لڑنے کی جُرأت کرے۔ اور اُنھوں نے مصری سپہ سالار سے یہ کہہ دیا۔ کہ وہ ۱۳ اگست کو بروز ہفتہ اپنے دشمنوں پر حملہ کرے۔ اس لئے مصری لشکر نہایت اطمینان سے عیش وطرب میں مشغول تھا۔ ۱۱ اگست کی رات کو ہی سب حالات کی خبر صلیبی لشکر کے جاسوسوں نے دے دی تھی۔ اس لئے اُنہوں نے ۱۲ اگست کی صبح کو مصریوں

پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ جو المجادل کے میدان میں خیمہ زن تھے۔ ۱۲ اگست کی صبح کو صلیبی لشکر کے جاسوسوں نے دیکھا۔ کہ مصری کیمپ میں بہشتی اپنی اپنی مشکوں میں پانی بھر کر لا رہے ہیں۔ اور زیادہ تر سپاہی آرام کی نیند سو رہے ہیں۔ عین اُس وقت صلیبی لشکر فوجی نظم کے مطابق نو بٹالینوں میں تقسیم ہو کر آگے بڑھا۔ اور مصریوں پر اچانک حملہ کر دیا۔ اور تمام سپاہیوں کو اس آسانی سے قتل کیا جیسے قربانی کے جانور ذبح کئے جاتے ہیں۔ مورخین نے لکھا ہے کہ مصری فوج جو کئی ہزار کی تعداد میں تھی۔ اس میں سے ایک فرد بھی نہ بچا۔ اور اس طرح مصری فوج کی تغافل شعاری و عیش کوشی ان کی ہلاکت کا موجب بنی۔ صلیبی فوج نے بے حساب مال لوٹا خصوصاً کھانے پینے کا سامان اور جانور بے حساب ہاتھ آئے۔ صلیبی لشکر کی عیّاری کافی حد تک مفید ثابت ہوئی۔ ۱۳ اگست کو فاتح فوج مال غنیمت سے لدی ہوئی بیت المقدس واپس آئی۔

مصری فوج کی شکست کے بعد گاڈ فرے عسقلان کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ مگر عسقلان کی مسلمان آبادی نے ریمانڈ کے سامنے ہتھیار ڈال دینے پر رضامندی ظاہر کی۔ کیونکہ وہ ریمانڈ کی بلند حوصلگی کے قائل تھے۔ گاڈ فرے نے کوئی ایسی شرط ماننے سے انکار کر دیا کہ شہر اُس کے حوالے نہ کرے۔ اس پر ریمانڈ شمال کی طرف چل دیا اور نارمنڈی کا رابرٹ اور فلینڈرز کا رابرٹ دونوں کا گاڈ فرے نے ساتھ چھوڑ

دیا۔ اور اس طرح گاڈفرے کو تنہا عسقلان پر حملہ کی ہمت نہ پڑی۔ آخر کار یہ فیصلہ ہوا۔ کہ ریمانڈ کو لطاکیہ کا شہر دے دیا جائے۔ اور اس طرح سے ریمنڈ کی اشک شوئی کی گئی۔ اس لڑائی کے بعد اکثر صلیبی اُمرا اپنے اپنے وطن کو لوٹ گئے۔ مصری حفاظتی دستے جو کہ ایکر۔ ٹائیر وغیرہ شہروں میں تھے۔ اُنہوں نے خوف کے مارے ان صلیبی لشکریوں کی بہت آؤ بھگت کی۔ اور جب صلیبی وہاں سے چلے گئے۔ تو انہوں نے خُدا کا شکر ادا کیا۔

المجدل کی کامیابی کے بعد

گاڈفری ارسف کی فتح میں مصروف تھا۔ کہ اُس نے یہ سُنا۔ کہ اُس کا بھائی بالڈون اور بوہیمانڈ لا انتہا صعوبات سفر اور لشکریوں کے جانی نقصان کے بعد بیت المقدس پہنچے ہیں۔ لہٰذا وہ بیت المقدس واپس چلا گیا۔ یہ لوگ ماہ جنوری میں اپنے اصلی مقامات کو واپس چلے گئے۔ گاڈفری نے اپنے علاقے کو اور بڑھا لیا۔ اور قاریہ، ایکر، اور دیگر ساحلی شہروں کو زیر نگیں کر لیا۔ اور عربی امیروں نے گاڈفرے کو خراج دینا قبول کر کے عہد نامے لکھ دیئے۔ گاڈفری اب جافہ گیا تاکہ اسے مضبوط قلعہ بنا دے اور وہ بندرگاہ ہمیشہ کے لئے خطرے سے خالی ہو۔ ٹنکرڈ نے وہاں سے اسے اپنی مدد کے لئے بلایا۔ کیونکہ ٹرنکرڈ جبیل طبریہ میں اپنی فتوحات کو بڑھا رہا تھا۔ وہاں کی مُہم ختم کر کے گاڈفری جافہ کی طرف پھر لوٹا۔ راستہ میں قاریہ کے مقامی امیر نے

اُسے کچھ پھل بھیجا جو زہر آلودہ تھا۔ اُسے کھاتے ہی گاڈفری بیمار ہو گیا۔ اور آخر کار ۱۸ جولائی ۱۱۰۰ء میں مر گیا۔

جافہ صلیبی حکومت کے لیئے اہم مقام تھا۔ کیونکہ وُہی ایک ایسی بندرگاہ تھی۔ جہاں صلیبی لشکریوں کے لئے مغرب سے کمک پہنچ سکتی تھی۔ دُوسرے یہ وُہ مقام تھا۔ جہاں اشیائے خوردنی کی بہت منڈی تھی۔ جہاں یُونانی اور یہودی تاجر ہر قسم کا سامان لاتے تھے۔ لہٰذا اس صُورت میں کہ عرب امیر صلیبیوں کے خلاف ہو جائیں۔ اور سامان رسد نہ دیں۔ تو یہ منڈی بہت حد تک اس ضرورت کو پُورا کر سکتی تھی۔ اب یہ حالات تھے کہ بیت المقدس کا بیرن تو مر گیا۔ اور اب فلسطین میں ریمانڈ، بوہیمانڈ، ٹنکرڈ اور بالڈون رہ گئے۔ باقی سب وطن کو لَوٹ گئے تھے۔ مگر یہ بھی کسی نہ کسی حادثے میں گرفتار ہو کر جلد مر گئے۔ گاڈفری کے متعلق بہت سے افسانے گھڑے گئے۔ اور اُس کے تقدس کو آسمان تک پہنچا دیا گیا۔ رابرٹ آف نارمنڈی اگر پہلے پہنچ جاتا۔ تو ممکن تھا کہ اپنے بڑے بھائی ولیم فاتح کی جگہ انگلستان کا بادشاہ بن جاتا۔ وطن پہنچ کر اس نے تخت حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے۔ مگر شکست فاش کھا کر قید ہوا۔ اور قید ہی میں مر گیا۔ اس کے ایک حرامی لڑکے ولیم نے جو فلسطین میں پیدا ہوا تھا اور وہیں رہ گیا تھا۔ بالڈون اوّل کے لقب سے بادشاہ ہوا۔ اور بہت کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ بوہیمانڈ کو ملیتنی کے حاکم جرنیل نے اپنی مدد کے لئے بُلا بھیجا۔ کیونکہ اُس پر الجزائر کے علاقے کا ایک امیر محمد بن دانشمند

چڑھائی کرنے والا تھا۔ بوہیمانڈ نے اس درخواست کو قبول کر لیا۔ اور فوراً چل نکلا۔ دوران جنگ میں محمد بن دانشمند نے کمین گاہ میں چھپ کر ایسا حملہ کیا۔ کہ اُس کی تاب نہ لا کر بوہیمانڈ کے سب نائٹ مارے گئے۔ اور بوہیمانڈ اور اُس کا بھتیجا دونوں گرفتار ہو گئے۔ اور دشمنوں نے ان کو جیل میں ڈال دیا۔

نتائج و عواقب

(۱) گاڈفری کو محض اس واسطے بیت المقدس کا بیرن چُنا گیا۔ کیونکہ شمالی اور جنوبی فرانسیسوں میں بہت رشک و عناد تھا۔ نارمن جرمن تعداد کے لحاظ سے کافی نہ تھے۔ مگر گاڈفری چونکہ سرحد کا باشندہ تھا۔ لہذا اُسے یہ برتری حاصل تھی۔ کہ وہ جرمن اور فرانسیسی یعنی دونوں زبانیں بول سکتا تھا۔

۲۔ غیر مسلم اُمراء کے دلوں میں حسد، لالچ اور رشک حد درجہ کو تھا۔ اس لئے وُہ اپنی فتوحات کو بڑھا نہ سکے۔ ورنہ اسلامی حکومتوں کی اندرونی حالت نہایت خراب تھی۔ مُسلم امرا آپس میں برسرِ پیکار رہتے۔ اس لئے کسی بھی بیرونی حکومت کے ہاتھوں ان کا شکار ہو جانا آسان تھا۔

۳۔ یہ مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی۔ کہ صلیبی لشکریوں کے ساتھ جو اچھے پادری تھے۔ ان کو پیشوائی کا موقع نہ ملا۔ اور فسادی اور بدکار پادری سب سے بڑا بشپ بن گیا۔ اس طرح سے صلیبی فوجیوں کی اخلاقی کمزوریاں بڑھتی چلی گئیں۔ حتیٰ کہ کئی ایک اُمراء (کاؤنٹ) کے حرامی بچے مختلف مقامات میں رہ گئے۔ جن کی وجہ سے انتشار اور

بھی بڑھ گیا۔

۴ - دفاعی نظریہ کے لحاظ سے مصری لشکر کی تباہی یہ بتاتی ہے۔ کہ جو امیر لشکر نجومیوں یا خوش اعتقادیوں کا شکار ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اپنے لئے ذلت کی موت خریدتا ہے۔ بلکہ اپنے لشکر اور ملک کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔

۵ - صلیبی لشکر کی حالت عناد، جھگڑوں اور رسد کی کمی کے باعث بہت پتلی تھی۔ اگر مصری فوج جو کہ کثیر تعداد میں تھی۔ اس وقت جم کر مقابلہ کرتی تو صلیبیوں کے لئے فلسطین میں ٹھہرنا ناممکن ہو جاتا۔

۶ - ایک عمدہ سبق ہم کو ملتینی کی جنگ میں ملتا ہے۔ حد سے زیادہ خوش اعتمادی بھی شکست کا باعث بن جاتی ہے۔ اس جنگ میں یہ بوہیمانڈ کی خوش اعتقادی ہی ہے۔ کہ اُس نے کُوچ کے وقت لشکر کی حفاظت کا مکمل انتظام نہ کیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے۔ کہ صلیبی نائٹ گرمی کی شدت کے باعث اپنے زرہ بکتروں کو کندھوں پر ڈالے ہُوئے تھے۔ کہ دشمن ابھی دُور ہے۔ مگر دشمن کمین گاہ میں قریب ہی موجود تھا۔ ملیتنی کی لڑائی میں دانشمند امیر نے اچانک حملہ کر کے بوہیمانڈ کو گھیر لیا۔ اور اس طرح ثابت کر دیا۔ کہ اچانک حملہ اکثر فیصلہ کن نتائج حاصل کرتا ہے۔ بشرطیکہ حملہ دُور اندیشی، پختہ عزم اور فوجی اُصول کے تحت کیا جائے۔ بالفاظ دیگر دشمن پر اس وقت کاری وار کیا جائے۔ جب کہ وُہ غفلت کا شکار بنا ہوا ہو۔

12 اگست 1099 بروز جمعہ
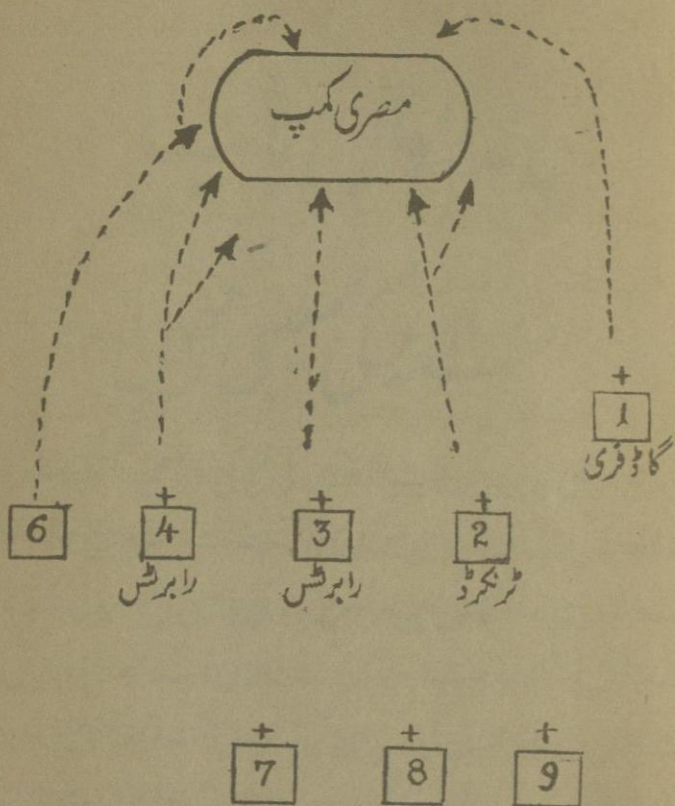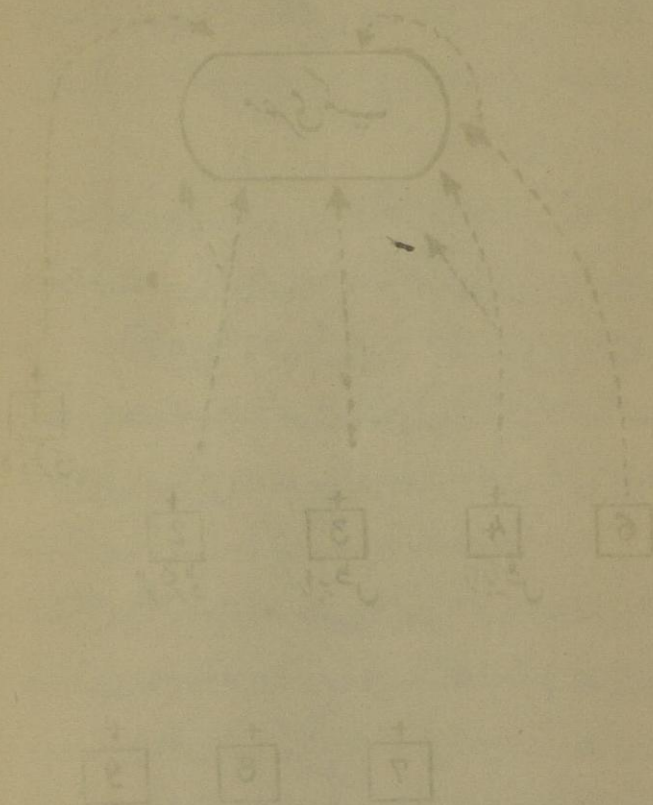
پندرہواں باب

۱۱۰۱ء کی صلیبی مہمیں

جونہی یورپ میں بیت المقدس کی فتح کی خبر پہنچی۔ گھر گھر شادیانے بجنے لگے۔ پوپ اربن تو اس خوشخبری کو سُننے سے پیشتر مر چکا تھا۔ مگر اُس کے ہمنواؤں نے گرجوں میں مرحوم پوپ کی پالیسی کی کامیابی کے لئے دُعائیں مانگیں۔ بیت المقدس سے واپس آنے والے پادریوں اور سرداروں نے مشرق کی سرزمین کی شان و شوکت کے متعلق بڑے مبالغہ آمیز قصے سُنائے۔ راہب پیٹر اور پوپ اربن کے حواریوں نے کرامات کے متعلق جنہوں نے صلیبیوں کو کامیابی بخشی تھی عجیب عجیب افسانے گھڑ گھڑ اور سُنا کر لوگوں کے دلوں میں بڑا جوش اور ولولہ بھر دیا۔ آنے والے سرداروں نے یہ بات واضح کی۔ کہ مشرق میں جوانمردوں اور نوآبادیاں قائم کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ تاکہ عیسائی مذہب کی بنیادوں کو مضبوط

کریں۔ وہاں بڑی بڑی جائیدادیں اور بے انتہا مال و دولت موجود ہے۔ جو قسمت آزما دلیروں کا منتظر ہے۔ ان لوگوں نے ایک نئی صلیبی جنگ کی ضرورت پر زور دیا۔ پوپ کے مبلّغوں نے اس منصوبے کی پوری حمایت اور تائید کی۔ پس یورپ کے لوگ لوٹ مار کرنے اور نئے علاقے فتح کرنے کی ہوس میں لاکھوں کی تعداد میں صلیبی مہم کے لئے تیار ہو گئے۔ سنہ ۱۱۰۱ء میں تین صلیبی مہمیں مشرق کی طرف روانہ ہوئیں۔

پہلی صلیبی مہم

ستمبر سنہ ۱۱۰۰ء میں لمبارڈی کے رہنے والوں کا ایک لشکر اٹلی سے مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ اس لشکر کے سردار ملان کا بڑا پادری اور بوئی کا انیسم تھے۔ ان کے ہمراہ بیان ڈاہٹ کا کاؤنٹ البرٹ پرما کا کاؤنٹ اور مانٹ بیلو کا کاؤنٹ ہیو بھی شامل تھے۔ لمبارڈی کے بہت سے لوگ پہلی صلیبی جنگ میں حصّہ لے چکے تھے۔ اور بہت سے لمبارڈی سپاہی بوہیمنڈ کے پاس ملازم تھے۔ یہ لشکر سلطنت ہنگری سے ہوتا ہوا بلگریڈ پہنچا۔ ایلکسیس شاہ بزنطین کی فوجوں نے ان کو بلقان کے پار رہنمائی کی۔ مگر ان لوگوں نے راستہ میں لوٹ مار شروع کر دی۔ اور گرجوں تک کو لوٹ لیا۔ آخرکار مارچ سنہ ۱۱۰۱ء میں بازنطینی فوجیں ان کو قسطنطنیہ لے آئیں۔ تاکہ وہ وہاں سے مشرق کی طرف روانہ ہوں۔ چونکہ انہوں نے سن لیا تھا۔ کہ دوسرا صلیبی لشکر یورپ سے آ رہا ہے۔ اس لئے وہ اُن کا انتظار کرنے لگے اور آگے جانے سے انکار کر دیا۔ اس پر شاہی فوجوں نے ان کی رسد بند کر دی۔ صلیبی

لشکر بگڑ گیا اور شہر پر حملہ کر دیا شاہ الکسیس کے ایک پالتو شیر کو مار ڈالا۔ بڑی مشکل سے ملان کے پادری نے انہیں اپنے خیموں میں جانے پر راضی کیا اور کاؤنٹ ریمانڈ نے جو اتفاق سے قسطنطنیہ آیا ہوا تھا کسی طرح ان لوگوں کو مشرق کی طرف کوچ کرنے پر رضامند کر لیا۔ اور یہ لشکر اپریل میں نکومیڈیا میں خیمہ زن ہوا۔ اور مغرب سے آنے والے نئے لشکر کا انتظار کرنے لگا۔ اسی اثنا میں نکوڈیا میں خیمہ زن ہوا۔ اور مغرب سے آنے والے نئے لشکر کا انتظار کرنے لگا۔ اسی اثنا میں اس مہم کی خبر سن کر بہت سے فرانسیسی نائٹ بھی اس میں شامل ہونے کے لئے روانہ ہو چکے تھے اور ایک فرانسیسی لشکر برگنڈی کا کاؤنٹ اسٹفن بر لائے کا ہیو وغیرہ کی سرکردگی میں قسطنطنیہ پہنچا۔ وہاں بلائے کا کاؤنٹ اسٹفن اور شاہ جرمنی ہنری چہارم کا خصوصی امیر کانریڈ بھی اُن سے مل گئے۔ جب ان لوگوں نے مشرق کی طرف جانے کے لئے ایک رہبر کی درخواست کی۔ تو قیصر نے ریمانڈ کا نام تجویز کیا۔ تمام صلیبیوں نے بخوشی ریمانڈ کو اپنا سالار چن لیا۔ اور یہ تمام قومیتوں کا لشکر مئی کے آخر نکوڈیا سے روانہ ہوا۔

یوں تو صلیبیوں کا مقصد بیت المقدس پہنچنا تھا۔ مگر دوسرا مقصد ایشیائے کوچک سے شام تک راستہ کو کھولنا بھی تھا۔ اور اس دوسرے مقصد کو پورا کرنا قیصر کے دلی منشا کے مطابق تھا۔ روانگی سے قبل بلائے کا اسٹفن اور لمبارڈی کے لشکر میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اسٹفن اور ریمانڈ قونیہ ہو کر بیت المقدس جانا چاہتے تھے۔ مگر بلانڈریٹ کا کاؤنٹ اور ملان کا پادری خراسان جانا چاہتے تھے۔ تاکہ بوہیمانڈ کو آزاد کرائیں جو کسر

کے قلعہ میں دانشمند امیر کی قید میں تھا۔ اسٹیفن اور ریمانڈ کی مخالفت بے سود ثابت ہوئی۔ غرضیکہ صلیبی لشکر نکومیڈیا سے مشرق کی سمت انقرہ روانہ ہوا۔ کچھ راستہ بغیر دشواری کے طے ہوا۔ انقرہ سلجوق سلطان قلیج ارسلان کے قبضے میں تھا۔ مگر چونکہ اس کی پوری طرح حفاظت کا انتظام نہ تھا۔ اس لئے صلیبیوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ انقرہ سے وہ نکسر کی طرف روانہ ہوئے۔ قلیج ارسلان نے اس عرصہ میں ان کی پیش قدمی کے راستہ کے علاقے تباہ کر دیئے تھے اور عیسائی لشکر کو کچھ کھانے کو نہ ملا۔ جب وہ گنگرہ پہنچے تو سلجوقی لشکر وہاں موجود تھا۔ اور صلیبی گنگرہ فتح نہ کر سکے۔ وہ لوگ وہاں سے آگے بڑھے اور وہ ریمانڈ کے مشورہ سے شمال میں کستمونی کی طرف بڑھے۔ یہ راستہ از حد خراب تھا۔ پانی نایاب تھا۔ ترکوں نے ساری فصلیں تباہ کر دی تھیں۔ سنوپ کے علاقہ میں ترکوں نے ہر طرف سے ان پر حملہ کر دیا۔ صرف ایک حملہ میں تقریباً سات سو لمبارڈی سپاہی مارے گئے۔ صلیبی گھبرا کر ترک علاقہ سے دانش منڈ کے علاقہ کی طرف چل دیئے۔ جب وہ مرسوان پہنچے۔ تو اُن کی ترک اور دانش منڈوں کی متحدہ فوج سے لڑائی ہوئی۔ ترکوں کے تیر اندازوں نے دشمن کی فوج میں تباہی مچادی اور صلیبی فوج سراسیگی کی حالت میں بھاگی۔ ترکوں نے اُن کا پیچھا کیا۔ صرف شہسوار بچ کر نکل سکے اور باقی ساری فوج یا تو موت کے گھاٹ اُتار دی گئی یا وہ قید ہو گئے۔ لمبارڈی کے سارے لوگ سوائے ان کے سرداروں کے مارے گئے۔ تقریباً پچاس ہزار عیسائی اس مہم میں مارے گئے۔ ریمانڈ اور اُس

کے چند ساتھی بمشکل تمام قسطنطنیہ پہنچے۔ صلیبیوں نے اس مہم کی ناکامی کی ذمہ داری ساری بازنطینوں پر ڈال دی۔ ان کا خیال تھا۔ کہ قیصر نے جان بوجھ کر ریمانڈ کے ذریعے سارے لشکر کو تباہ کرایا ہے۔ جب دونوں اسٹفن اور بشپ آف ملان قسطنطنیہ پہنچے۔ تو ریمانڈ وہاں پہلے سے موجود تھا۔ سب نے اُس کو بُرا بھلا کہا۔ اور اس مہم کی تباہی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ مگر قیصر نے اُس کی حمایت کی۔ اس طرح صلیبیوں اور بازنطینوں کے تعلقات خراب ہو گئے۔

دُوسری صلیبی مہم

ریمانڈ کی سرداری میں لمبارڈی کے صلیبیوں کے روانہ ہونے کے چند ہی دنوں بعد ایک اور فرانسیسی فوج ولیم کاؤنٹ آف نیور کی سرکردگی میں قسطنطنیہ پہنچی۔ قیصر نے اس فوج کی بڑی آؤ بھگت کی۔ یہ فوج فوراً نکومیڈ روانہ ہوئی۔ تاکہ لمبارڈی کی فوج سے مل جائے۔ مگر جب وہ نکومیڈیا پہنچے تو ریمانڈ فوج لے کر انقرہ جا چکا تھا۔ ولیم فوراً انقرہ پہنچا۔ مگر ریمانڈ وہاں سے آگے جا چکا تھا۔ اور اُس کا آگے پتہ معلوم نہ تھا۔ اس لئے ولیم واپس آگیا۔ اور قونیہ کی طرف روانہ ہوا۔ جہاں ایک سلجوقی حفاظتی دستہ موجود تھا۔ ولیم قونیہ کو فتح نہ کر سکا۔ اس لئے آگے بڑھا۔ قلیج ارسلان اور ملک غازی کو جونہی اس نئی فوج کی آمد کی اطلاع ملی وُہ فوراً ہرقلیہ پہنچ گئے۔ کیونکہ وہ اس وقت لمبارڈی کی فوج کو تباہ کر کے فارغ ہو چکے تھے۔

ترک ہرقلیہ میں ولیم آف نیور سے پہلے پہنچ گئے۔ جب صلیبی دیران

علاقے سے بھوکے پیاسے خستہ حال ہرقلیہ میں پہنچے۔ تو اُن کو ترکوں نے گھیر
لیا۔ ایک معمولی لڑائی کے بعد فرانسیسی شکست کھا گئے۔ اور سوائے کاؤنٹ
ولیم اور اُسکے چند جاںنثاروں کے تمام ساتھی مارے گئے۔ ولیم کئی دن مارا مارا پھرنے
کے بعد طرطوس پہنچا اور وہاں سے نہایت ہی پریشان حال انطاکیہ میں وارد ہوا۔

تیسری صلیبی مہم

کاؤنٹ آف نیور ایشیائے کوچک میں داخل
ہوا ہی تھا۔ کہ ایک اور بڑی فوج فرانسیسی اور جرمنوں
کی قسطنطنیہ پہنچی۔ فرانسیسی فوج کا سردار ولیم نہم ڈیوک آف اقیطین تھا۔ جو ریمانڈ
کا بڑا سیاسی حریف رہ چکا تھا۔ اس شخص کو مذہب سے برائے نام تعلق تھا۔
اس نے ریمانڈ کی غیر حاضری میں اُس کے بہت سے علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا۔
وہ مارچ میں فرانس سے روانہ ہوا تھا۔ راستے میں ولف ڈیوک آف بویریا
اس سے مل گیا۔ جس کے پاس بہت ہی عمدہ اور مسلح جرمنی فوج تھی۔ جرمن
فوج کے ہمراہ سالزبرگ کا بڑا پادری اور آسٹریا کی کاؤنٹس ایڈا بھی تھی۔ یہ
سب فوج ڈیڑھ لاکھ کے قریب تھی۔ بلقان میں انہوں نے بھی بدنظمی کا ثبوت
دیا۔ اس لئے بازنطینی محافظ دستے اُس کو قسطنطنیہ لے آئے۔ قیصر نے ولیم اور
ولف کو خوش آمدید کہا۔ اور ساری فوج کو آبنائے باسفورس کے اس پار
پہنچانے کا انتظام کر دیا۔ یہ لشکر کاؤنٹ آف نیور کے لشکر سے نہ ملا۔ قیصر نے
ان دونوں لشکروں کو متحد کرنے کا مشورہ بھی نہ دیا۔ کیونکہ قیصر اُن کے باہمی
نفاق سے خوش تھا۔ جب اُس نے ان کے لیڈر ڈیوک ولیم اور کاؤنٹ آف
نیور کے اختلاف کا حال سُنا۔ تو اُس نے اپنے درباریوں سے کہا۔ کہ اچھا ہے۔

کہ دونوں صلیبی لشکروں میں اختلاف ہے۔ ان لوگوں کو ترکوں اور عربوں سے لڑ کر مرنے دو۔ کیونکہ اس طرح سے ہماری حکومت کی بھلائی ہے۔ کیونکہ دونوں قومیں جب کمزور ہو جائیں گی۔ تو پھر ہم آسانی سے اُن کو اپنا غلام بنالیں گے۔ اس وقت ایک یورپی صلیبی کاؤنٹ ایکہارڈ موجود تھا۔ وہ یہ باتیں سن کر حیران ہو گیا۔ لہٰذا وہ پہلے صلیبی لشکریوں سے نہ ملا۔ اور سمندر کے راستے سے بیت المقدس چلا گیا۔

یہ لشکر قونیہ کی طرف بڑھا۔ نیواری لشکر کی طرح اس کو بھی سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ قونیہ کا ترک محافظ دستہ اس دفعہ شہر چھوڑ کر چلا گیا تھا اور سارے علاقے قونیہ کو تباہ کر گیا۔ جب یہ لشکر بہت مصائب کے بعد ستمبر میں ہرقلیہ پہنچا۔ تو سفر کی شدت اور بھوک و پیاس سے ان کا بُرا حال تھا۔ ہرقلیہ بھی قونیہ کی طرح ویران تھا۔ جب تمام فوج ایک چشمہ میں نہا رہی تھی۔ تو قلیچ ارسلان نے اُن پر اچانک حملہ کر دیا۔ اور ایک لاکھ ساٹھ ہزار صلیبیوں میں سے شاید چند نفر جان بچا کر بھاگ سکے۔ کاؤنٹ ولف بچ کر کئی ہفتہ کے بعد انطاکیہ پہنچا۔ جہاں وہ ٹنکرڈ کا مہمان ہوا۔ ڈیوک ولیم صرف ایک نائٹ کے ساتھ پہلے طرطوس اور پھر اس طرح مارچ ۱۱۰۲ء میں اس بڑے صلیبی لشکر میں سے صرف چند فرد جان بچا کر واپس لوٹے۔ ایڈا جو اپنے حسن کے لئے مشہور تھی۔ اور بہت سی عورتوں کے ساتھ ترکوں کے ہاتھ گرفتار ہوئیں۔ غالباً وہ کنیزیں اور لونڈیاں بنائی گئیں۔

صلیبی مہموں کی ناکامی کے اسباب

۱۔ اخلاقی انحطاط ہوسِ اقتدار نے کئی لاکھ نفر صلیبیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ نفاق کی وجہ سے یہ اپنے دشمنوں کا شکار ہوئے۔

۲۔ دفاعی نقائص ترکوں نے ایسا معلوم ہوتا ہے اپنی غلطی محسوس کر لی تھی۔ اب سلطان قلیج ارسلان بذاتِ خود میدانِ جنگ میں آ گیا اور اپنے لشکریوں کو دفاعی اُصولوں کے مطابق لڑایا۔ یعنی تُرکی دستے صبر سے اس وقت تک انتظار کرتے رہتے۔ جب تک علاقے کی فضائی حالت اُن کے موافق تھی۔ مثلاً صلیبی فوجی گرمی میں پیاس تھکان اور خوراک کی کمی سے کمزور اور پست حوصلہ ہو چکے تھے۔ ان کا لشکر بہت پھیل گیا تھا۔ لہٰذا ان پر حملہ کرنا آسان تھا۔ ترک تیز رفتاری کی وجہ سے اچانک کبھی ایک جگہ حملہ کرتے کبھی دُوسری جگہ۔ ان اچانک حملوں نے کروسیڈیوں کو اور بھی کم ہمت کر دیا۔ نتیجہ وُہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ یعنی ساری کی ساری فوج میدان جنگ میں کام آئی۔ ورنہ تعداد اور اسلحہ جنگ کے لحاظ سے یہ لشکر اُن صلیبی لشکروں سے بڑا تھا۔ جو کہ کامیابی سے بیت المقدس پہنچ گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان فوجوں میں نظم و ضبط اور اتحاد موجود نہ تھا۔

مغربی مؤرخین نے پہلے دستوں کی تاریخ مفصّل طور سے لکھی ہے۔ مگر

ان دستوں کے حالات پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی شکست کا اعتراف مشرقی لشکریوں کی فوقیت کو اُجاگر کرنا اور مغربی اقوام میں احساس کمتری پیدا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرق کے لوگ نسبتاً زیادہ جفاکش دلیر اور بے باک ہیں۔ اور جب ان کے سالار قابل ہوتے ہیں۔ تو دُنیا کی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مشرقی اقوام جب جذبہ جہاد سے سرشار ہوتی ہیں۔ تو فتح ہر جگہ ان کے قدم چومتی ہے

سولہواں باب

دوسرے صلیبی حملہ کا پسِ منظر

اس صلیبی حملے کی نوعیت سمجھنے سے قبل ہمیں دیار بکر شام اور فلسطین کے حالات کو سمجھنا ضروری ہے۔ کہ پہلے صلیبی حملے کے سو سال بعد مسلمانوں کی حالت کیا تھی۔

سلطان ترُدم ملک شاہ سلجوقی کے پوتے آپس میں لڑتے تھے۔ اس لئے حکومت کا انتظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے مختلف سردار خود مختار بن بیٹھے تھے۔ ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ اور مسلمانوں کی طاقت منتشر ہو چکی تھی۔ عیسائی صلیبی لشکر دیار بکر شام اور فلسطین اور مصر کی سرحدوں کے اندر پھیل گئے تھے۔ صلیبی لشکر لاتعداد تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ اب اسلامی حکومت ختم ہو جائے گی۔ اس وقت مذہب اسلام بہت خطرے میں تھا۔ صلیبی لشکر جہاں چاہتے اپنا جھنڈا لہراتے چلے جاتے

غارت گری کر کے اور ظلم و ستم ڈھا کر اپنے مستقر کو واپس لوٹ جاتے مسلمانوں کی عظمت کا ستارہ ڈوب رہا تھا۔ صلیبی لشکر مرد، عورت، بچے یا بوڑھے سب کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑتے۔ وہ قافلے جو الجزائر، نصیبین، راس عین، حصن کی طرف جاتے صلیبی اُن کو لوٹ لیتے۔ ان علاقوں کے باشندے صلیبی لشکریوں سے بے حد خوف زدہ تھے۔ کیونکہ جو قصبہ یا شہر صلیبی غارتگروں کے راستے میں پڑتا۔ اُسے یہ لوٹنے کے بعد جلا دیتے۔ تجارت ختم ہو چکی تھی۔ لوگوں میں مفلسی اور بدحالی نمایاں ہو چکی تھی۔ گو حلب، ایما، حمص اور دمشق کے شہر صلیبیوں کے قبضہ میں نہ تھے۔ مگر یہاں کے حاکم صلیبی حکمرانوں کو باقاعدہ سالانہ لگان دیتے تھے۔ تاکہ وہ امن سے رہیں۔ مگر ان شہروں کے نواحی علاقے آئے دن صلیبیوں کے مظالم کا شکار ہوتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ صلیبی سپاہی ان شہروں کے اندر گھس جاتے اور اگر کہیں کوئی عیسائی غلام دیکھتے تو اُسے رہا کر دیتے اور اُن کے مالکوں کو اس جرم کی پاداش میں قید کر کے اپنے ہمراہ لے جاتے یا اُسے وہیں قتل کر دیتے۔ اُس پر بھی ان حکمرانوں کی یہ ہمت نہ تھی۔ کہ وہ صلیبی لشکریوں کے خلاف اُنگلی اُٹھا سکیں۔

ان حالات میں ایک مسلم مجاہد کو اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو اس ذلت و رسوائی کی گہرائیوں سے نکالنے اور دوبارہ دنیا میں سربلند کر دینے کے لئے تائید غیبی کے طور پر بھیجا۔ اس شخص کا نام عماد الدین زنگی تھا۔

عماد الدین زنگی

عماد الدین زنگی ملک شاہ سلطان روم کے ایک سلجوقی غلام آق سنقر

کا بیٹا تھا۔ آق سنقر اپنی قابلیت، بہادری اور جاں نثاری کے باعث ملک شاہ کی زندگی ہی میں حلب کا نائب السلطنت بن گیا تھا۔ جب آق سنقر مرا تو اُس وقت عماد الدین کی عمر دس سال کی تھی۔ مگر نو عمری میں ہی عماد الدین زنگی نے بہت سی لڑائیوں میں حصہ لیا اور جوان ہو کر سلطان ملک شاہ کے بیٹے سلطان محمود کے معتمد ساتھیوں میں شمار ہونے لگا۔ سلطان محمود نے اسے کئی مشکل مہموں پر بھیجا اور وہ ہر بار کامیاب لوٹا۔

جب موصل کا والی مر گیا۔ تو سلطان محمود نے اسے وہاں کا والی مقرر کر دیا۔ لیکن محمود کی وفات کے بعد عماد الدین نے ایک ایسے فرمانروا کی حیثیت حاصل کر لی۔ جو مناصب قبول نہیں کرتا تھا بلکہ مناصب عطا کرتا تھا۔

عماد الدین زنگی بڑا وجیہہ اور طاقتور انسان تھا۔ اُس کی آنکھیں بڑی اور خوب صورت تھیں اور اس کا رنگ گندمی تھا۔ وہ غیر معمولی طور پر بہادر اور غیرت مند تھا۔ عوام اس کو عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس کے سپاہی اس کے جاں نثار تھے۔ اُس کی شخصیت بڑے رُعب داب کی حامل تھی۔ وہ کمزوروں کا حامی اور ظالموں کا دشمن تھا۔ اُس نے جس شہر یا علاقے کو فتح کیا۔ اُسے بارونق اور سرسبز بنا دیا۔ مثلاً موصل بالکل برباد ہو چکا تھا۔ مگر جب عماد الدین نے اُسے اپنا مستقر بنایا۔ تو اُسے پہلے سے بھی زیادہ شاندار بنا دیا۔ عماد الدین ابھی گیارہ برس کا بچہ تھا کہ سلطان نے صلیبی لشکر کے خلاف طبریہ کے نزدیک لڑائی لڑی۔ اس لڑائی کے دوران میں یہ نو عمر بچہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر دشمنوں کو کاٹتا ہوا طبریہ شہر کی فصیل

کے دروازے تک پہنچ گیا۔ اور اپنے بلم کو شہر کے دروازے پر غصے سے
اس لئے مارا کہ وہ اندر نہ جا سکا۔

نوعمر بچے کی حیرت انگیز جرأت اور بہادری نے دوست اور دشمن
دونوں کے دلوں پر بہت گہرا اثر کیا۔ عمادالدین نہایت قابل جرنیل،
دوربین سیاست دان اور بہت بے باک مرد میدان تھا۔ وہ بہت محنت
کش، صابر اور صالح انسان تھا۔ حکمران بننے پر عمادالدین کا پہلا کام یہ
تھا۔ کہ مسلم ممالک میں طوائف الملوکی کو ختم کرے اور موصل کو مستحکم بنا کر
اُس نے جزیرۂ ابن عمر، نیبس اور آخر کار سنجار کے علاقوں پر قابض ہونے کے
بعد حلب کی طرف توجہ کی۔ حلب ان ایام میں صلیبی حکمرانوں کا باجگزار
علاقہ تھا۔ عمادالدین زنگی نے حلب کو ۱۱۲۸ء میں فتح کیا۔ اور اُسی سال
اُس نے حمص کو بھی فتح کر لیا۔ اب اُس نے حلب کو اپنا مستقر بنا لیا۔ کیونکہ
یہاں سے تین فرسخ کے فاصلے پر فرنگیوں کا ایک نہایت زبردست قلعہ
حصن الاثارب تھا۔ جس کے متعلق عرب مورخین نے لکھا ہے۔ کہ اس قلعہ
کو تعمیر کر کے فرنگیوں نے مسلمان حکمرانوں کو گلے سے پکڑ لیا تھا۔ اس لئے مسلم
حکمران بے بس و معذور ہو گئے تھے۔ فرنگی بادشاہ بالڈون کو جب عمادالدین
کی فتوحات کی خبر ملی۔ تو اُس نے مجلس دفاع منعقد کی۔ بعض فرنگی مشیروں
نے زنگی کا مضحکہ اُڑایا اور کہا کہ اُس کی کامیابی مسلم حکمرانوں کے خلاف ہی
تو ہوئی ہے لہٰذا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر جب بحث طویل ہوئی تو
ایک نائٹ اُٹھا اور اُس نے یُوں کہا :۔ "کیا یہی بچہ نہ تھا جس نے طبریہ کی

لڑائی میں بڑے بڑے بہادروں کو قتل کیا اور پھر طبریہ کی فصیل تک بڑھتا ہوا چلا گیا اور غصہ سے اپنے بلم کو فصیل کے دروازے سے دے مارا۔ لہٰذا مناسب یہ ہے۔ کہ پیشتر اس کے کہ یہ نوجوان خطرناک حالات پیدا کر دے۔ اس کے لشکر کو جلد سے جلد منتشر اور تباہ کرنا لازمی ہے"۔ لہٰذا بالڈون نے حصن الاثارب کی کمک کے لئے بہت بڑا لشکر بھیج دیا۔ زنگی اپنی فوج لے کر حصن الاثارب کی طرف بڑھا۔ تو عیسائیوں کا لشکر قلعے سے باہر نکل کر اسلامی فوج سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔ مگر زنگی نے ایسی دفاعی چال چلی۔ کہ اس کی فوج کے کچھ حصے نے تو عیسائی فوج کا مقابلہ کیا۔ مگر زنگی باقی فوج لے کر آندھی کی سی تیزی سے ایک لمبا چکر کاٹ کر اس طرح سے گذرا۔ کہ اُس نے نہ صرف حصن الاثارب کا محاصرہ کر لیا۔ بلکہ قلعہ کی فوج کو بھی گھیرے میں لے لیا اور لڑائی شروع ہو گئی۔

واقعہ حصن اثارب

اسی اثنا میں اُسے خبر ملی کہ بالڈون کی فوج حصن اثارب (ATHAREB) کی مدد کے لئے آ رہی ہے اور اپنی آمد کو مشتہر کرنے کے لئے باجہ اور بگل بجاتی کوچ کر رہی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ بالڈون کی کمکی فوج کو یہ پتہ نہ تھا۔ کہ زنگی وہاں پر موجود ہے۔ بالڈون کی فوج کی آمد کی خبر نے زنگی فوج کو گھبراہٹ میں ڈال دیا۔ اور زنگی کے مشیروں نے اُسے لوٹ جانے کے لئے کہا مگر زنگی نے اپنی فوج کے ان دستوں کو جو کہ محاصرے میں کام کر رہے تھے وہیں چھوڑا اور خود ایک طوفان کی طرح بالڈون کی فوج کی طرف بڑھا اور اس پر اچانک

حملہ کر دیا۔ عیسائی لشکری بالکل بے خبر تھے لہٰذا بُری طرح سے قتل ہوئے۔ بالڈون کی کمک کو ختم کرنے کے بعد وہ عقب کی طرف سے حصن الاثارب کی فوج پر حملہ آور ہوا۔ اور اُسے بھی ختم کر دیا۔ بقول عرب مورخ الطو کے "مسلمانوں کی تلواریں جب عیسائیوں کو قتل کرتے کرتے ٹوٹ گئیں۔ تو انہوں نے عیسائی لشکریوں کو تلوار کی میانوں سے ختم کرنا شروع کر دیا" ابن خلدون نے لکھا ہے۔ کہ اس لڑائی کے ساٹھ سال بعد تک وہ میدان انسانی ہڈیوں تک اٹا پڑا تھا۔

یہ فتح بہت ہی نمایاں تھی۔ جس کی وجہ سے عیسائی حکمران بہت مرعوب ہو گئے۔ حصن اثارب کے بعد زنگی نے حارم فتح کیا۔ اور اس کے بعد وہ حلب کی طرف لوٹا اور دمشق کا محاصرہ کیا۔ مگر عیسائی حکمرانوں کی مدد کی وجہ سے وہ دمشق فتح نہ کر سکا۔ مگر زنگی نے ایک لشکر صلیبی حکومت کے قلب میں بھیج دیا۔ تاکہ وہ لاذقیہ اور شیراز کے گرد و نواح میں غارت گری کر کے وہاں کے صلیبی لشکریوں کو مرعوب کرے۔ یہ لشکر بہت کامیابی سے واپس آیا۔ زنگی بصرہ دین، المعرہ، کفر طالب فتح کر کے بعلبک پر حملہ آور ہوا تھا۔ کہ اُسے خبر ملی کہ قیصر روما اور جنوبی اٹلی کے رومن کاؤنٹ اپنے لشکروں سمیت شیراز کے قریب ساحل پر اُترے ہیں۔

زنگی اور قیصر روم زنگی قیصر کی فوج کی طرف بڑھا اُس نے شیراز کے قریب دریائے العاصی کے کنارے اپنا کیمپ لگایا۔ زنگی نے قیصر روما کو دعوت دی۔ کہ پہاڑی علاقے سے نکل کر میدان

میں آئے۔ قیصر سمجھتا تھا کہ اُس کا رسالہ اور پیادہ فوج میدان میں زنگی کے برق رفتار رسالے کا مقابلہ کامیابی سے نہ کر سکے گی۔ اس لیئے وہ پہاڑوں پر مورچہ لگائے کچھ عرصہ پڑا رہا۔ زنگی اپنے لشکر سے کئی دستے غارت گری کرنے کے لئے بھیجتا رہا۔ قیصر نے جب دیکھا۔ کہ اُس کی فوج بیدل ہو چکی ہے۔ تو بھاری سامان مثلاً بڑی بڑی منجنیقیں وغیرہ وہیں چھوڑ کر سمندری راستے سے قسطنطنیہ کو لوٹ گیا۔ اس کیمپ سے عماد الدین زنگی کو بے شمار قیمتی آلات حرب اور دوسرا سامان ہاتھ آیا۔

دیگر فتوحات اس کے بعد زنگی نے حمص اور بعلبک اور شام کے کئی قلعے اور شہر فتح کیئے۔ زنگی کی پیہم کامیابیوں نے اُمراء کو حاسد بنا دیا۔ اور اُنہوں نے سلطان مسعود کو زنگی کے خلاف اُکسایا چنانچہ سلطان مسعود بہ نفس نفیس موصل پر چڑھائی کرنے کے لیئے چل پڑا۔ مگر عماد الدین زنگی نے جب اُس کے شکوک رفع کر دیئے تو سلطان واپس چلا گیا۔

۵۳۶ھ اور ۱۱۴۳ء کو سلطان کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد عماد الدین زنگی شہر آمد میں آیا اور اُسے فتح کرنے کے بعد الرہا (اڈیسہ) کی طرف بڑھا۔ یہ قلعہ عیسائی حکومت کی حفاظت گاہ تھا۔ یہاں سے وہ بآسانی مسلمان فوجوں کی نقل و حرکت سے خبردار رہتے تھے۔

اڈیسہ کا حاکم جوسکلین (JOSCELIN) کاؤنٹ آف اڈیسہ تھا۔ یہ علاقہ بالڈون نے اسے ۱۱۱۸ء میں دیا تھا۔ یہ بہت دلیر مگر ظالم انسان تھا۔ اور رکا۔ امیدہ۔ منبج اور حلب کے اطراف تک غارت گری کرتا تھا۔

مگر زنگی کے حملے سے کچھ پہلے یہ کاؤنٹ مرچکا تھا۔ اب اس کی جگہ اس کا بیٹا جوسکیلین ثانی تھا۔ اُس نے جونہی زنگی کے حملے کی خبر سُنی۔ تو وہ اڈیسہ چھوڑ کر شہر تل البشر چلا گیا۔ یہ نوجوان حاکم عیاش اور آرام طلب تھا۔ زنگی نے اڈیسہ کا محاصرہ ۲۸ دن تک جاری رکھا۔ آخر کار محصورین نے ہتھیار ڈال دیئے۔ لین پول نے ایک عیسائی مورخ کے حوالے سے لکھا ہے۔ کہ زنگی نے شہر میں قتل عام کیا۔ مگر تمام مسلم مورخین نے اس کی تردید کی ہے۔ کہ زنگی نے کبھی شہریوں پر ظلم نہ کیا اس کی اور اس کے لشکریوں کی تلواریں میدان جنگ میں خونخوار ضرور تھیں۔ مگر عوام کو وہ اسلامی روایات کے بموجب امن دیتا۔ بلاد مفتوحہ کی رونق جلد از جلد دوبالا کر دیتا۔ زنگی کے لشکری بہت منظم تھے اور ان کے دلوں میں زنگی کے حکام کی بہت عزت تھی۔ اس لیے عماد الدین کے لشکریوں سے مظالم کا سرزد ہونا ناممکن تھا۔

زنگی کی رحمدلی

زنگی نے طرابلس کے مشہور قلعے اور مستقر مونٹ فرینڈس پر ۱۱۳۷ء ماہ جولائی میں چڑھائی کی۔ جہاں کے کاؤنٹ ریمنڈ اوّل نے اپنے چچا فلک سے مدد مانگی۔ فلک کو یہ خطرہ تھا۔ کہ قیصر روما جان کومینس اس کی غیر حاضری سے فائدہ اُٹھا کر کہیں اُس کے علاقہ پر چڑھائی نہ کر دے۔ پھر بھی وہ ریمنڈ اوّل کی مدد کو چل نکلا۔ دونوں عیسائی (صلیبی) لشکر زنگی کے مقابلے کے لئے نکل پڑے۔ زنگی نے جب یہ خبر سُنی تو اُس نے عیسائی لشکر کو بڑھنے دیا۔ اور جب یہ پہاڑی علاقے کے نشیب وفراز والی زمین میں پہنچ گیا۔ تو وہاں پر اُس نے نہایت برق رفتاری

سے حملہ کیا اور عیسائی لشکر کو شکست فاش دی۔ کاؤنٹ ریمنڈ تو زنگی کے
ہاتھ قید ہو گیا۔ مگر فلک جان بچا کر مونٹر فرینڈس کے قلعے میں محصور ہو گیا۔
اس شکست اور فلک کے محصور ہونے کی خبر جب انطاکیہ اور اڈیسہ پہنچی۔
تو دونوں طرف سے لشکر فلک کی مدد کے لئے چل پڑے۔ قبل اس کے یہ لشکر
وہاں پہنچتے۔ شہر کا بڑا پادری صلیب لے کر زنگی کے پاس امان کے لئے آیا۔
زنگی نے فلک کو اس شرط پر آزاد کیا۔ کہ وہ قلعے کو زنگی کے سپرد کر دے
اور اگر عیسائی حکمران اس علاقے سے دست بردار ہو جائیں۔ تو وہ کاؤنٹ
ریمنڈ اول کو بھی رہا کر دے گا۔ اسی اثنا میں انطاکیہ اور اڈیسہ کی فوجیں
بھی پہنچ گئیں۔ عیسائی حکمرانوں نے یہ شرط منظور کر لی۔ لہٰذا فلک اپنی فوج
لے کر چلا گیا۔ ریمنڈ رہا ہو گیا اور انطاکیہ اور اڈیسہ کی فوجیں بھی چلی گئیں۔
کیا یہ مثال بلا شک وشبہ ثابت نہیں کرتی کہ زنگی کو قتل سے نفرت تھی۔
اور وہ طبعاً صلح جو اور امن پسند تھا۔

عماد الدین زنگی کا قتل

۱۱۴۶ء میں زنگی کو اس کے غلاموں نے
قتل کر دیا۔ اور اس طرح ایک ایسے مجاہد
کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جس نے اسلامی ممالک کو سو سال کی غلامی سے
آزاد کرایا تھا اور ایک ایسے مجاہد کے خون سے ہاتھ رنگے جس کے نام سے
عیسائی حکمران کانپتے تھے اور اس کے ہاتھوں سے امان حاصل کرنے کی
غرض سے ان صلیبی حکمرانوں پوپ اعظم اور قیصر روما نے پھر سے صلیبی جنگ
کے لئے یورپ کو آمادہ کیا۔

جوسکین کی اڈیسہ کو فتح کرنے کی کوشش

عماد الدین کی وفات پر نومبر ۱۱۴۶ء میں

جوسکین نے آرمینہ والوں کی درخواست پر اڈیسہ (الرہا) پر شبخون مارا۔ شہر کا مسلم حفاظتی دستہ سو رہا تھا۔ کہ صلیبیوں نے ان پر قبضہ پا لیا۔ البتہ قلعے کے مسلم سپاہیوں نے قلعہ بند کر لیا اور محصور ہو گئے۔ اس خبر کے ملنے پر عماد الدین کا بیٹا نورالدین زنگی اڈیسہ کو دوبارہ فتح کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ اس خبر کے ملنے پر جوسکین نے واپس لوٹ جانے کی ٹھان لی۔ جب آرمینہ کے عیسائیوں کو جوسکین کے لوٹنے کی خبر ملی۔ تو وہ بھی اُس کے ساتھ ہو گئے۔ جیسے ہی یہ لوگ شہر سے نکلنے شروع ہوئے تو قلعے کے مسلم لشکر نے عقب سے اس عیسائی قافلے پر حملہ کر دیا۔ دُوسری جانب نُورالدین شہر کے باہر موجود تھا۔ اس لئے جوسکین کے بہت ہی کم لوگ جان بچا کر نکل سکے۔ جوسکین خود تو بچ گیا۔ مگر بالڈون آف مراشس وہیں مارا گیا۔ مگر ۱۱۴۹ء میں جوسکین ثانی کو والئی موصل نے گرفتار کر کے سلطان مسعود کے پاس بھیج دیا۔ سلطان نے جوسکین ثانی کے مظالم کی پاداش میں اُس کی آنکھیں نکلوا دیں اور قید کروا دیا اور وہ اسی قید میں مر گیا۔

۱۱۵۴ء میں نُورالدین زنگی نے دمشق کو فتح کر لیا۔

سُلطان نُورالدین زنگی

سلطان عماد الدین کی وفات پر اُس کی سلطنت دو حصوں میں تقسیم

ہو گئی۔ سیف الدین غازی بڑا لڑکا تھا۔ اُس کے حصّے میں موصل آیا۔ منجھلا نُور الدین محمُود تھا۔ اسے حلب کا علاقہ دیا گیا۔ دونوں بھائیوں کے تعلقات کشیدہ تھے۔ سیف الدین غازی دو برس بعد مر گیا۔ تو موصل کی حکمرانی ان کے سب سے چھوٹے بھائی قطب الدین کو ملی۔

سلطان نُور الدین زنگی نے اپنے باپ عماد الدین کا نام روشن کیا۔ اور یہی غازی مرد تھا جس نے عیسائی حکمرانوں کا یورپ کے دُوسرے صلیبی حملے کا کامیاب مقابلہ کیا اور یہی مرد مجاہد تھا۔ جس کے سایہ میں صلاح الدین ایوبی پل کر جوان ہوا۔ اور جس نے بیت المقدس پر دوبارہ اسلامی جھنڈا نصب کر کے عماد الدین زنگی مرحوم کی دیرینہ آرزوؤں کو پُورا کیا۔

نور الدین کی شجاعت

تمام موّرخین سلطان نُور الدین کی دلیری اور اولوالعزمی کے ثناخواں ہیں۔ اور اسے مسلمانوں میں سے بہترین شخصیت تصور کرتے ہیں۔ صلیبی عیسائیوں کا مشہور مورخ ولیم آف ٹابریوں لکھتا ہے۔ کہ گو نور الدین زنگی" عیسائیوں کا سخت اور خطرناک دُشمن تھا۔ مگر وُہ انصاف پسند دانش مند اور بلند ہمت تھا۔ اور اسلامی زاویۂ نگاہ سے وُہ بہت دیندار، متقی اور پرہیزگار تھا۔ ایک بار سلطان کی بیوی نے شکایت کی۔ کہ گھر میں کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اسے امیمہ کے شہر میں تین دکانوں کی آمدنی گھر کے اخراجات کے لئے دے دے۔ تو اس پر سلطان نے اپنی زوجہ سے کہا کہ اُس کے پاس کچھ نہیں ہے اور نہ ہی

اُسے بیت المال سے کچھ دینے کا اختیار حاصل ہے۔ کیونکہ سلطان تو خزانہ کا صرف پاسبان ہے۔ مالک نہیں ہے۔ ایک شخص نے سلطان سے اپنے بھائی کے زخمی ہونے کا قصہ بیان کیا۔ کہ عیسائیوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اُس کی آنکھ تیر لگنے سے چلی گئی۔ اس واقعے کے بیان کرنے والے کی غرض یہ تھی۔ کہ سلطان اُس کے ساتھ ہمدردی کرے۔ مگر سلطان نے اس کے جواب میں یُوں فرمایا "تمہیں کیا معلوم کہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے بھائی کے لئے کیا زبردست جزا دینی تجویز کی ہے۔ میری اپنی خواہش یہ ہے۔ کہ اگر جہاد میں میری دونوں آنکھیں بھی جاتی رہیں۔ تو مَیں اپنے تئیں خُوش نصیب سمجھوں گا۔

سلطان کے اخلاق و عادات

ایک دن اُس کے مشیر نے سلطان کو کہا۔ کہ وُہ میدان جنگ میں اپنی جان کو بہت خطروں میں ڈال دیتا ہے۔ خدانخواستہ اگر سلطان کی جان کو کچھ آنچ آگئی تو اسلام کی نگرانی کون کرے گا۔ سلطان نے اس کے جواب میں کہا۔ "محمد (سلطان) کی ہستی ہی کیا ہے جسے تم اس قدر مبالغہ سے بیان کر رہے ہو۔ اسلام کی حفاظت کے لئے محمدؐ سے کہیں بہتر مجاہد اس دُنیا میں زندہ ہیں۔ کیونکہ اسلام کا محافظ خُود پروردگار دو عالم ہے"۔

مورخین کے قلم سے نکلے ہوئے یہ واقعات اس بات کی زندہ شہادت ہیں۔ کہ اسلام دشمنی کے علی الرغم عیسائی مورخین سلطان کے اخلاق جلیلہ اور اس کی کوہ وقار شخصیت کے معترف ہیں۔ نورالدین خُوراک، لباس اور

طرز زندگی میں اسلامی طریقہ کا عادی تھا۔ وہ پابند صوم و صلوٰۃ تھا۔ شراب نہ پیتا تھا اور دوسرے کو بھی پرہیز کرنے کی ہدایت کرتا تھا۔ راگ رنگ سے اُسے دلچسپی نہ تھی۔ ہاں دل بہلانے کے لئے اُس کا ایک مشغلہ ضرور تھا۔ اور وُہ پولو کھیلتا تھا۔ کسی نے اُس سے کہا۔ کہ وہ بے فائدہ اپنی جان کو خطرے میں بھی ڈالتا ہے اور تھکاتا بھی ہے۔ اس کا جواب سلطان نے یُوں دیا۔ کہ مَیں محض دل بہلانے کے لئے پولو نہیں کھیلتا ہُوں۔ بلکہ اس ورزش سے میرا جسم، میری آنکھ اور میرا دماغ سب مل کر کام کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اور مَیں جفاکشی کا عادی رہتا ہوں۔ کیونکہ مجاہد کے لئے لازمی ہے۔ کہ وہ ہر وقت محنت کش اور صبر آزما مشاغل میں منہمک رہے۔

نُورالدین کے دربار میں سوائے صلاح الدین کے باپ ایوب کے کسی دُوسرے امیر کو بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ بلا اجازت یا بلا ضرورت اپنی زبان کھولے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ کہ اُس کے دربار میں ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ مشیروں نے گفتگو کے لئے زبان کھولی ہو۔ یا ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے بات چیت کی ہو۔ نورالدین نے مسجدیں بنوائیں جو کہ یونیورسٹی اور مکتب بھی تھے۔ ہسپتال بنوائے جہاں علاج اور دوائیاں مفت ملتی تھیں ۔

سترہواں باب

دُوسری صلیبی جنگ

اڈیسہ پر مسلمانوں کے قبضہ سے تمام یورپ میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اور ایک نئی صلیبی مہم بھیجنے کی تیاری شروع ہو گئی۔ دُوسرے صلیبی حملہ کے وقت مشرق کی عیسائی حکومتوں کا حال کافی خراب تھا اور وہ بدنظمی اور حکمرانوں کی حرص و ہوس کے باعث تنزّل کی طرف جا رہی تھیں۔ ٹی۔ آر چر لکھتا ہے کہ ... بالڈون روپے کی ضرورت کی بنا پر اکثر غارت گری اور لُوٹ مار کے لئے اطراف میں جاتا تھا۔ ۱۱۰۸ء میں اُس نے ولیم (حرامی) کی مدد سے بہت سا مال حاصل کیا۔ شہر ٹائیر کے باشندے بالڈون کی پناہ میں تھے۔ کیونکہ دمشق کا حکمران عیسائیوں کا باجگزار تھا۔ شہر ٹائیر کے لوگ مالگزاری کا روپیہ ٹائیر سے دمشق لے جا رہے تھے بالڈون کے ایما پر ولیم ان کا محافظ مقرر ہوا اور راستے ہی میں اُن کو لُوٹ لیا جب

روپیہ کی کمی اس قسم کی وارداتوں سے پوری نہ ہوئی۔ تو اُس نے ۱۱۱۳ء
میں کاؤنٹ راجر آف صقلیہ کی امیر بیوہ سے شادی کر لی۔ جو بے شمار زرو
جواہرات سے بھرے ہوئے جہاز ہمراہ لائی۔ مگر تین سال کے قلیل عرصہ میں
وہ بالڈون کی بُری عادات اور عیاشی سے بد دل ہو کر اپنے وطن کو چلی گئی۔
مگر بالڈون دلیر، بیباک اور قابل لڑاکا جرنیل تھا۔ اس میں عیاری کمال
درجہ کی تھی۔ اُس کا قول جو کہ ہر صلیبی حکمران کے نوک زبان رہا یہ تھا۔ کہ
عہد کی پابندی صرف عیسائیوں کے درمیان فرض ہے۔ بے دینوں
(مسلمانوں) کے ساتھ عہد و پیمان اور قول و قرار محض وقتی ہوتے ہیں۔
اور اُن پر پابند رہنا عیسائیوں کے لئے ہرگز ہرگز لازمی نہیں ہے۔

حملے کے لئے مناسب انتظامات

اڈیسہ (الرہا) کے مشہور قلعے چلے جانے سے صلیبی
حکمرانوں اور قیصر رُوما کو سخت خطرہ پیدا ہو گیا۔ آرمینہ کے پادری ان خطرات
کو بیان کرنے کے لئے پوپ اعظم کے پاس گئے۔ پوپ اعظم نے فرانس کے
بادشاہ لوئی ہفتم اور یورپ کے دیگر اُمراء کو خطوط لکھے۔ کہ جو برکتیں اور ثواب
پوپ اعظم اربن دوئم نے صلیبی لشکریوں کو دینے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ ان صلیبی
لشکریوں کو بھی ملے گا جو مشرق کے عیسائی حکمرانوں کی مدد کو جائیں گے۔ تاکہ
مقدس مقامات محفوظ رہیں۔ پوپ اعظم نے کلیرو کے بشپ سینٹ برناڈ کو
دُوسری صلیبی جنگ کے لئے یورپ کے حکمرانوں کو تیار کرنے کے لئے مقرر
کیا۔ کیونکہ پوپ اعظم کے ایما سے وُہ کئی برس سے مشرقی سیاست کا گہرا مطالعہ

کرر ہا تھا اور وہاں کے حکمران اور نائٹ اس کے ساتھ خط و کتابت کرتے
رہتے تھے۔ برناڈ نے ان نائٹوں کے لئے نظم و نسق کے نئے قوانین مرتب
کئے تھے یا سابقہ قوانین میں ترمیم کی تھی۔ اس کے علاوہ مغربی بشپ اور
پادری برناڈ کے زیر اثر تھے۔ وہ اُسے بہت بڑا عالم فاضل اور نیک اور
خدا رسیدہ بشپ تسلیم کرتے تھے۔ برناڈ بہت ہی مؤثر مقرر تھا اور اُس
کی چرب زبانی عوام کے دلوں کو موہ لیتی تھی۔ اس نے معجزات کے متعلق
کئی نئے افسانے گھڑ لئے تھے۔ اس بات میں برناڈ کو راہب پیٹر پر بہت
فوقیت حاصل تھی کہ وہ مشہور فاضل زاہد اور نیک سیرت مشہور تھا۔
برناڈ نے سب سے پہلے فرانس کے بادشاہ لوئی ہفتم کو اپنا معاون بنانے
کی ٹھان لی۔ بادشاہ لوئی کی عمر چھبیس برس کی تھی۔ اس بادشاہ نے جب
وہ تھیوبالڈ آف شمپیس کے خلاف شہر وٹری (VITRY) میں لڑائی لڑی
تو اُس نے گرجا کو جلا کر راکھ کر دیا اور تیرہ سو افراد جو وہاں پناہ گیر تھے وہ
بھی جل گئے تھے۔ ۱۱۴۶ء میں مقام ویزلی (VEZELAY) کے قلعے کے
باہر میدان میں مجلس بلائی۔ کیونکہ قلعہ میں کافی جگہ نہ تھی اور وہاں پر ایک
بہت بڑا لکڑی کا مینار بنایا تھا۔ جس کے دریچے میں کھڑے ہو کر اُن سے
صلیبی جنگ کے لئے عوام کو اُکسایا۔ اس کی تقریر اس قدر مؤثر تھی کہ روتے
روتے لوگوں کی ہچکی بندھ گئی۔ خصوصاً جبکہ لوئی ہفتم نے اپنے گناہوں کی
تلافی کے لئے برناڈ کے ہاتھ سے صلیب لے کر قسم کھائی۔ اُس کے بعد بےشمار
عوام صلیب پر قسم کھانے کے لئے آگے بڑھے۔ فرانس میں جگہ جگہ برناڈ نے

معجزات کے افسانے بیان کر کے لوگوں کو متاثر کیا۔ اس کے حواریوں نے جو اس کے ہمراہ تھے۔ خود برناڈ کے متعلق کئی قصّے گھڑ لیئے۔ مثلاً فلاں جگہ پر سینٹ برناڈ نے ایک اندھے کو بینا کر دیا۔ کیونکہ وہ شخص صلیبی جنگ پر جانے کے لئے بیتاب تھا۔ مگر آنکھوں کی وجہ سے معذور تھا اور کسی جگہ صلیبی جنگوں پر جانے والے خواہش مند اپاہج برناڈ کی دعا سے بھلے چنگے ہو گئے۔

کانراڈ شاہ جرمنی کی صلیبی جنگ کیلئے آمادگی

فرانس کے دورہ کے بعد وہ جرمنی کے شہر سپیری (SPIRE) میں آیا۔ کیونکہ یہاں پر جرمنی کے بادشاہ کانراڈ نے اپنے وزراء کی مجلس بلائی ہوئی تھی۔ کانراڈ نے برناڈ کو یہ کہا کہ اسے صلیبی جنگ سے کوئی رغبت نہیں ہے۔ مگر برناڈ اس قدر جلد ہار ماننے والا کہاں تھا۔ اس نے کرسمس کے دن ایک پُر جوش وعظ دیا اور کانراڈ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اے شاہ! حشر کے دن جب حضرت عیسیٰ علیہ السّلام تم سے یہ سوال کریں گے کہ اے میرے بندے بتا کہ میں نے تجھ کو کس نعمت سے محروم کیا؟"

یہ سوال کرنے کے بعد برناڈ نے شاہ کانراڈ کی حشمت، دولت، بہادری وغیرہ کو بہت مبالغہ آمیز الفاظ میں بیان کیا۔ ان باتوں کا بادشاہ کے دل پر بہت گہرا اثر ہوا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آخر کار وہ کھڑا ہو گیا اور کہا جہاں خدا کا نبی اسے جانے کے لئے کہے گا وہ وہاں پر

جائے گا۔ ان الفاظ کے سنتے ہی عوام پکار اٹھے کہ خدا بڑا ہے نیا زہے
برناڈ جو موقع شناس تھا اس نے فوراً کانراڈ کو آگے بڑھنے کے لئے کہا
اور مقدس صلیب پر صلیبی جنگ کے لئے قسم لے لی اور گرجے کے منبر پہ سے
صلیبی جھنڈا اتار کر بادشاہ کانراڈ کے ہاتھ میں دے دیا۔
۱۱۴۷ء میں بادشاہ لوئی نے صقلیہ کے حکمران راجر سے پہلے
کہا کہ وہ سب مل کر خشکی کے راستے صلیبی جنگ کے لئے جائیں اور سب
لوگ میٹز (METZ) میں جمع ہوں۔ پوپ اعظم نے اپنے ہاتھ سے
سینٹ ڈمینس کا مقدس جھنڈا شاہ لوئی کے ہاتھ میں دیا۔ اس جھنڈے
کی برکت سے جہاں جہاں شاہ فرانس جاتے کامیاب ہوتے۔ اسی میٹز
کے مقام پر انگریز اور دوسرے نارمن اور پادری آرنلف آف سیز جمع
ہوئے۔ لوئی نے تمام صلیبی لشکریوں کے لئے قوانین مرتب کئے۔ مگر لوئی
کے مورخ اوڈو نے لکھا ہے "میں یہ قوانین نہیں لکھتا کیونکہ ان پر کسی
نے عمل نہ کیا"

صلیبی فوج کی روانگی

اپریل ۱۱۴۷ء میں راٹیٹبن (RATTSBON)
میں بے شمار صلیبی کانراڈ کے جھنڈے تلے
جمع ہوئے۔ فریڈرک ڈیوک آف صوابیہ بھی جو بعد ازاں جرمنی کا بادشاہ
بنا۔ ان صلیبی لشکروں کا انتظار نہ کیا اور یہ تقریباً ڈیڑھ لاکھ صلیبی لشکر بحر
تلاطم کی طرح ہر طرف موجیں مارنے لگا اور جہاں سے گذرا وہاں لوٹ مار اور
بربادی مچادی۔ یونانیوں نے جرمن صلیبیوں پر جب موقع ملا حملے کئے اور

ان کو قتل کیا۔ اڈریانوپل سے گذرنے کے بعد یہ صلیبی لشکر دریائے میلاس (MELAS) کے وسط میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا کہ اچانک طوفان آگیا اور دریا کی طغیانی میں بے شمار مرد اور عورتیں بچے مع سازو سامان کے بہہ گئے۔

قیصر مینول نے شاہ جرمنی سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور اُسے جلد سے جلد سمندر پار چلے جانے کا مشورہ دیا۔ مگر کانراڈ قسطنطنیہ کی سیر کرنے پر مصر تھا۔ آخر کار بہت بحث مباحثے کے بعد کانراڈ جانے پر راضی ہوگیا۔

جرمن لشکر کی تباہی

فرانسیسی اور یونانی مورخین نے بالاتفاق یہ لکھا ہے۔ کہ قیصر رُوما نے صلیبی لشکریوں کو جو آٹا دیا۔ اُس میں چونے کی ملاوٹ کردی تھی اور کھوٹے سکے اُن کے زر مبادلہ میں دیئے اور جو رہبر دیئے اُن کو سکھلا دیا۔ کہ ان لشکریوں کو ترکوں کے ہاتھوں پھنسا کر خود نکل آئیں۔ علاوہ ازیں اُن کا یہ قول ہے۔ قیصر روما نے ترکوں سے بارہ سال کے لئے امن قائم رکھنے کا خفیہ عہد نامہ کر لیا تھا۔ اس لئے ترکوں کو ان صلیبی لشکریوں کے خلاف اُبھارا۔ مگر یہ بیانات حقیقت پر مبنی نظر نہیں آتے۔ کیونکہ کسی عرب مورخ نے اس عہد نامے کا ذکر نہیں کیا۔ علاوہ ازیں ان ایام کی مسلسل لڑائیوں سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ کوئی عہد نامہ نہ تھا اور اگر ہوتا بھی تو عیسائیوں اور مسلمانوں میں عہد نامے کی پاسداری کا نظریہ جو عیسائی حکمران رکھتے تھے وہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس بیان کے یہ معنی ہو سکتے ہیں۔ کہ مغرب کے لوگ اپنی

شکست کو چھپانا چاہتے تھے۔ یا اس کی اہمیت کو امکانی حد تک گھٹانا چاہتے تھے۔ نیز یہ کہ قیصر روما مغرب کے صلیبی لشکروں کی کامیابی کا خواہشمند نہ تھا وہ محض صلیبیوں سے مسلمانوں کو لڑا کر مسلمانوں کی طاقت کو کم کرنا چاہتا تھا۔ یہ لشکر ترکوں کے ہاتھ سے تباہ ہو گیا۔ جو کبھی ایک جگہ اور کبھی دوسری جگہ اس لشکر کے حصوں پر حملہ کر کے قتل و غارت گری کرتے رہے اور ان جرمن صلیبیوں کو اس قدر پریشان کیا۔ کہ کانراڈ جو دو بار دشمن کے تیروں سے زخمی ہو چکا تھا۔ نکسیا کی طرف واپس لوٹا۔ مگر اس کے لشکر کے دس میں ۹ حصے مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہو چکے تھے۔

فرانسیسی لشکر کی پیشقدمی

بادشاہ لوئی کانراڈ کے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ فرانسیسی مورخین نے لکھا ہے کہ یورپ میں جرمنوں کی لوٹ مار اور بدامنی پھیلانے کے باعث فرانسیسوں کو بھی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ لوئی بھی قسطنطنیہ دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر قیصر روما نے انکار کر دیا۔ کیونکہ قیصر اور راجرس کے باہمی تعلقات بہت کشیدہ تھے۔ فرانس کے بادشاہ نے اپنے امرار کی مجلس شوریٰ بلوائی۔ لینگر بشپ نے جو اس صلیبی لشکر کے ہمراہ تھا۔ ان کو یہ مشورہ دیا کہ قسطنطنیہ کی دیواریں کمزور ہیں اور شہر کے عوام قیصر سے ناراض ہیں۔ علاوہ ازیں چونکہ قیصر خود کئی بار عیسائی حکمرانوں سے لڑائی لڑتا چلا آ رہا ہے۔ لہٰذا اس بدمزگی کو ہمیشہ کے لئے مٹانے کی خاطر اس شہر پر حملہ کرنا لازمی ہے۔ شاہ لوئی نے اس مشورے کو ٹھکرا دیا اور قیصر روما سے صلح کر لی اور قیصر نے شاہ لوئی کو قسطنطنیہ آنے کی

دعوت دی اور لوئی کے ہمراہ شہر کے گرجوں کی زیارت کے دوران میں رہا۔

لوئی کی قسطنطنیہ سے روانگی

جب لوئی کا لشکر باسفورس سے پار ہو گیا۔ تو قیصر نے یہ شرط عائد کی۔ کہ جب تک لوئی قیصر کی وفاداری کا حلف نہ اُٹھائے گا۔ قیصر اُس کے لئے رہبر مہیا نہ کرے گا۔ لوئی نے یہ شرط منظور کر لی اور اُس نے اور اُس کے تمام اُمراء نے قیصر رُوما کی اطاعت اور وفاداری کا حلف اُٹھایا۔ ریمنڈ بھی ان ایّام میں قسطنطنیہ میں موجود تھا۔ کیونکہ قیصر نے اُسے بُلا بھیجا تھا تاکہ اپنے حلف وفاداری کو پھر سے دُہرا لئے۔ جب اُس نے حلف کو دُہرا دیا تو اُسے شاہ لوئی کے ہمراہ بطور رہبر کے کر دیا۔ قیصر نے اور راہبر بھی دیئے۔ جب لوئی نقیہ پہنچا۔ تو وہاں شہنشاہ کانراڈ سے ملاقات ہوئی اور اُس کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا۔ دونوں بادشاہوں نے ایک دُوسرے کے مصائب کا حصہ دار بننے اور مدد کرنے کا عہد و پیمان کیا اور یہ لشکر ساحل کے ساتھ ساتھ چل کر جب شہر ایفینس میں پہنچا۔ تو اُن کو قیصر مینول کے بھیجے ہُوئے جاسُوسوں نے خبردار کیا۔ کہ ترک ان کا راستہ روکے ہوئے ہیں۔ اس خبر کے سُننے کے بعد کانراڈ تو موسم سرما قسطنطنیہ میں گذارنے کے لئے لوٹ گیا۔ مگر لوئی نے آگے بڑھنے کا تہیہ کر لیا اور برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں اور طغیانی والے دریاؤں کو عبور کرتے ہوئے لوڈیسیا کی طرف بڑھا اور اسے فتح کر لیا۔ لوڈیسیا سے روانہ ہوئے جب دو دن گذر چکے تو وہ بہت ہی دشوار گذار پہاڑی میں پھنس گئے۔ آسمان سے باتیں کرتی ہوئی گھاٹیاں اُن کے

لیئے سدِّ راہ تھیں اور ان کے دامن میں طغیانی سے بھرے ہوئے دریا تھے۔ کاؤنٹ جعفری اور کاؤنٹ ایمڈیس جو لشکر کے ہراول میں تھے۔ اُنہوں نے پہاڑی سے اُتر کر اُس کے دامن میں پڑاؤ ڈالا (کاؤنٹ جعفری شاہ لوئی کا بھتیجا تھا)

مسلم سپاہیوں کا کامیاب حملہ

نورالدین کے لشکری پہاڑیوں میں کمین گاہوں میں بیٹھے موقع کی تاک میں تھے۔ جیسے پڑاؤ کے لشکری آرام کرنے کی فکر میں ہوئے۔ ترکی تیراندازوں نے نہایت کارگر طریقے سے تیروں کی بارش کی اور باقی لوگوں نے جن میں کئی مقامی عیسائی بھی تھے پہاڑی سے پتھروں کی بوچھاڑ کی۔ پتھروں کے نیچے گرنے سے بہت آواز پیدا ہوئی اور تیروں کی بوچھاڑ سے لوگ پناہ لینے کے لئے بھاگے۔ اس شور و غل میں نائٹوں کے گھوڑے رسّے توڑ کر بھاگ نکلے۔ اس گھبراہٹ میں صلیبی لشکری کئی حصّوں میں بٹ گئے۔

اس لشکر کے ساتھ جو زائرین مرد و عورتیں تھیں اُن میں حدِ درجہ انتشار پیدا ہو گیا اور ان لوگوں کی چیخ و پکار اور بھاگنے کی وجہ سے صلیبی لشکریوں کو بہت دُشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یونانی عیسائیوں نے ترکی دستوں کی لُوٹ مار کے لالچ کے باعث بہت نمایاں مدد کی۔ جب یونانیوں نے صلیبی لشکریوں میں بھاگ دوڑ دیکھی۔ تو اُنہوں نے اور بھی مستعدی سے پتھر پھینکے اور درخت کاٹ کاٹ کر صلیبیوں کی طرف لڑھکا دیئے۔ اس طرح سے بے شمار صلیبی زخمی ہوئے اور مارے گئے۔ لوئی نے بہت

بہادری دکھلائی اور بار بار وُہ تُرکی حملہ آوروں سے دست بدست لڑائی کرتا رہا۔ تاکہ سب صلیبی دستوں کو یکجا کر سکے مگر کامیاب نہ ہوا۔ لوئی کے مورخ اوڈو نے اس ترکی حملے کو قیامت کا نظارہ بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ ہزارہا صلیبی قتل ہوئے۔ دُوسرے دن صبح ہوئی، مطلع صاف تھا اور دشمن جا چکا تھا۔ مگر صلیبی لشکر کا پڑاؤ قتل گاہ بنا ہوا تھا۔ تُرکی فوج کے ہاتھ بے شمار مال غنیمت آیا تھا۔ شاید ہی کوئی امیر ایسا تھا۔ جس کے پاس تھوڑا بہت سامان محفوظ رہا ورنہ سب کے سب اپنا سارا سامان لٹا چکے تھے۔

سب لوگ جعفری کی جان کو رو رہے تھے اور اگر وہ بادشاہ کا چچا نہ ہوتا۔ تو یقیناً لوگ اُسے قتل کر دیتے۔

ناکام صلیبی لشکر کی واپسی

لوئی نے اپنی باقیماندہ فوج کو پھر سے منظّم کیا۔ اور اودلیہ سے ہوتا ہوا انطاکیہ جانے کے لئے سمندر کی جانب روانہ ہوا اور یُونانی عیسائی حکمران سے یہ درخواست کی کہ زائرین کو طرطوس تک امان سے پہنچا دے۔ مغربی مورخین خصوصاً ٹی۔ آرجر نے اپنی کتاب کروسیڈز میں بہت غُصّے سے بیان کیا ہے۔ کہ اس عیسائی حکمران نے وعدہ خلافی کی اور بجائے کھانے پینے کے سامان دینے کے زائرین کے قافلے کو لُوٹنا شروع کر دیا۔ مگر اس موقعے پر تُرک مسلمان زائرین کی مدد کو آ گئے اور نہ صرف اُن کی حفاظت کی بلکہ اُن کو کھانے پینے کا سامان بہ افراط دیا۔ اس نیک سلوک کا بقول ٹی آرجر کے

یہ نتیجہ ہوا۔ کہ زائرین میں سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

مورخ اوڈورڈ لکھتا ہے "اسلامی رحمدلی اور حسن سلوک یونانیوں کی غداری سے کئی درجہ صلیبیوں کے لئے خطرناک ثابت ہوئی۔ کیونکہ صرف روٹی کے عوض یہ لوگ بے دین ہو گئے۔ اے خدا۔ تو جرمن کے شہنشاہ کو معاف کر۔ کیونکہ اسی کے مشورہ سے فرانسیسی قافلہ اس راستہ پر چلا۔ اور بے انتہا مصائب کا شکار ہوا۔ اے خدا تو یونانی عیسائیوں کو بھی معاف کر۔ جن کی غداری اور سفاک طریقہ جنگ (یعنی پتھروں کو پہاڑ سے لڑھکانا وغیرہ) سے اُن کے بے شمار ہم مذہب صلیبیوں کا خون ہوا اور وہ موت کا شکار ہوئے۔

ریمنڈ کا قتل

کاؤنٹ ریمنڈ قسطنطنیہ سے روانگی کے وقت لوئی سے یہ عذر کر کے انطاکیہ چلا گیا تھا کہ وہ وہاں اُن کی آمد کے لئے مناسب تیاری کرے گا اور سامان رسد جمع کرے گا۔ لہٰذا جب لوئی مع لشکر کے انطاکیہ پہنچا تو ریمنڈ نے جو رشتہ میں ملکہ فرانس کا چچا تھا۔ بادشاہ کی بہت آؤ بھگت کی۔ مارچ ۱۱۴۸ء کے آغاز میں لوئی انطاکیہ پہنچا تھا۔ ریمنڈ نے بادشاہ کی بہت خوشامد کی۔ کہ وہ حلب اور قیسار یہ کو فتح کر کے ریمنڈ کی مدد کرے۔ مگر لوئی اس لڑائی کے لئے رضامند نہ ہوا۔ کیونکہ وہ جلد سے جلد فلسطین جانا چاہتا تھا۔ تاکہ وہاں سے زیارت کے بعد اپنے وطن کو لوٹ جائے اور جہاں تک کہ جنگ کا سوال ہے۔ اُس نے اس ارادہ کو ترک کر دیا

تھا۔ شاہ کانراڈ بیت المقدس پہنچ چکا تھا اور بالڈون کا مہمان تھا۔ لوئی بھی وہاں جلد پہنچنا چاہتا تھا۔ لوئی ۱۱۴۹ء ایسٹر تک فلسطین میں رہا اور پھر فرانس کو لوٹ گیا۔

۱۱۴۹ء جون کے مہینے میں ریمنڈ عناب کے قلعہ کی مدد کے لئے گیا جو شہر حضرموت کے قریب تھا۔ کیونکہ نورالدین کے دستوں نے وہاں کے حکمران کو گھیر رکھا تھا اور اس نے ریمنڈ سے مدد طلب کی تھی۔ ریمنڈ نے وہاں ایک ایسی جھیل کے پاس پڑاؤ کیا جس کے چاروں طرف اونچے اونچے ٹیلے تھے۔

نورالدین زنگی اپنے دشمن کو غلط دفاعی اصول پر عمل کرنے کی سزا دیئے بغیر کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ زنگی کے دستوں نے رات کے وقت ریمنڈ کے لشکر کو گھیر لیا اور اس پر شبخون مارا۔ ریمنڈ مع اپنے ساتھیوں کے لڑتا ہوا مارا گیا۔ ریمنڈ ان صلیبی نائٹوں میں سے تھا جس سے مسلم لشکری خوف کھاتے تھے اور اس کے عمدہ اخلاق کی وجہ سے اس کی عزت کرتے تھے۔ شاہ لوئی ریمنڈ سے اس وجہ سے ناراض تھا۔ کہ اس کے دل میں یہ شک درجۂ یقین تک پہنچ گیا تھا۔ کہ اس کی ملکہ ایلنور کے ریمنڈ سے ناجائز تعلقات ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بہر حال اسی بنا پر شاہ فرانس نے ۱۱۵۱ء میں اپنی ملکہ کو طلاق دے دی۔

کانراڈ کا حملہ دمشق

کانراڈ بحری راستے سے عکہ کی بندرگاہ پہنچا تھا یہاں اسے کہا گیا کہ وہ دمشق کو فتح کر کے

مال و دولت سے جھولیاں بھر لے اور اس طرح سے اپنے نقصانات کی تلافی کرے۔

کانراڈ نے اُمرا کی مجلس طلب کی اور بہت غور کے بعد یہ طے ہوا کہ دمشق پر حملہ کیا جائے اور شام کا صلیبی لشکر کانراڈ کے صلیبی لشکر کے ساتھ شہر طبریہ میں جمع ہو جائے۔ شام کا صلیبی لشکر شاہ بالڈون کے تحت تھا۔ علاوہ ازیں چند ہزار فرانسیسی صلیبی لشکری بھی تھے۔ جو لوئی سے الگ ہو کر اس جنگ کے لئے رہ گئے تھے اور جرمن کے صلیبی لشکری شہنشاہ کانراڈ کے تحت تھے۔ ہراول میں شاہ بالڈون تھا۔ اس لشکر کی مجموعی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی۔ دمشق کے والی سیف الدین زنگی کے پاس مقابلے کے لئے کافی فوج نہ تھی اور نور الدین زنگی جو اس کا چھوٹا بھائی تھا۔ اس سے سیف الدین کے تعلقات اچھے نہ تھے۔ لیکن سیف الدین زنگی کی یہ خوش نصیبی تھی کہ اُس کے پاس نجم الدین ایوبی جیسا مشیر موجود تھا اور نجم الدین ایوبی اور اُس کے مشیر اعلیٰ معین الدین رزز (جسے مغربی مورخین نے اناز لکھا ہے) کے درمیان بہت خلوص اور دوستی تھی۔

دمشق کے شہر کی فصیل گو بہت چوڑی تھی۔ مگر مٹی کی بنی ہوئی تھی۔ اس لئے صلیبی لشکریوں کی منجیقوں کے سامنے زیادہ دیر پا ثابت نہ ہوئی جب عماد الدین زنگی نے دمشق پر قبضہ کیا تھا۔ تو اُس نے پھر سے آباد کیا۔ باغات لگائے اور ان باغات کے ارد گرد دیواریں بنوائیں۔ اب یہ باغات اور دیواریں بہت کارآمد ثابت ہوئیں۔ کیونکہ جب صلیبی لشکر

آگے بڑھا تو ترکی تیر اندازوں نے درختوں اور دیواروں کی گھاتوں سے سے صلیبی لشکریوں کا سخت مقابلہ کیا اور اُن کو بہت جانی نقصان پہنچایا۔

مغربی مورخین کا بیان

"جب کانراڈ نے دیکھا کہ ان کی پیشقدمی رُک گئی ہے۔ تو اس نے فوراً اپنے گھوڑے سے چھلانگ لگا دی اور پیدل ہو گیا اور اس طرح تمام نائٹ پیدل ہو کر باغات کی طرف چلے۔ چونکہ یہ نائٹ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق اور تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ لہٰذا صلیبیوں نے باغات سے ترکی لشکریوں کو نکال دیا اور اُس پر قابض ہو گئے۔ اس طرح ان کی ڈھالیں دُھوپ سے سایہ کا کام دیتیں اور وہ گنجان درختوں کی وجہ سے ترکی تیر اندازوں سے محفوظ ہو گئے اور کھانے کے لئے پھل اور سبزی بہ افراط صلیبیوں کو مل گئی۔

مسلمانوں کے لئے حالات بہت خطرناک صورت اختیار کر گئے۔ اب اب نجم الدین ایوبی نے یہ چال چلی۔ کہ شاہ بالڈون کے کان اپنے جاسوسوں سے یوں بھرے کہ اگر دمشق پر اس وقت قبضہ ہوا۔ تو اُسے کیا ملے گا۔ بلکہ خطرہ تو یہ ہے کہ کانراڈ کہیں فلسطین کی حکومت کا دعوے دار نہ بن جائے۔ خصوصاً جبکہ جرمنوں اور فرانسیسوں میں دوستی نہیں ہے۔

ادھر کانراڈ کو یہ سمجھایا۔ کہ صلیبی لشکری آپ پر اعتماد نہیں رکھتے اور آپ کو مصیبت میں مبتلا کر کے اس پر خوش ہوں گے۔ آپ کب تک ان باغات میں پڑے رہیں گے۔ مناسب ہوگا کہ آپ اپنے نائٹوں کو لے کر شہر

کے جنوب مغرب کی طرف پڑاؤ ڈالیں۔ جہاں آپ اپنے گھوڑے بھی دوڑا سکیں گے اور وہاں پر شہر کی فصیل بھی کمزور ہے۔

مسلم جاسوسوں کی کامیاب جنگی چال

بالڈون اور کانراڈ میں بگھتی نہ تھی۔ اب مسلم جاسوسوں نے اُسے اور بڑھا دیا اور آخر کار یہی فیصلہ ہوا۔ کہ کیمپ دمشق کے جنوب مغرب کی طرف لگایا جائے۔ جونہی عیسائیوں نے باغات خالی کئے۔ ترکوں نے ان پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اس وجہ سے اب مغربی صلیبیوں کو گرمی کی شدت، پھل اور سبزیات کی کمیابی کا احساس ہونے لگا اور سب سے بڑی مشکل یہ تھی۔ کہ دریا اس کیمپ سے چونکہ بہت دُور تھا۔ اس لئے انسانوں اور جانوروں کو پینے اور نہلانے کے پانی کی کمی نے بے حد پریشان کیا۔ علاوہ ازیں صلیبی اب دن رات ترکی تیر اندازوں کی زد میں تھے۔ ان کو کافی نقصان ہوا۔ نجم الدین ایوبی کے کہنے پر معین الدین نے خزانے کی تھیلیوں کے مُنہ کھول دیئے اور جو کام کہ تلوار سے نہ ہو سکا۔ اسے سونے کے سکوں سے حاصل کیا۔ نجم الدین نے کانراڈ کو یہ مشورہ دلوایا۔ کہ وہ شاہ بالڈون سے کہے کہ دمشق کی بجائے عسقلان کو فتح کیا جائے۔ اس خبر نے بالڈون کے کان کھڑے کر دیئے۔ کہ کانراڈ واقعی فلسطین پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا اُس نے کہا کہ موسم اور بھی خراب ہوتا جائے گا۔ لہٰذا فی الحال محاصرے کو اُٹھانا چاہیئے اور ساحل کی طرف واپس لوٹ جانا چاہیئے۔ کانراڈ پر قدرتی طور سے اس بات کا بڑا اثر ہوا اور بالڈون کا رہا سہا اعتماد اُس

کے دل میں سے جاتا رہا اور چونکہ بالڈون نے مغربی صلیبیوں کے کیمپ میں موسم گرما میں بے حد تکالیف برداشت کی تھیں اس لئے کانراڈ کے لشکریوں کو اپنے پہلے سفر کے مصائب یاد آ گئے۔ لہٰذا جب کانراڈ مع لشکر کے ساحل پر پہنچا۔ تو وہ سمندری راستے سے جرمنی کو لوٹ گیا۔"

اس طرح سے یہ کثیر التعداد صلیبی لشکر جب ناکام و نامراد واپس لوٹا تو اس کی تعداد چند ہزار نفوس رہ گئی تھی۔ بے حساب جانی اور مالی نقصانات نے یورپ میں تہلکہ مچا دیا۔ گو اوّل صلیبی جنگ میں بھی لاتعداد جانیں ضائع ہوئی تھیں۔ مگر پوپ اعظم کے حواریوں نے پہلے پانچ دستوں کی تباہی کو بہت خوبی سے چھپایا اور بیت المقدس کی فتح اور صلیبی لشکریوں کی لُوٹ مار کے افسانوں نے اس عظیم نقصان کو چھپا دیا۔ مگر دوسری صلیبی جنگ میں یورپ کی دو عظیم الشان سلطنتوں کے بادشاہ بے شمار لشکر اور بے حساب سامان اور اسلحہ جنگ کے ساتھ گئے تھے۔ لہٰذا اس ناکامی نے یورپ میں صف ماتم بچھا دی۔ یورپ کے لوگ برناڈ کو اس ذلت، نقصان اور بدنامی کا ذمہ دار ٹھہرانے لگے اور اُس کی اپنی ذاتی عزت و شُہرت خاک میں مل گئی۔ ... برناڈ نے اس دلدوز سانحہ کو اپنی سوانح عُمری میں یُوں بیان کیا ہے "ہم پر اللہ تعالےٰ کا عذاب نازل ہوا ہے۔ اس کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ کیونکہ ہم نے بے حساب گناہ کر کے اللہ تعالےٰ کے غضب کو للکارا ہے۔ ہم اس مہم کو کارِ خیر سمجھ کر ثواب کے خواہاں اور اُمیدوار تھے۔ مگر اپنے گناہوں کے باعث ہم عذاب میں گرفتار ہو گئے

ہیں۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انصاف کرتے وقت پھر بھی اپنے رحم سے ہمیں سرفراز فرمایا ہے۔ ہمارا مذہب مشرق کے صحراؤں میں بدنام ہوا ہے۔ ہمارے صلیبی لشکری کچھ تو تلوار کی نذر ہوئے اور بہت سے صحرا کی تپتی ہوئی ریت میں بھوک اور پیاس کی شدت کے باعث جانیں توڑ گئے۔ اللہ تعالےٰ کے فیصلے اٹل اور انصاف پر مبنی ہوتے ہیں۔ مجھے تو حیرت اس بات پر ہے۔ کہ اس قدر قعر مذلت میں گرنے کے باوجود ہم میں بہت سے باعزت اور صحیح سلامت واپس آگئے ہیں۔"

دوسری صلیبی جنگ سے مندرجہ ذیل اسباق و نتائج برآمد ہوئے:۔

دوسری صلیبی جنگ اخلاقی لحاظ سے

اخلاقی زاویۂ نظر سے دوسری صلیبی جنگ اپنے مقصد میں ناکام رہی کیونکہ اس صلیبی لشکر سے مشرقی صلیبی حکومتوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ بلکہ مشرقی اور مغربی صلیبی لشکریوں میں بے اعتمادی۔ حسد اور دشمنی کی بنیاد پڑ گئی جس نے آخر کار اس صلیبی جنگ کو نقصان پہنچایا۔ جس سے یورپ کی نظریں شرم سے زمین میں گڑ گئیں۔

۲ - یہ صلیبی جنگ مسلمانوں کے اقتدار کو کم نہ کر سکی، البتہ مسلم امراء میں یہ بیداری پیدا ہو گئی۔ کہ آنے والے خطرات کے لئے تیار ہونا لازمی ہے

جنگ ہذا دفاعی نقطہ نظر سے

دوسری صلیبی جنگ جن واقعات پر منتج ہوئی اس سے معلوم ہوا۔ کہ جنگ میں لاتعداد فوج چاہیئے۔ اس کے پاس بے شمار اور بہترین اسلحہ

جنگ ہوں۔ نیز یہ کہ اُس وقت تک اپنے سے کم تعداد کے دشمن پر بھی کامیابی ممکن نہیں۔ جب تک کہ :-

۱۔ اس کا سپہ سالار قابل، محنت کش، مستقل مزاج اور تجربہ کار نہ ہو۔

۲۔ فوج منظّم ہو۔ اس میں کامل اتحاد ہو اور اپنے سالار پر پُورا پُورا اعتماد ہو۔ فوج کے افراد محنت اور جفاکشی کے عادی ہوں۔ یا بالفاظِ دیگر مستقل مزاج سپہ سالار اور مختصر مگر منظّم محنت کی عادی اور دفاعی اُصولوں پر تربیت یافتہ فوج سے اپنے سے کئی گنا فوج کو شکست دی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ بڑی فوج کا سپہ سالار کاہل اور ناعاقبت اندیش ہو اور اُس کے بڑے لشکر کا اپنے سالار پر اعتماد نہ ہو۔

۳۔ مسلم سالاروں نے ہر بار مغربی فوجیوں کو جہاں چاہا وہاں لا کر لڑایا۔ ان پر غارت گری کی اور جم کر لڑے بغیر دوسری جگہ پھر نمودار ہو گئے۔

۴۔ کمین گاہ میں بیٹھی ہوئی فوج اُس وقت کامیاب ہوتی ہے۔ جب کہ اس کے مخالف کو ان کی موجودگی کا پتہ نہ ہو۔ اس حالت میں اس چھاپہ مار فوج کے لئے لازم ہے۔ کہ جیسے ہی اس کا مقصد حاصل ہو جائے اس جگہ سے چلی جائے۔ ترکوں نے کانراڈ اور لوئی کے فوجوں کے خلاف اسی دفاعی اُصول پر عمل کیا۔

۵۔ دشمن کے سالاروں اور لشکریوں میں انتشار، بداعتمادی پھیلانا بہت مفید ہوتا ہے۔ بسا اوقات ان تدابیر سے بلا خون بہائے، بہت اہم

نتائج حاصل ہیں۔ مثلاً دمشق میں نجم الدین ایوبی نے سیاسی اور دفاعی منصوبے نہایت قابلیت، دور اندیشی اور نہایت عزم و استقلال سے اختیار کیے اور دمشق کو دشمنوں سے بچا لیا۔

۶۔ مفصلہ بالا دفاعی نتائج سے یہ روشن ہو جاتا ہے۔ کہ ایام جنگ میں جاسوسوں، مخبروں وغیرہ سے کس قدر اہم کام لیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ لوگ تب ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔ جبکہ امن کے زمانے میں بھی ان کی تربیت جاری رکھی جائے۔

۷۔ لشکر کے ساتھ صرف اتنا ہی سامان ہونا چاہیئے۔ جس کی ازحد ضرورت ہو۔ کم از کم سامان کے ساتھ لشکر کو لمبے لمبے فاصلے طے کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے اور ہفتوں اور مہینوں تک ایسا سفر بآسانی جاری رکھا جا سکتا ہے۔ لشکر کے ساتھ صرف ہی لوگ ہوں جو لشکر کی نقل و حرکت میں سدِّراہ نہ ہوں مثلاً عورتوں اور بچوں کی رفاقت مفید کے بجائے مضر ثابت ہوتی ہے۔ لوئی کی فوج کا نقصان زیادہ تر زائرین کی وجہ سے ہوا۔ جو خوف و ہراس کے باعث بدحواس ہو گئے، نظم و نسق جاتا رہا۔ فوج نقل و حرکت کے قابل نہ رہی۔

جن اصحاب نے مصنف کی طرح فرانس ۱۹۴۰ء میں ڈنکرک یا پھر برما میں شکست کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں ان کو خوب معلوم ہوگا۔ کہ ایسے موقع پر سالار کو حوصلہ نہ ہارنا چاہیئے۔ بلکہ

اولوالعزمی اور بلند ہمتی کا ثبوت دینا چاہیئے۔ دشمن کے لشکر کو تباہ کرنے کا یہی واحد طریقہ ہے اور اس طریقہ سے وہ غیر فوجی لوگوں کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کر سکتا ہے۔

کسی ملک کی فوج کبھی اتنی کافی نہیں ہوتی۔ کہ ہر خطرناک مقام پر حاضر ہو کر دشمن کا مقابلہ کرے۔ اس لیئے عوام کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ خطرہ کے وقت ان کو اپنی حفاظت خود کرنی چاہیئے۔ تاکہ ان کا سپہ سالار آزادی سے اپنی فوج کو صحیح دفاعی اصولوں کے تحت لڑا سکے۔ اگر صلیبی سپاہی ایسا کرتے۔ تو غالباً تاریخ کے اوراق کچھ اور ہی کہانی بیان کرتے۔ ماسکو اور اسٹالنگراڈ کی دفاعی مثالیں ہر شہری کو غور و خوض سے پڑھنی چاہئیں

اٹھارہواں باب

تیسری صلیبی جنگ

یہ جنگ صلیبی جنگوں میں بہت ہی اہم اور فیصلہ کن تھی اور فوجی نظم و ضبط کے لحاظ سے از حد سبق آموز ہے۔ کیونکہ شاید ہی کوئی مغربی جرنیل ایسے حالات میں جن کا سامنا صلاح الدین ایوبیؒ کو کرنا پڑا کامیابی سے لڑائی لڑا ہوگا۔

ملک شاہ سلجوق کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سلجوقی شہزادے آپس میں بری طرح سے الجھ گئے۔ خلیفہ بغداد بے حد کمزور تھا۔ اس لئے ۱۰۹۸ء سے ۱۱۲۴ء کے عرصہ میں صلیبی حملہ آوروں کی نئی سلطنت بہت عروج حاصل کر چکی تھی۔ شام کے تمام ساحلی قلعے، شہر اور بندرگاہ اس صلیبی سلطنت یا اس کے نائٹوں کے ہاتھ میں تھے۔ مثلاً حصن المرتاب، طرطوس، حصن الاکراد، طرابلس، صور،

صیدا، بیروت، عکہ، قیساریہ، ارسوف، جافہ، عسقلان وغیرہ سب عیسائیوں کے اہم فوجی اڈے تھے۔ علاوہ ازیں سروج، تل، ناشر حمص، عین تاف، انطاکیہ، اثارب، المعرہ، اناسہ، لاذقیہ، عیلین، بلاطنشے، گاردے، مرایل، عزق، لد، رملہ، بحیرۂ مزدار کا عاقہ، طبریہ، کرک، شابک، الرہا ایسے قلعے تھے۔ جہاں صلیبی لشکر چھایا ہوا تھا اور ان چھاؤنیوں سے نکل کر عیسائی لشکر مسلمانوں پر حملے کرتے اور ظلم و غارت گری کے بعد اپنی چھاؤنیوں کو لوٹ جاتے، گو کہ عماد الدین اور نور الدین زنگی اور ملک شاہ سلجوقی نے عیسائی حکمرانوں پر کئی بار کارگر حملے کئے تھے اور اُن کو شکستیں دی تھیں۔ مگر اس کا نتیجہ صرف یہ نکلا تھا۔ کہ کچھ عرصہ کے لئے صلیبیوں کے حوصلے پست ہو گئے تھے۔ مگر نہ تو وہ پوری طرح مغلوب ہوئے تھے اور نہ ان کی فرعونیت میں کوئی فرق آیا تھا۔ ان شکستوں کے باعث صلیبیوں نے اپنے راہبوں اور پادریوں کی مدد سے پوپ اعظم کے جذبات کو پھر سے اُکسایا پہلے گریگوری ہشتم اور پھر پوپ کینسنٹ سوئم نے یورپ کے سلاطین اور امراء کو صلیبی جنگ کرنے کے لئے تیار کیا۔

مجاہد صلاح الدین ایوبیؒ

اسلامی خلافت کے اس انحطاط کے دور میں صلاح الدین ایوبیؒ موصل کا والی مقرر ہوا۔ صلاح الدین ایک وزیر کا بیٹا تھا اور رواج والیہ کے بموجب شاہی دربار میں پل کر جوان ہوا تھا۔ موصل کا والی

بننے کے بعد اُس نے بہت جلد اقتدار حاصل کر لیا اور آخر کار سب نے اُسے سلطان تسلیم کر لیا۔ صلاح الدین کے باپ کا نام نجم الدین ایوبی تھا۔ نجم الدین گو عالی نسب تھا مگر جوانی کے عالم میں اس کا گھرانہ امیر نہ تھا۔ مگر نجم الدین جلد ہی اپنی قابلیت سے سلطان نور الدین کا قابل اعتماد مشیر بن گیا۔

نجم الدین کا بھائی اسد الدین شیر کوہ بہت بہادر، قابل اور آزمودہ کار جرنیل تھا۔ جب صلاح الدین کی عمر تیرہ برس کی تھی۔ تو شیر کوہ نے اُسے شاہی دربار کی آرام طلب زندگی سے ہٹا کر اپنے ہمراہ میدان جنگ میں فن حرب کی تعلیم دینے کے لئے لے گیا۔ اس چھوٹی سی عمر میں ہی صلاح الدین نے اپنے چچا کو ثابت کر دیا۔ کہ وہ میدان جنگ میں ایک قابل ترین سالار بن سکتا ہے اور خاندانی شہامت، سپاہ گری اور عزم و استقلال اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ مصر میں اس نے صلیبی لشکر کو ایسی شکستیں دیں۔ کہ شیر کوہ پر اپنے بھتیجے کی صلاحیت منکشف ہو گئی۔ یہی نہیں بلکہ سیاسی چالوں میں بھی صلاح الدین نے بارہا مخالفین کو شکستیں دیں۔ لڑائی کے موقع پر وہ عموماً اہم کاموں کی نگرانی خود کرتا۔ دھوپ، آندھی، بارش، طوفان، ان سب کی سختیاں ہنسی خوشی برداشت کرتا۔ سخت سے کام میں وہ اپنے سپاہیوں کا ہاتھ خود بٹاتا۔ نازک سے نازک موقع پر بھی اُس کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہ آتی۔ اس میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی۔ کہ جو مختلف علاقوں، نسلوں، رنگوں اور عادات خصائل کے لشکری

اُس کے جھنڈے کے نیچے لڑائیاں لڑتے رہے۔ ان میں کوئی باہمی اختلاف پیدا نہ ہونے دیتا تھا اور نہ ہی کوئی جماعت دُوسرے سے بدظن ہونے پاتی تھی۔ مثلاً ترک، کرد، عراقی، مصری، بربری، شامی عرب، جزیرہ کے تاتاری سب کے سب یکجہتی سے اُس کے جھنڈے کے سایہ میں لڑتے رہے۔ یہ صلاح الدین کی ہوشمندی اور دانائی تھی۔ کہ اُس نے تھوڑے سے عرصے میں تمام مسلم حکمرانوں کے جھگڑے ختم کر کے ان سب کو جہاد کے لئے اپنا دلی ہمدرد اور جان نثار معاون بنا لیا۔ اُسے خُدا پر بھروسہ اور اعتماد تھا اور ہر ضرورت اور ہر مصیبت میں وُہ خُدا کی طرف رجوع کرتا تھا۔ اس میں عام بادشاہوں کی رعونت، بے اعتدالی اور بے رحمی نہ تھی۔ اُس نے حدیث دفاع کے اُصولوں پر سختی سے عمل کرتے ہوئے کبھی اپاہجوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر تلوار نہ چلائی۔ شکست خوردہ دشمن کے ساتھ فراخدلی کا برتاؤ کیا۔ وہ زاہد، عابد، متقی اور عالم دین ہے۔ اس کے اپنے ذاتی مصارف آنحضرت صلعم اور خلفائے راشدینؓ کی طرح برائے نام تھے۔ صلاح الدین کے وفات پر گو ایک زبردست سلطنت چھوڑی۔ مگر اُس کے اپنے گھر سے کچھ ذاتی اثاثہ یا دولت نہ نکلی۔ وہ صابر بھی تھا اور متواضع بھی، حتیٰ کہ اگر اُسے پتہ چل جائے کہ اُس کا دشمن بیمار ہے۔ تو اُس کی تیمارداری کرتا ہے۔ سلطان کی حیرت انگیز فتوحات و اقتدار کا راز یہ تھا کہ اُس کے اُمراء، باجگزار حکمران اور عوام اُس کو دل سے چاہتے تھے اور ان کو سلطان پر حد درجہ بھروسہ تھا۔

چونکہ صلاح الدین نے اوائل عمر سے صلیبی لشکروں کی سفاکی، ظلم و تشدد اور بے رحمی کا مشاہدہ کیا تھا اور صلیبی حکمرانوں کے بڑھتے ہوئے ہوس اقتدار کے خطرات کو خوب سمجھ لیا تھا۔ لہٰذا اُس نے اپنے لئے دفاعی منصوبہ تیار کر لیا تھا۔ جس کی رُو سے سب سے پہلے تو اس نے تمام اسلامی علاقے سے طوائف الملوکی کو دُور کیا۔ مگر اپنی فتحمندیوں کے ساتھ اپنے مفتوح مخالفین کے دلوں کو بھی تسخیر کر لیا۔ چنانچہ سلطان کی فیاضی کے باعث وہ اُس کے سچے معاون اور مددگار بن گئے۔ کیونکہ سلطان نے ان سب کے ساتھ فیاضی سے سلوک کیا۔

صلاح الدین کا اعلان جہاد

ملک کو منظم کرنے کے بعد سلطان نے جہاد کا اعلان کیا۔ یہ اُس کے دفاعی منصوبے کی دُوسری کڑی تھی اور وہ یکے بعد دیگرے اہم علاقے فتح کرتا گیا۔ یہاں سے فرصت پا کر اُس نے صلیبیوں کے ساحلی مستقر کی طرف توجّہ کی اور ممکن ہے کہ وہ اس کام کو تکمیل دے دیتا۔ مگر عین اُس وقت یورپ سے ایک سیلاب عظیم اُمنڈ کر مشرق کی طرف چل پڑا۔ تاکہ نہ صرف اسلامی حکومتوں کو بلکہ بقول مغربی مورخین کے اسلام کے نام کو بھی مٹا دے۔

سلطان نے جہاں کہیں عیسائی شہروں یا قلعوں کو فتح کیا۔ تو وہاں کی رعایا کو ان کی مرضی کے مطابق اُن کے مال و اسباب کے ساتھ اس شہر سے چلے جانے دیا۔ چونکہ بیت المقدّس کے تمام اُمرا، پادری اور عیسائی صدور یہیں جمع تھے۔ لہٰذا قریباً سب شہروں کے لوگ وہیں چلے گئے۔ لہٰذا

صور کے شہر میں ہر جگہ سے دولت سمٹ کر آ گئی تھی۔ مغربی اور عرب مورخین میں سے کثرت تعداد نے سلطان کی اس فیاضی کو کمزوری اور سیاسی غلطی سے تعبیر کیا ہے۔ ان کے خیال میں عیسائیوں کی بے شمار دولت جو انہوں نے گرجوں، کنیسوں یا گھروں میں جمع کی تھی۔ اسے لوٹ لینا چاہیئے تھا۔ تاکہ یہ بے شمار دولت سلطان کے خلاف استعمال نہ ہوتی۔ مگر سلطان جو جہاد کا عزم کر کے نکلا تھا۔ مال و زر کے حصول کو اپنی جدوجہد کا ما حصل کس طرح بنا سکتا تھا۔

چونکہ سسلی (صقلیہ) کے بادشاہ کا وہ بحری بیڑہ اور فوج جو وہ قسطنطنیہ کی فتح کے لئے تیار کر رہا تھا۔ اچانک انطاکیہ اور صور پہنچ گئی۔ لہذا سلطان نے انطاکیہ کا محاصرہ اٹھالیا اور وہ اپنے دفاعی منصوبے کی تیسری کڑی پر عمل کرنے کی تیاری میں مشغول ہو گیا۔ تاکہ وہ مقامی اثرات کا شکار بن کر اپنے مقصد کے حصول سے الگ نہ ہو جائے۔

یہ وہ فیصلہ تھا جس سے سلطان کی گرینڈ اسٹریٹجی (دفاعی سیاست) دور اندیشی، بلند نظری اور سیاسی قابلیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اگر سلطان انطاکیہ کی فتح کی فکر میں لگا رہتا۔ تو یورپ سے امنڈتے ہوئے طوفان کا مقابلہ کرنا ناممکن تھا۔ سلطان نے امور سلطنت اور سیاسی امور کی تعلیم تو اپنے قابل باپ سے حاصل کی اور اسٹریٹجی شیرکوہ جیسے قابل جرنیل سے سیکھی تھی۔
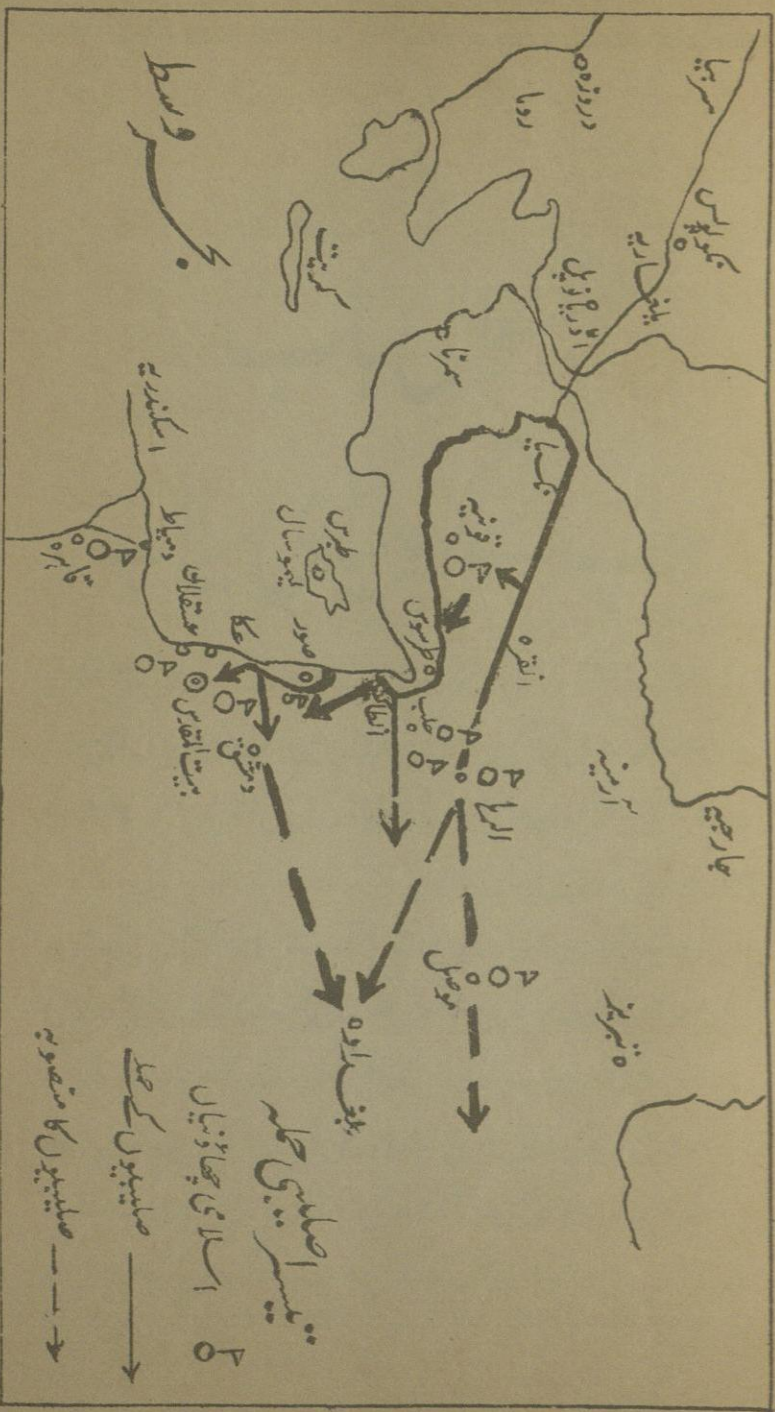
اُنیسواں باب

یورپ سے کروسیڈی سیلاب

۱۱۸۷ء اکتوبر کا مہینہ تھا۔ کہ یورپ میں بیت المقدّس پر مسلمانوں کے قبضہ ہونے کی خبر پہنچی۔ عوام کی نظروں میں اس نقصان کی اہمیت زیادہ نہ تھی۔ مگر پوپ اعظم اور تمام پادریوں کی نظر میں اس واقعہ کے مندرجہ ذیل دُوررس نتائج تھے:۔

۱۔ بیت المقدّس کا عیسائیوں کے ہاتھ سے چلا جانا محض مقدس مقامات کا چلا جانا ہی نہ تھا۔ بلکہ اس فتح نے مسلمانوں پر پادریوں اور سلاطین یورپ کے تمام راز افشا کردئے تھے۔ یہ رازان مراسلات اور کتابوں وغیرہ میں درج تھے اور جن کی مدد سے پوپ اور پادری تمام یورپ پر سیاسی اور اقتصادی اقتدار حاصل کئے ہوئے تھے۔

۲۔ زائرین میں شاید ہی بیس فیصدی اپنے اپنے گھروں کو بخیریت لوٹے

ہوں گے۔ اسّی فیصدی جو مر گئے تھے ان سب کی جائیدادیں اور مال و اسباب پادریوں کے ہاتھ آگیا۔ لہٰذا یورپ کے تمام گرجوں اور کنیسوں میں بے انتہا دولت جمع ہو گئی تھی۔ قدرتی امر ہے کہ اس مال و دولت کے چلے جانے کا پوپ اعظم سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے پادری یا راہب کو بھی سخت رنج تھا۔ لہٰذا وہ اس کو دوبارہ حاصل کرنے کی فکر میں لگ گئے۔

۳۔ پادریوں کے علاوہ یورپ کے بے شمار ایسے اُمرار (کاؤنٹ، نائٹ) وغیرہ تھے۔ جو کہ نواب بے ملک تھے۔ پادریوں کی مدد سے وہ نئی حکومتیں حاصل کر کے بہت امیر کبیر بن گئے تھے اور ان کی دولت مندی کا چرچا یورپ میں بھی ہونے لگا تھا۔ پوپ اور اُس کے معاونوں نے ان کی عظمت کو اس لئے بہت زیادہ شہرت دے دی تھی۔ کیونکہ وہ رُوم کے پوپ کے اقتدار کو تمام افریقہ اور ایشیا میں پھیلانا چاہتے تھے۔ پادریوں کے من گھڑت معجزات اور نائٹوں کی بہادریوں کے افسانوں نے صلیبیوں کو اوتار بنا دیا تھا۔ صلیبی تلوار نے اسلامی جھنڈوں کو کئی جگہ سرنگوں کر دیا تھا۔ لہٰذا پوپ تو حلب، دمشق، اسکندریہ اور وادیٔ نیل کو فتح کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ لہٰذا وہ بیت المقدس کی شکست پر خاموش نہ رہ سکتے تھے۔ فلسطین کی دوبارہ فتح کے علاوہ پادریوں نے دیگر ممالک کی فتوحات، تجارتی مراعات اور مال و دولت کے حصول کے لئے ایک زبردست ڈھونگ رچایا اور تمام پادریوں نے یورپ کے کونے

گونے میں یہ مشہور کر دیا۔ کہ پوپ اربن سوئم نے جیسے ہی صلاح الدین کی بیت المقدس کی فتح کی خبر سُنی تو وہ اس صدمہ سے جانبر نہ ہو سکا۔ اس موت کے متعلق مغرب کے مشہور مصنّف ٹی۔ آر جیہ یوں لکھتے ہیں:۔

"درحقیقت پوپ اس خبر کے ملنے سے پہلے ہی مر چکا تھا، البتہ پادریوں نے یہ مشہور کر دیا۔ کہ پوپ کو رُوحانی طاقت سے اس بُری خبر کی اطلاع مل چکی تھی۔ لہٰذا وہ جانبر نہ ہو سکا۔"

بہرحال پادریوں نے موت کے اس واقعہ سے پُورا پُورا فائدہ اُٹھایا اور اُنہوں نے عوام کے سامنے قسم کھائی۔ کہ جب تک صلیبی لشکر مسلمانوں سے انتقام لینے کی غرض سے نہیں روانہ ہو جائے گا۔ ان پر آرام و آسائش حرام ہے اور وہ یورپ کے کونہ کونہ میں جا کر عوام کو کروسیڈ پر جانے کی دعوت دینے لگے۔ کئی پادریوں نے تو اپنے عبا کے نیچے ٹاٹ کا پیرہن استعمال کرنا شروع کر دیا۔ تاکہ ان کے جسم کو ٹاٹ کی تکلیف سے اپنا عزم ہر وقت یاد رہے۔

گریگوری ہشتم کا منصوبہ

پوپ گریگوری نے صلیبی جنگ کے لئے مندرجہ ذیل تیاری شروع کی:۔

۱۔ اس نے صور کے آرچ بشپ کی وساطت سے شاہان انگلستان اور فرانس کے درمیان صلح کرا دی۔ اسی طرح سے کاؤنٹ ہیو اور کاؤنٹ فلانڈرس کے درمیان بھی صلح ہو گئی اور یہ سب کروسیڈ کیلئے تیار ہو گئے۔

۲۔ فرانس اور انگلستان کے بادشاہوں سے "صلاح الدین ٹیکس" رائج کرا دیا۔ یہ ٹیکس ہر کس و ناکس کو دینا لازمی تھا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ امراء سے زیادہ رقم وصول کی جاتی تھی اور غریبوں سے اُس کی آمدنی کا دسواں حصّہ لیا جاتا تھا گو وہ بہت حقیر رقم تھی۔

۳۔ انگلستان میں بشپ بالڈون آف کنٹربری اور فرانس میں بشپ بُربُر آف آرلینز کے ذمّہ کروسیڈ کی اشاعت کا کام سپرد کر دیا گیا۔ یہ دونوں بہت فاضل اور بہترین مقرر تھے۔ ان پادریوں کے حواریوں نے عجیب وغریب پیشینگوئیاں مشہور کر دیں۔ مثلاً شاہ رچرڈ مشرق میں ایک زبردست نئی سلطنت قائم کرے گا۔ فریڈرک بھی ایک عالیشان حکومت کا مالک بنے گا۔ ولیم آف سسلی قسطنطنیہ اور مشرقی علاقے کا بادشاہ بنے گا وغیرہ وغیرہ۔ ان پیشینگوئیوں اور معجزات سے اُمراء اور عوام میں فتوحات کی اُمنگ اور لوٹ مار کی حرص کو پیدا کرکے ان کو کروسیڈ پر جانے کے لئے رضامند کرنا تھا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ حکومت اور دولت کے ساتھ بہشت بریں میں ان کو جگہ ملنی یقینی ہے۔

پہلا صلیبی لشکر جرمنی کا شہنشاہ فریڈرک اپنی پہلی ناکامی کو نہ بھولا تھا۔ اُس نے اپنے ملک میں امن و امان قائم کر لیا تھا۔ لہٰذا وہ انتقام لینا چاہتا تھا۔ کروسیڈ کے اعلان نے اُس کے انتقامی جذبے کو پھر سے اُبھارا۔ گو اس وقت اُس کی عمر ستّر برس کی تھی۔ مگر اُس کا عزم

لازوال تھا اور یورپ کے نائٹ اُس کی تلوار سے ڈرتے تھے۔ انگلستان اور فرانس کے بادشاہوں نے گو صلیب پر قسم کھالی تھی۔ مگر ان کے دل باہمی طور سے صاف نہ تھے۔ ان دونوں بادشاہوں کی فوجیں کئی بار اپنے ساحل کی بندرگاہوں پر روانگی کے لیئے جمع ہوئیں۔ مگر ہر بار اُن کی روانگی ایک دُوسرے کے خلاف شکوک کی بنا پر رُک گئیں اور یہ سلسلہ تین برس تک جاری رہا۔

جیسے ہی فریڈرک نے قیصرِ رُوما سے راستے کے لیئے سامان رسد وغیرہ کا عہد نامہ کر لیا۔ وہ شہر رائجسن سے ۱۱ مئی ۱۱۸۹ء میں کروسیڈ کے لیئے چل نکلا ہنگری کا بادشاہ اپنے عہد و پیمان پر قائم رہا۔ لہٰذا اُس کا سفر آرام سے گذرا۔ مگر جیسے ہی اُس کا لشکر بلغاریہ کی سرزمین پر پہنچا۔ تو یُونانیوں نے حسب عادت ہر موقع پر وعدہ خلافی کی۔ مثلاً منڈیوں میں سامان ناکافی یا ردّی قسم کا مہیا کیا۔ یا جب موقع ملا تو بلغاریوں نے ان سپاہیوں کو جو کسی وجہ سے بڑے لشکر سے پیچھے رہ گئے تھے۔ یا علیحدہ ہو گئے تھے قتل کر دیا یا لُوٹ لیا۔

جب فریڈرک فلپپوپوس کے شہر میں پہنچا، تو اُسے معلوم ہوا کہ قیصرِ رُوما نے صلاح الدین سے صلح کر لی ہے اور جرمنی کے سفیروں کو قید کر لیا ہے۔ چونکہ قیصر کی یہ ناشائستہ حرکت تمام بین الاقوامی قوانین کے خلاف تھی۔ لہٰذا فریڈرک نے اپنے بیٹے ہنری کو لکھا کہ فوراً بحری بیڑہ تیار کر کے قسطنطنیہ کے قریب آجائے تا کہ اس شہر پر بری اور بحری دونوں طرف سے حملہ

کر کے قیصر کو مناسب سزا دی جائے۔

قیصر نے جیسے ہی یہ خبر سُنی تو اُس نے ڈر کر فوراً ہی جرمنی کے سفیروں کو چھوڑ دیا اور اپنی غلطی کی معافی مانگ لی۔ مغربی عیسائی مورّخین نے قیصر ایلکسس کی اس بے وقوفی کی وجہ یہ لکھی ہے کہ چونکہ اُس نے بھی معجزات اور پیشینگوئیاں سُنی تھیں۔ اس لئے اُس نے اپنی مملکت کی حفاظت کے لئے مناسب کارروائی ضروری سمجھی۔ لطف تو یہ ہے کہ مغربی مورّخین یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ قیصر کو خوب معلوم تھا کہ یہ پیشینگوئیاں الہامی نہیں ہیں بلکہ فریڈرک یا پوپ کے ایما پر ایجاد کی گئی ہیں۔ اس طرح سے پادریوں کا راز بہت سے مغربی مورّخین نے فاش کر دیا ہے۔

فریڈرک نے اپنے لشکر کے ساتھ موسم سرما ایڈریا نوپل میں گذارا اور مارچ ۱۱۹۰ئہ میں اُس نے باسفورس دُوسری بار عبور کر کے ایشیا کی سرزمین پر قدم رکھا اور پیش قدمی شروع کر دی۔ تُرکی دستوں نے جگہ جگہ کروسیڈروں پر بار بار حملے کئے۔ مگر جرمن لشکر جو قریباً دولاکھ کے قریب تھا۔ ترکوں کو مارتا ہوا قونیہ پہنچ گیا۔ موجودہ سلطان کا نام بھی قلیج ارسلاں تھا مگر یہ سلطان اپنے دادا کی طرح دل گُردے والا نہ تھا اور نہ ہی اُس کے پاس اتنی طاقت تھی کہ اُن کا مقابلہ کرتا۔ کیونکہ سلجوقی رُومی سلطنت کا بڑا حصہ زنگی خاندان کے قبضہ میں آچکا تھا۔

تُرکی سلطان نے فریڈرک سے صلح کر لی کہ وہ اپنے علاقے سے جرمن لشکر کے گذرنے میں مزاحم نہ ہوگا۔ اس صلح کی شرائط کی سلطان نے پابندی

کی اور راستہ میں جرمنی لشکر کے کروسیڈی سپاہیوں کو کافی سامان رسد دیا۔

جب فریڈرک سلیشیا (دیار بکر) کے علاقے میں داخل ہوا۔ تو آرمینہ کے عیسائی شہزادے لیو نے اس کی سرپرستی قبول کر کے فریڈرک کو ہر قسم کی مدد دینے کا وعدہ کیا۔

جُون کا مہینہ تھا اور وہ پتھریلے میدانی علاقے میں سفر کر رہا تھا۔ جہاں پر دن کے وقت سخت گرمی ہوتی ہے۔ فریڈرک دوپہر کے وقت دریائے سلیپاہ کے کنارے پر جب پہنچا۔ تو گرمی سے نجات پانے کی غرض سے دریا میں نہلانے کی غرض سے کُود گیا۔ وہاں بھنور میں پھنس کر ڈوب گیا اور اُس کی لاش کئی دنوں کی تلاش کے بعد ملی۔ اس لشکر نے اب راستہ بدل دیا ورنہ فریڈرک کا ارادہ اس دفعہ بھی دمشق فتح کرنے کا تھا۔ شہنشاہ کی لاش لشکری طرطوس لے گئے جہاں اُس کو دفن کیا اور اُس کی ہڈیاں انطاکیہ لے جا کر سینٹ پیٹر کے گرجے میں دفن کیں۔

مگر پادریوں نے یہ مشہور کر دیا۔ کہ فریڈرک بھی آرتھر اعظم کی طرح مرا نہیں ہے بلکہ اُس کی رُوح یسوع مسیح کے پاس کروسیڈ کرنے والوں کی فتح یابی کے لئے چلی گئی ہے۔ اس کی رُوح ہر موقعہ پر اپنے لشکریوں کی مدد پر آئے گی۔ اس بیان کی دلیل میں لشکر کے بڑے پادری نے یہ کہا۔ کہ جیسے ہی وہ دریا کے کنارے پر پہنچا تو اُس نے ایک چٹان پر یہ لکھا ہوا پڑھا کہ "اس مقام پر دُنیا کا بہت بڑا ایک انسان اپنے نبی کی راہ اختیار کرے گا"۔ لہٰذا یہ موت نہیں بلکہ شہنشاہ کو دائمی زندگی نصیب

ہوئی ہے تاکہ وہ اپنے ہمراہیوں کی پوری طرح خدمت کر سکے۔

بہرحال اس حیلے سے بھی جرمن لشکر کا شیرازہ قائم نہ رہ سکا اور وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک حصہ تو ڈیوک آف سوابیہ کے تحت انطاکیہ کے والی کی مدد کے لئے ٹھہر گیا۔ کیونکہ اسے صلاح الدین کی واپسی کا خطرہ تھا اور دوسرا حصہ طرابلس میں صور چلا گیا۔ جہاں کے عیسائی بھی صلاح الدین کے حملے کے ڈر سے سہمے ہوئے تھے۔ ہر عیسائی حکمران کو خطرہ تھا۔ کہ سلطان کہیں ان پر حملہ آور نہ ہو اور کسی کو معلوم نہ تھا کہ سلطان کہاں پر اور کب حملہ کرے گا۔ اس لئے سب اپنی اپنی جگہ جمع بیٹھے تھے۔

بیسواں باب

رچرڈ اوّل شاہ انگلستان اور فلپ دوم شاہ فرانس

شہنشاہ فریڈرک دریا میں ڈوب کر مر چکا تھا۔ کہ جون ۱۱۹۰ء میں آخر کار رچرڈ اور فلپ فرانس کے شہر ونیزلی میں جمع ہوئے۔ تاکہ کروسیڈ کے لئے فلسطین جائیں۔ ونیزلی سے دونوں بادشاہ مارسیلز گئے تاکہ جہازوں پر سوار ہو کر فلسطین جائیں۔

فرانسیسیوں کے لئے بحری بیڑہ چونکہ تیار تھا۔ لہٰذا وہ تو روانہ ہو گئے مگر انگلستانی بحری بیڑہ بلا کسی حکم کے خود بخود پرتگال میں ٹھہر گیا تھا۔ تاکہ وہ لوگ پرتگالیوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ میں مدد دیں۔ لہٰذا یہ انگلستانی بیڑہ وسط ستمبر میں جب مارسیلز پہنچا۔ تو انگلستانی کروسیڈ سپاہی وہاں سے روانہ ہو کر ۲۳ ستمبر کو جزیرہ سسلی (صقلیہ) میں پہنچے۔ شاہ رچرڈ بڑے تزک و احتشام سے اس جزیرے پر اُترا۔ تاکہ جزیرہ کے عوام اور

فرانس کے صلیبیوں کو اپنی دولت اور طاقت سے مرعوب کرے۔

"رچرڈ نے بہانہ نکال کر اچانک مینہ (سسلی کے دارالخلافہ) پر قبضہ کر لیا اور بادشاہ وقت سے چالیس ہزار اونس سونا بطور تاوان وصول کر لیا۔ ۱۱۹۱ء ۳۰ مارچ کو رچرڈ نے جنوبی اٹلی کی شہزادی برنگیریا سے منگنی کرنے کا اعلان کیا۔ شاہ فلپ رچرڈ کے اس وطیرے سے ناخوش تھا۔ لہٰذا وہ ۳۰ مارچ ۱۱۹۱ء کو اپنا بحری بیڑہ لے کر فلسطین کی طرف روانہ ہو گیا مگر رچرڈ ۱۰ اپریل تک وہیں منگنی کے جشن مناتا رہا۔ جب رچرڈ کا بیڑا سسلی سے چل کر جزیرہ کریٹ کے پاس پہنچا۔ تو نہایت زبردست طوفان کی وجہ سے اس کا ۱۸۰ جنگی کشتیوں کا بحری بیڑہ تتر بتر ہو گیا۔ اس کا اپنا جہاز تو کریٹ کے ساحل پر جا لگا۔ مگر کئی جہاز قبرص کے ساحل سے جا لگے اور کچھ اُن میں سے ڈوب بھی گئے۔ ان تمام لشکریوں کو جن میں رچرڈ کی منگیتر شہزادی برنگیریا بھی تھی قیصر رُوما کے حکم سے قید کر دئے گئے۔

اس حادثہ کے باعث گویا رچرڈ کی مُنہ مانگی مُراد بر آئی۔ کیونکہ اُس نے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے میں ذرا بھی دیر نہ کی۔ اور قبرص پر حملہ کر دیا اور تین ہفتوں کی لڑائی کے بعد قبرص کے دارالخلافہ لیمسول پر قبضہ کر لیا اور قیصر کو قید کر کے اس کے چاندی کی زنجیر ڈال کر قید کر دیا۔

اس فتح کے بعد رچرڈ نے شہزادی برنگیریا سے اپنی شادی رچائی اور وہاں پر خوب جشن ہوتے رہے۔ ان ایام میں رچرڈ کے پاس فلسطین

کے صلیبیوں کے لئے قاصد آئے اور رچرڈ سے بار بار یہ درخواست کی کہ وہ جلد سے جلد فلسطین پہنچے۔ کیونکہ صلاح الدین نے صلیبیوں کو بہت لاچار کر رکھا تھا۔

شاہ رچرڈ ۵ جون ۱۱۹۱ء میں فلسطین کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اُس کی عکا کے بحری بیڑے سے مڈھ بھیڑ ہوئی۔ رچرڈ نے اس مسلم بحری بیڑے کو جو کمک اور رسد لے جا رہا تھا سمندر میں ڈبو دیا۔ عکا والوں کے لئے یہ خبر بہت وحشت ناک تھی۔ کیونکہ اس شکست سے ایک طرف تو اُن کے پاس غلہ نہ پہنچا۔ دُوسرے یہ کہ اب ان کی سمندر کی طرف سے بھی ناکہ بندی ہو گئی۔

شہر عکا عکا کا شہر اور بندرگاہ سمندر کی ایک چھوٹی سی خلیج پر واقعہ تھا۔ اس خلیج میں زمین کا ایک پتھریلا حصّہ اس طرح سے اندر چلا گیا تھا جیسے کھلے ہوئے مُنہ سے کسی انسان نے اپنی زبان باہر نکال رکھی ہے۔ اس لمبے اور پتلے قطعہ کے آخری سرے پر جو سمندر میں تھا۔ ایک چھوٹی سی چٹان تھی جہاں مسلمانوں نے ایک قلعہ تعمیر کر کے تیر انداز بٹھا دیئے تھے۔ جو دُشمن کے جہازوں پر آتشی تیر پھینک کر اُن میں آگ لگا دیتے تھے۔ علاوہ ازیں اس چٹان سے ساحل تک ایک مضبوط اور بھاری زنجیر لگی ہُوئی تھی۔ جو غیر ملکی جہازوں کو بندرگاہ کے اندر جانے سے روکتی تھی۔ اس لمبی چٹان اور خلیج کی وجہ سے بندرگاہ کے جہاز سمندری طوفان سے محفوظ رہتے تھے۔ علاوہ ازیں عکا کی مشرق کی جانب دریائے

الحلو تھا جو اس کی قدرتی خندق تھی۔ لہٰذا عکا کے دو جانب تو سمندر اور دریا کا پانی تھا اور دو طرف خشکی تھی۔

عکا کے گرد و نواح میں تقریباً بیس میل مربع کا علاقہ بڑا شاداب و سرسبز تھا۔ یہ شادابی اس ریگستانی علاقے میں بہت اہمیت رکھتی تھی۔ اس وجہ سے عکا ایک بڑی تجارتی منڈی بن گیا تھا۔ جہاں مسلم، عیسائی اور یہودی تجار کثرت سے تجارتی مال لاتے تھے۔ کیونکہ عکا نہ صرف ایک اعلیٰ بندرگاہ تھا۔ بلکہ اس شہر میں تمام خشکی کے راستے بھی ملتے تھے۔ اسی لئے عرب مورّخین نے اس علاقہ کی عیسائی حکومت کو ایک مکان سے تشبیہہ دے کر اس شہر کو اس مکان کا نہایت ہی اہم ستون قرار دیا ہے۔ عکا ہی وہ شہر تھا۔ جہاں یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنا چاہا تھا۔ صلاح الدین نے عکا کو فتح کر کے اس میں تقریباً تین ہزار کا فوجی دستہ شہر کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا تھا۔

جب بیت المقدس کو صلاح الدین نے فتح کیا۔ تو فلسطین کے بادشاہ گائی کو قید کر دیا مگر اُس کی بیوی بچوں کو تمام مال و اسباب کے ساتھ انطاکیہ پہنچا دیا۔ گائی کی ملکہ نے جب کئی بار دردناک لہجہ میں منّت سماجت کی۔ تو سلطان گائی کو رہا کرنے پر تیار ہو گیا۔ بشرطیکہ گائی ایک حلف نامہ پر دستخط کر کے سلطان کو پیش کرے۔ گائی اس پر رضامند ہو گیا اور اُس نے ایک حلف نامہ پر دستخط کر دیئے۔ جس میں مندرجہ ذیل شرائط تھیں:۔

۱۔ وہ فلسطین کی سلطنت سے دست بردار ہو گیا ہے۔

۲۔ وہ زندگی بھر سلطان کا غلام بنا رہے گا اور عمر بھر کبھی سلطان کے خلاف تلوار نہیں اٹھائے گا۔

اس حلف نامے کے ملنے پر سلطان نے معزول بادشاہ گائی کو رہا کر دیا۔ گائی جب اپنے بیوی اور بچوں کے پاس انطاکیہ پہنچا تو وہاں پر انطاکیہ کے اسقف سے ملاقات ہوئی۔ اسقف نے گائی کو یقین دلایا کہ بے دینوں (مسلمانوں) سے حلف نامہ پر قائم رہنا یا اس کا ایفا کرنا مذہبی یا اخلاقی طور سے صلیبیوں کے لئے ضروری نہیں ہے اور ہر عیسائی ایسے کئی حلف نامے لکھنے کے بعد بھی مذہبی، اخلاقی اور قانونی طور سے مسلمانوں کے خلاف کروسیڈ کرنے کا حقدار ہے۔ اسقف کے اس طرح یقین دلانے اور خصوصاً یورپ سے صلیبی دستوں کی موجودگی نے گائی کے دل میں دوبارہ فلسطین کا بادشاہ بننے کی اُمنگ پیدا کر دی۔ انطاکیہ کے کاؤنٹ بوہیمانڈ نے گائی کی ہمت بڑھائی۔ لہٰذا گائی انطاکیہ سے صلیبی لشکر کے ساتھ صور کی طرف بڑھا تاکہ وہاں کے والی سے مزید مدد حاصل کرے۔ صور کے کاؤنٹ کانراڈ نے گائی کو شہر میں داخل ہونے نہ دیا اور اسے صاف کہہ دیا کہ اگر وہ دوبارہ بادشاہ بننے کی آرزو رکھتا ہے تو آگے بڑھ کر مسلمانوں پر حملہ کرے اور اپنی قسمت آزمائی کرے۔ گائی کئی ہفتے صور کے باہر پڑاؤ ڈالے پڑا رہا۔ جہاں اور بہت سے صلیبی دستے اُس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ جب گائی صور سے عکا کی طرف بڑھا۔ تو اُس کے ساتھ تقریباً ایک ہزار نائٹ اور بیس ہزار پیدل سپاہی تھے۔ صور سے عکا

تک پہنچنے پر اور بہت سے دستے گائی کے ساتھ ملتے گئے۔ لہٰذا گائی کے لشکر کا بھاری سامان تو کشتیوں پر لدا ہوا تھا۔ مگر لشکر والے ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

۲۸ اگست ۱۱۸۹ء کو یہ لشکر عکا پہنچ گیا اور عکا شہر کا محاصرہ کر لیا۔ عکا کے صلیبی کیمپ میں ہر روز نئے صلیبی دستے آتے تھے۔ سب سے پہلے تو جنوبی فرانسیسی علاقے کے صلیبی دستے تھے۔ پھر فلانڈرس، انگلستان وغیرہ کے دستے آئے۔ مشہور اور نامور نائٹوں میں جیمز آف اویسنی، رابرٹ آف ڈریو۔ جو کہ شاہ لوئی چہارم کا پوتا تھا۔ فلپ آف بیوائے، کاؤنٹ آف برطینی، لوئی مارگیر و آف تھرنگیا۔ کانراڈ آف مانٹیفرا وغیرہ تھے جو کہ یورپ کے بہت ہی نامور اور بہادر جنگجو مشہور تھے۔ ستمبر ۱۱۸۹ء تک صلیبی لشکریوں کی تعداد تقریباً دس ہزار شہسوار (نائٹ) اور تقریباً پچاس ہزار پیدل فوج تھی۔

اس وقت صلاح الدین کے کندھوں پر بڑی ذمہ داری تھی اُس کو مسلمانوں کے وقار کو بلند رکھنا تھا اور مملکت اسلامیہ کو تباہی سے بچانا تھا۔ کیونکہ اگر صلیبی لشکر شام اور فلسطین پر قابض ہو گئے تو باقی اسلامی حکومتیں ان کی زد سے بچ نہ سکتی تھیں۔

صلیبی حملہ کی نوعیّت

فلسطین میں یورپ کے صلیبیوں نے اپنے پاؤں جمائے تھے وہاں باقاعدہ حکومتیں قائم کر لی تھیں وہ اسلامی سلطنتوں پر لگاتار حملے کر کے ان سلطنتوں کی

مُنیا دیں ہلا رہے تھے۔ صلاح الدین نے نہ صرف اپنے گرد و نواح میں طوائف الملوکی کو دُور کر دیا تھا۔ بلکہ اُس نے بیت المقدس پر قبضہ کر کے اُس کے سب سے بڑے مستقر سے نکال دیا تھا اور وہ اُن کو ایشیائے کوچک اور شام کے علاقوں سے نکالنے میں مشغول تھا۔ لہٰذا عیسائی دُنیا میں ہیجان برپا ہو گیا۔ اہلِ یورپ نے صلیب پر اسلام کو مٹا دینے کی قسم پھر سے کھائی اور یورپ کے تمام چھوٹے بڑے سلاطین اور جنگجو نائٹ کئی لاکھ صلیبی لے کر سلطان سے لڑائی لڑنے چل پڑے۔ جس وقت یہ لوگ شام کے ساحلوں پر جمع ہو رہے تھے۔ فلسطین کا معزول بادشاہ گائی ایک بڑا لشکر لے کر عکا کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس بڑی بندرگاہ پر قبضہ کر کے ایک ایسا مستقر فتح کرے جو کہ اتنے بڑے صلیبی لشکر کی ہر قسم کی ضروریات کو پُورا کر سکے۔ عکا کا شہر، بندرگاہ اور ملحقہ علاقہ اس مقصد کے لیئے بہت ہی مناسب مقام تھا۔ گائی کے پاس عکا کے اسلامی دستے سے کئی گنا زیادہ فوج تھی۔ اس لیئے گائی کو یقین تھا کہ وہ عکا کو فتح کر لے گا۔

علاوہ ازیں سسلی کے حکمران ولیم نے اپنا بحری بیڑہ انطاکیہ اور صور کے عیسائی حکمرانوں کی مدد کے لیئے بھیج دیا تھا۔ اس بحری بیڑے کے ہمراہ سسلی کی کئی ہزار فوج ان مقامات پر پہنچ گئی۔ ولیم نے ایک بحری بیڑہ جافہ والوں کی مدد کے لیئے بھی بھیج دیا۔ جرمنی کا بادشاہ فریڈرک ایشیا کے ساحل پر آ گیا تھا اور وہ دمشق اور بغداد کو فتح کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔

رچرڈ اور فلپ نے صلیب پر قسم کھا کر اپنی اپنی فوجیں ساتھ لے لی تھیں

اور وہ بھی اسلام کو مٹانے کی غرض سے ایشیا کی طرف چل پڑے تھے۔
گو قیصرِ روما سلطان سے عہد و پیمان کرنے کی غرض سے سفیر بھیج رہا تھا۔ مگر
اس کی حرکات سے صاف ظاہر تھا کہ وہ صرف سلطان کو دھوکہ میں رکھنا
چاہتا ہے اور مناسب موقع کی انتظار کر رہا تھا۔ تاکہ اپنی کھوئی ہوئی
سلطنت کو دوبارہ حاصل کرے۔ اس طرح کہ دشمن کی کئی لاکھ کی تعداد
کی فوج مختلف راستوں اور اطراف سے سلطان سے مقابلہ کے لئے بڑھ
رہی تھی۔ دشمن کا سمندری بیڑہ بہت ہی زبردست تھا اور اس بحری
بیڑے کی مدد سے وہ کسی بھی جگہ پر اپنی فوج اُتار سکتا تھا۔ خصوصاً جبکہ
بحیرۂ اسود، باسفورس، بحیرۂ وسط پر کئی اعلیٰ بندرگاہ عیسائی حکمرانوں کے
قبضہ میں تھے۔ لہٰذا وہ کئی اطراف سے سلطان کے ملک پر حملہ کر سکتا تھا۔

صلاح الدین کا دفاعی منصوبہ

ابھی زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا۔ جبکہ سلطان نے یکے بعد دیگرے
وسط ایشیا کے حکمرانوں کو شمشیر سے زیر کر کے یعنی اُس تمام علاقے سے
طوائف الملوکی کو دُور کیا تھا۔ لہٰذا سلطان کو یہ خیال ضرور پریشان کرتا
تھا۔ کہ کہیں یہ مُسلم حکمران دشمن کی زبردست طاقت سے مسحور ہو کر اُس کی
اطاعت قبول نہ کرلیں یا ذاتی مقاصد، حرص یا بزدلی بنا پر آزمائش کے
وقت سلطان کو دھوکہ نہ دیں۔

سلطان کے بڑے فوجی دستے موصل، دمشق، الرہا، قونیہ، بیت المقدس،
عکا وغیرہ میں تھے اور چھوٹے دستے انطاکیہ، صور، حمص اور باقی علاقوں

میں پاسبانی کر رہے تھے۔ تاکہ بڑی فوج کے آنے تک وہ دستے دشمن کو پریشان بھی کرتے رہیں اور ان کی نقل و حرکت سے سلطان کو آگاہ کرتے رہیں۔

ان خطرات کے پیش نظر سلطان نے ضروری سمجھا کہ مسلمانوں میں جہاد کا جذبہ پیدا کرے اور اپنی طاقت کو منظم کرے۔ سب سے پہلے اُس نے تمام بڑے اور چھوٹے دستوں کو نئی بھرتی سے بڑا اور مضبوط کرنا شروع کر دیا۔ اُس نے خلیفۃ المسلمین بغداد سے جہاد کا فتویٰ صادر کرا کر تمام اسلامی ممالک میں بھجوایا۔ اُس نے اپنے سفیر ان ممالک میں بھیج دیئے تاکہ جہاں سے بھی جو مدد مل سکے حاصل کی جائے۔ اس طرح اسلامی دنیا کو تمام خطرات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا گیا۔ سلطان نے اپنے علاقے میں جہاد کا اعلان کر دیا اور تمام حکمرانوں اور ریاست کے والیوں کو حکم دے دیا کہ اپنے اپنے لشکر منظم کر لیں اور کچھ منظم دستے جہاد کے لئے سلطان کے پاس روانہ کر دیں۔ باقیماندہ منظم فوج اپنے علاقوں کی حفاظت کے لئے رکھیں اور وہاں زیادہ سے زیادہ مجاہدین کو جمع کریں۔ تاکہ وہ ضرورت کے وقت مناسب جگہ پر کام میں لائے جا سکیں۔ وہ اُن سے بطور "ریزرو" یعنی پس انداز فوج کا کام لینا چاہتا تھا۔ سلطان خود اس وقت شیقف ارنوں کے پہاڑی علاقے میں تھا۔ یہ ایسا مقام تھا جہاں سے وہ انطاکیہ صور اور عکا کے حالات کا جائزہ آسانی سے لے سکتا تھا اور مناسب جگہ پر تھوڑے عرصہ میں پہنچ سکتا تھا۔ سلطان نے فی الحال اپنے دفاعی منصوبے کو صیغہ راز میں رکھا۔ البتہ جب سلطان نے گائی کی نقل و حرکت سے تازہ

لگا لیا کہ گائی اور اُس کے معاون صلیبی دستے کیا کرنا چاہتے ہیں۔ تو وہ نہایت ہی سرعت سے اپنی فوج کو لے کر عکا کی طرف بڑھا۔ سلطان کے ساتھ اس وقت پندرہ[۱۵] ہزار تعداد کا رسالہ تھا۔ سلطان کے احکامات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انٹریر لائینز کے دفاعی اُصول پر بچاؤ کی لڑائی لڑنے کا منصوبہ تیار کر چکا تھا مگر اُس کے ساتھ اُس نے یہ بھی طے کر لیا کہ جب تک دُشمن کے ارادے صاف طور سے معلوم نہ ہو جاویں، یعنی جب تک سلطان کو یقینی طور سے یہ اندازہ نہ ہو جائے کہ دشمن کہاں کہاں پر حملہ کرنا چاہتا ہے اور وہ کب اور کس طریقے سے کرنا چاہتا ہے اس وقت تک سلطان اپنے لشکر کے دستوں کو اہم مقامات پر مامور رکھے گا۔ تاکہ وہاں سے جہاں پر اور جب چاہے دشمن کے خلاف کارروائی کر سکے۔

لین پول کا خیال ہے کہ شاید سلطان کا محکمہ خبر رسانی مستعد نہ تھا۔ کہ اُس نے نہ تو دشمن کے صور میں جمع ہونے والے لشکر کی خبر دی اور نہ صلیبی پیشقدمی کی اطلاع بھیجی۔ کیونکہ اگر اُس وقت سلطان مستعدی سے کام لیتا اور بڑھتے ہوئے سیلاب کو صور میں ہی روک دیتا تو اُسے وہ نقصانات نہ اُٹھانے پڑتے جن سے وہ بعد میں دوچار ہوا۔ عرب مورخین نے بھی اسی قسم کے الزامات سلطان پر عائد کئے ہیں۔ مگر میری رائے میں یہ ان مورخین کی دفاعی سیاست کے اُصولوں سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ دراصل یہ سلطان کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔ کہ اُس نے کسی پر اپنے داعی منصوبے کے

راز کو افشا نہ ہونے دیا۔ سلطان شیف ارنون میں تھا جو کہ صور اور عکا دونوں سے تقریباً بیس میل کے فاصلے پر تھا اور وہاں انطاکیہ سے بھی ہر وقت خبریں مل سکتی تھیں۔ سلطان کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ وہ دشمن کو قریب سے دیکھتا رہا اور نہایت صبر اور عزم کے ساتھ اس موقع کا انتظار کرتا رہا جبکہ دشمن اپنے ارادے کا اظہار کر دے۔ جس طرح ایک شکاری جال ڈال کر اپنے شکار کا صبر سے انتظار کرتا ہے۔ کہ کب جال میں پھنسے اور وہ اس پر قابو حاصل کرے۔ اسی طرح سلطان ان کو عکا میں پھانسنا چاہتا تھا۔ اگر سلطان وقت سے پہلے دشمن سے اُلجھ جاتا تو دشمن یقینی طور سے کامیاب ہو جاتا۔ کیونکہ دشمن کی تعداد سلطان کے تمام لشکر سے کئی گنا زیادہ تھی۔ دشمن کے پاس صرف لشکر ہی نہ تھا بلکہ اُس کے پاس بے انتہا مال و زر بھی تھا۔ اُس کا اسلحہ بہت اعلیٰ قسم کا تھا اور اُس کی باربرداری اور نقل و حرکت کی صلاحیت سلطان کے ذرائع سے کہیں بہتر تھی۔ بہر حال اس معرکہ نے سلطان کی دُور اندیشی، عقلمندی اور دفاعی صلاحیتیں دُنیا پر واضح کر دیں ۔

اکیسواں باب

"یااللّٰہ الاسلام" عکا کا محاصرہ

گائی نے عکا پہنچتے ہی خشکی اور تری سے عکا کی ناکہ بندی شروع کر دی اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ سلطان نے جب گائی کے ارادے کو معلوم کر لیا۔ تو خفیہ طور سے اگست کی آخری تاریخ کی رات کو عکا کے قریب پہنچا اور دوسرے روز علی الصباح اس صلیبی پر اُس نے حملہ کر دیا۔ صلیبی اس حملے کے لئے تیار نہ تھے۔ لہٰذا سلطان کو کاٹتا اور مارتا ہوا قلعہ کے اندر داخل ہو گیا۔ سلطان خود تو عکا کے قلعے اور تمام حفاظتی انتظامات کے دیکھنے میں مصروف ہو گیا اور اس اثنا میں سلطان کے لشکریوں نے بہت سا غلّہ اور دیگر سامان حرب و رسد قلعہ کے اندر پہنچا دیا۔ جب سلطان نے قلعے کے میناروں پر چڑھ کر دشمن کے پڑاؤ کو دیکھ لیا اور تمام حالات کا جائزہ لے لیا۔ تو وہ امیر عکا کو مناسب ہدایات دے کر عکا سے نکل آیا اور اپنے

پڑاؤ میں چلا گیا۔ جو کہ عکا سے صرف پانچ میل دُور تل کسان کے مقام پر تھا۔ اس طرح سے سلطان نے خشکی کی طرف سے ناکہ بندی کر دی اور ایک طرح سے اس نے صلیبی لشکر کو جو عکا کا محاصرہ کئے ہوئے تھا گھیر لیا۔
سلطان کے لشکر کا میسرہ تو دریائے الحلو کے کنارے پر تھا اور میمنہ تل الصیافہ کی پہاڑیوں کے دامن تک پھیلا ہوا تھا۔ ۱۱۸۹ء ستمبر کے پہلے دو ہفتوں میں چونکہ یورپ سے صلیبی دستے برابر آتے تھے اس لئے صلیبی لشکر کی تعداد اور بھی بڑھ گئی۔ لہٰذا صلیبیوں نے عکا کی ناکہ بندی بہت سختی سے کر دی۔ اس کا اثر چونکہ عکا والوں پر اچھا نہ ہوا۔ کیونکہ اب عکا کے قلعے اور سلطان کے لشکر کے درمیان سلسلۂ آمد و رفت خشکی کی طرف سے بند ہو گیا۔ لہٰذا سامان رسد وغیرہ صرف سمندر کے راستے سے ہی جا سکتا تھا۔ ان حالات کو سلطان دیر تک قائم رکھنا نہ چاہتا تھا۔

سلطان کی پہلی جوابی کارروائی

۱۴ ستمبر جمعہ کے دن سلطان نے بعد از نماز جمعہ لشکریوں کو جہاد کے لئے للکارا، اور سلطانی لشکر نے صلیبیوں پر حملہ کر دیا۔ یہ لڑائی شام تک نہایت شدت کے ساتھ جاری رہی اور دونوں فریق اپنی اپنی جگہ سے نہ ہٹے اور سلطان کو عکا میں داخلے کا موقع نہ ملا۔
دُوسرے روز علی الصبّاح سلطان نے صلیبیوں پر نہایت بیباکی سے حملہ کر کے صلیبیوں کے لشکر کو دو حصّوں میں کاٹ دیا۔ اس کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ سلطان نے عکہ والوں کو بتلا دیا کہ جب "یَا لَلْاِسْلَامْ" کے

نعروں کے ساتھ ہی وہ لوگ کمپ ڈھول کے پٹنے کی آواز سُنیں تو اس معینہ اشارہ سے یہ مطلب سمجھیں کہ ہم نے دشمن پر مقررہ مقام پر حملہ کر دیا ہے اور عکا والے بھی دشمن کے عقب پر اُسی جگہ حملہ کریں۔ تاکہ دشمن کی فوج کاٹ کر راستہ بنا لیا جائے۔ یہ حملہ کامیاب رہا۔ دونوں لشکروں میں لڑائی ہوتی رہی مگر جب سلطان نے عکا والوں کے لئے بہت بڑی مقدار میں سامانِ حرب و رسد عکا کے قلعے میں پہنچا دیا اور امیر عکا کو مناسب ہدایات دے دیں۔ تو عصر کے وقت وہ اپنے پڑاؤ میں لوٹ آیا۔ اس حملے میں کامیابی سُلطانی فوج اور عکا کے لشکریوں کی دو جانب سے بیک وقت حملہ کرنے سے حاصل ہوئی۔

صلیبیوں پر اس حملے کا اثر بہت زبردست ہوا۔ صلیبی کچھ ایسے سہم گئے کہ عکا اور سلطان کے پڑاؤ والوں میں آمد و رفت کا سلسلہ پھر سے قائم ہو گیا۔ گو یہ بہت عارضی قسم کا تھا۔

صلیبی حملہ اور اُس کی ناکامی

اسلامی لشکر کے حملہ کے تقریباً تین ہفتوں بعد یعنی اکتوبر کے پہلے ہفتے میں صلیبی کمپ میں گائی نے ایک دفاعی مجلس منعقد کی اور اس میں اُس نے صلیبی اُمرا اور نائٹوں کو غیرت دلائی اور اُن سے کہا اگر دشمن سے فوراً بدلہ نہ لیا گیا۔ تو صلیبی لشکریوں کے حوصلے اور بھی پست ہو جائیں گے۔ چونکہ صلیبی لشکر کی تعداد پہلے ہی سے سلطانی لشکر کی تعداد سے کم از کم دوگنی تھی۔ اس کے ساتھ ہی نئے صلیبی کمکی دستوں سے اور بھی بڑھ گئی

تھی۔ لہٰذا یہ طے ہوا کہ سارا صلیبی لشکر جو نصف دائرے کی شکل میں دریائے الحلو سے سمندر تک مورچہ لئے ہوئے تھا۔ اپنے مورچوں سے اسی شکل میں آگے بڑھ کر اسلامی لشکر پر اچانک حملہ کر دے۔ تاکہ دشمن اپنے ہتھیار بھی سنبھالنے نہ پائیں۔ صلیبی لشکر کی تعداد اس وقت تقریباً بیس ہزار رسالہ (نائٹ) اور پچاس ہزار پیدل سپاہ تھی۔ ان کے مقابل میں سلطان کی فوج تقریباً تیس ہزار کے تھی۔ کیونکہ مصر اور حلب سے کوئی کمک ابھی تک سلطان کو نہیں پہنچی تھی۔ اگرچہ سلطان کو صلیبیوں کے ارادے کا پتہ دیر میں لگا۔ مگر اُسے اتنا وقت مل گیا۔ کہ وہ اپنے لشکر کو منظّم کر سکے۔ (صفحہ ۔۔۔ پر دونوں لشکروں کی ترتیب موجود ہے)

صلیبیوں نے سب سے پہلے اسلامی میمنہ پر شدّت سے حملہ کیا۔ المظفر اس دستے کا سالار تھا۔ اُس نے جب صلیبی دستے کی کثرت اور حملے کی شدت کو دیکھا۔ تو اُس نے خالدؓ کے اُصول جنگ پر عمل کرتے ہوئے اپنے دستے کے قلب کو کچھ دُور پیچھے ہٹ کر دوبارہ جم کر لڑنے کا حکم دیا۔ تاکہ دشمن کی صف آرائی ٹوٹ جائے اور ساتھ ہی المظفر نے اپنے دونوں پہلوؤں (فلینکوں) کو حکم دیا کہ دشمن کو گھیرے میں لے لیں اور اپنے محفوظ رسالے کو حکم دیا کہ دشمن کے عقب پر حملہ کرے۔ بدقسمتی سے سلطان کو المظفر کے اس ارادے کی خبر نہ ملی تھی۔ لہٰذا وہ یہ سمجھا کہ شاید المظفر دشمن کے حملے کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹ رہا ہے۔ لہٰذا سلطان نے قلب کے سالار کو حکم دیا کہ وہ المظفر کی مدد کرے اور سلطان خود اپنے میسرہ کی طرف گیا تاکہ

میسرہ والوں سے کہے کہ وہ ڈٹ کر اپنی جگہ پر لڑیں۔ گاگی تجربہ کار جرنل تھا۔ لہٰذا جب اُس نے قلب میں خلا دیکھا تو اُس نے اپنے نائٹوں اور پیدل فوج کو قلب پر سخت حملہ کرنے کا حکم دیا۔ صلیبیوں کا یہ حملہ بھی کامیاب ہوتا نظر آیا اور صلیبی مسلم لشکر کے قلب میں انتشار پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اگر سلطان کا محفوظ دستہ اور اس کا اپنا حفاظتی دستہ بہادری سے نہ لڑتے تو صلیبی کامیاب ہو جاتے۔ اس موقع پر علیسیٰ الہکاری جو گو معمر بزرگ تھے مگر پھر بھی میدان جنگ میں سپاہیوں کے جذبہ جہاد کو بڑھانے کے لئے موجود تھے۔ کارہائے نمایاں انجام دے کر یہ ثابت کر دیا کہ مسلم علماء میدان جنگ میں شیر ببر سے کم نہ تھے۔ قلب میں دیار بکر سے نئی بھرتی کی ہوئی فوج تھی لہٰذا وہ جم کر نہ لڑ سکی۔ مسلم فوج کے حالات بہت نازک ہو گئے تھے۔ مگر عین اس وقت المظفر کی فوج نے جوابی حملہ کر دیا تھا اور سلطان نے میسرہ سے بھی جوابی حملہ کرا دیا تھا اور میسرہ کے محفوظ رسالے کو اس صلیبی لشکر کے عقب پر جو اسلامی لشکر کو کاٹ رہا تھا حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ اُدھر سے عکا والے بھی قلعے سے نکل آئے اور انہوں نے صلیبیوں کے عقب میں حملہ کر دیا۔ یہ منظر گاگی کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہوا اور اُس کی نظروں میں حطین کی لڑائی کا نقشہ پھر گیا اور میمنہ اور قلب کی پسپائی کو اُس نے سلطان کی دفاعی چال تصور کیا۔ لہٰذا اُس نے بگل سے صلیبی لشکر کو لوٹنے کا حکم دیا۔ اس لوٹنے کے حکم نے صلیبی لشکر کے حوصلے پست کر دئے۔ یہ حکم ایسے وقت میں دیا گیا تھا جبکہ اسلامی لشکر ہر جگہ شدت سے جوابی حملے کر

رہا تھا۔ صلیبی لشکر بدحواس ہو کر اپنے کمپ کی طرف پلٹے۔ مسلم شہسوار بہت تیز رفتار گھوڑوں پر تھے۔ لہٰذا انہوں نے لاتعداد صلیبیوں کو قتل کیا۔

ٹمپلر صلیبیوں کا سالار اعظم جیراڈ ان حالات پر قابو پانے کے لئے تمام صلیبی نائٹوں کو (جو کمپ کی حفاظت پر مامور تھے) لے کر آگے بڑھا۔ مگر اس پر عکا کے دستے نے اچانک حملہ کر دیا۔ جیراڈ مارا گیا اور اس کے بہت سے نائٹ قتل ہوئے۔ کاؤنٹ کانگراڈ بھی اپنے نائٹوں کو لے کر جوابی حملے کے لئے آگے بڑھا۔ مگر وہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں بری طرح پھنس گیا اور گائی بروقت نہ پہنچ جاتا تو وہ یا تو مارا جاتا یا قید ہو جاتا۔

اس لڑائی میں صلیبیوں کے بے شمار آدمی کام آئے اور پندرہ سو سے زائد صلیبی نائٹ مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوئے اور دو ہزار نائٹ مارے گئے۔ صلیبی انتہائی انتشار کی حالت میں اپنے کمپ کی طرف لوٹے اور مورچوں میں جا کر پناہ لی اور وہاں جا کر ایسے چھپے کہ اپنے زخمیوں اور مُردوں کو اٹھانے کی بھی کوئی کوشش نہ کی۔

فتح کے بعد سلطان کا طرز عمل

سلطان نے صلیبی لشکر کا تعاقب نہ کیا۔ کیونکہ اس کا اپنا لشکر بہت منتشر ہو گیا تھا اور جو لشکری ثابت قدم رہے تھے۔ دن بھر کی مسلسل لڑائی سے بالکل تھک چکے تھے۔ علاوہ ازیں قطب

کے دستے کے بھاگ جانے سے اسلامی لشکر کی تنظیم بگڑ گئی تھی لہٰذا اُسے جلد سے جلد منظم کرنا نہایت ہی ضروری تھا۔ علاوہ ازیں اس اہم بات کا سمجھنا لازمی ہے۔ کہ صلیبیوں کی تعداد اسلامی لشکر سے کئی گنا زیادہ تھی اور وہ دشمن جو مورچے کے اندر پناہ گزیں ہو وہ رسالے کے حملے سے تقریباً محفوظ ہو جاتا ہے۔ دشمن کا تعاقب نہ کرنے کا فیصلہ سلطان کی فن حرب میں مہارت کا آئینہ دار ہے۔ اس لڑائی کا سب سے اہم دفاعی سبق یہ ہے کہ سلطان نے جذبات کو دبا کر حصول مقصد کے عزم کو برقرار رکھا۔ فتحیابی اور وہ بھی جو تقریباً شکست کے بعد حاصل ہوئی ہو۔ توازنِ دماغ برقرار رکھنا صرف بلند پایہ سالاروں کا ہی حصہ ہے۔

سلطان کی عادت تھی کہ فتحیابی کے بعد ان سالاروں کو جنہوں نے جنگ میں کارہائے نمایاں سرانجام دئیے ہوں دسترخوان پر اپنے ساتھ کھانا کھلاتا تھا۔ لہٰذا الفقیہ عیسیٰ الہکاری جو ایک نامور بزرگ تھے مگر معمر ہونے کی وجہ سے جہاد کے لئے تلوار نہیں چلا سکتے تھے پھر بھی جہاد کے وقت نہایت اہم جگہ پر رہتے تھے۔ اس جنگ میں جب انتشار پھیلا تھا تو آپ نے لوگوں کو پکار پکار کر اپنے گرد جمع کر لیا۔ ایک دفعہ دشمن کے نرغے میں بھی آ گئے تھے۔ مگر اپنے فرائض کو سرانجام دیتے تھے۔ اس روز شاہی دسترخوان پر مدعو کئے گئے۔ وہ اس اعزاز پر بے حد خوش تھے اور ایک سالار نے اجیسے سلطان

نے دسترخوان پر آنے کا اعزاز بخشا تھا) الہکاری سے اُن کے بھائی کے شہید ہونے پر تعزیت کی۔ تو اُس کے جواب میں عیسیٰ الہکاری نے نہایت بشاشت سے یُوں کہا "آپ مجھے مبارکباد دیں۔ یہ دن غم کا نہیں ہے کیونکہ میرا بھائی شہید ہوا ہے۔"

یہ وہ جذبہ تھا جس نے مسلمانوں کی تھوڑی سی جماعت کو صلیبیوں کے جمِ غفیر پر فتح دی۔

۱۴ر اکتوبر ۱۱۸۹ء کی جنگ کے بعد

سلطان سے جہاں تک ممکن ہو سکا۔ اپنے کیمپ کے گرد و نواح سے انسانوں اور جانوروں کی لاشوں کو سمندر میں ڈلوایا۔ مگر پھر بھی اسلامی کیمپ کے اندر تعفّن کی وجہ سے وبا پھیل گئی۔ کیونکہ سمندر کی طرف سے آنے والی ہوا تمام علاقے کی بدبُو اسلامی کیمپ کی طرف لے جاتی تھی۔ سلطان خُود بیمار ہو گیا اس کو درد قولنج کا سخت دورہ پڑا۔ موسم سرما شروع ہو چکا تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب کہ جرمنی کا شہنشاہ فریڈرک صوابیہ دیار بحر میں پیش قدمی کر رہا تھا اور یورپ سے لاکھوں کی تعداد میں صلیبی خشکی اور تری کے راستے سے فلسطین اور شام کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ لہٰذا سلطان اپنے کیمپ کو پیچھے ہٹا کر تل خروبہ لے گیا۔ تاکہ دشمن اُس کے کیمپ کی نقل و حرکت کو نہ دیکھ سکیں اور وہاں سے اس نے اپنے لشکر کا کافی حصّہ مختلف مقامات پر بھیج دیا۔ تاکہ دیار بکر میں صلیبی پیشقدمی کا مقابلہ کر سکیں۔

سلطان نے عکا کے اسلامی لشکر کو تسلی دے دی کہ وہ جلد واپس لوٹے گا اور ان کو کھانے کا سامان بھی پہنچا دیا۔

صلیبی لشکر کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی اور سلطان کے لشکر کے خرو بہ چلے جانے کی وجہ سے اب وہ آزادی سے اپنے کیمپ سے باہر نکلے اور عکا کے گرد باقاعدہ مورچہ بندی کر دی۔ تاکہ صلیبی محاصرین سلطان کے شہسواروں کے حملے سے محفوظ ہو جائیں۔ یہ مورچہ نصف دائرے کی شکل میں تھا اور سارے موسم سرما میں صلیبی اس کو مضبوط بنانے کے لئے تندہی سے کام کرتے رہے۔ صلیبی لشکر بھی اس عرصہ میں مشکلات میں گھرا ہوا تھا۔ رسد کی سخت کمی تھی اور ہر طرف بیماری پھیلی ہوئی تھی جس کے باعث ان کے کئی سردار مثلاً تھیبالڈ، اسٹفن اور فریڈرک صوابیہ لقمہ اجل ہو گئے۔

اکثر عربی اور مغربی مورخین نے سلطان پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ صلیبی لشکر کے مورچہ بنانے کی خبریں سنتا رہا اور اس نے اُن پر حملہ کر کے مورچہ بندی سے نہ روکا۔ لیکن سلطان پر یہ الزام لگانا درست نہیں کیونکہ اس کے آگے کچھ اور ہی دفاعی منصوبہ تھا۔ جس کی خاص خاص باتیں مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ جرمنی سے تقریباً اڑھائی لاکھ کا صلیبی لشکر شہنشاہ فریڈرک کے تحت دیارِ بکر پہنچ چکا تھا۔ دمشق، حلب، الرہا وغیرہ کے قلعوں کو کمک دینی لازمی تھی۔ مگر سلطان نے دشمن کو اپنا اصلی ارادہ معلوم نہ

ہونے دیا۔ بلکہ یہ مشہور کر دیا کہ لشکری موسم سرما اپنے گھروں میں گذارنے جا رہے ہیں۔ اس سے سلطان کا اعتماد ظاہر ہوا اور تمام ملک میں سلطان کی فتحیابی کی خبر پہنچ گئی۔

۲۔ سلطان خود بیمار تھا اور وُہ دُشمن کو تل خروبہ کی فوج کی صحیح تعداد کا پتہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ بلکہ وُہ دُشمن کیلئے زمین کھودنے میں مصروف رہنے پر خوش تھا۔ کیونکہ اس کا کمپ حملے کے خطرے سے باہر تھا۔ تل خروبہ میں فوج کی تعداد تھوڑی اور اس قلیل فوج سے دُشمن پر حملہ کرنا بعید از عقل تھا۔

۳۔ سلطان اپنی خروبہ میں مقیم فوج کو زیادہ سے زیادہ آرام دینا چاہتا تھا۔ تاکہ وہ آئندہ آنے والی جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ خروبہ کا کمپ صحت کے لئے اچھا تھا اور اس کے علاوہ اتنا دُور تھا۔ کہ صلیبی اس کمپ پر اچانک حملہ نہ کر سکتے تھے۔

۴۔ سلطان اپنی خاموشی سے دُشمن کو سخت تذبذب میں ڈالنا چاہتا تھا۔ صلیبی ہر وقت یہی سوچتے تھے۔ کہ سلطان معلوم نہیں کب اور کہاں ان پر حملہ کر دے۔

اس میں شک نہیں کہ سلطان کی حکومت سخت خطرے میں تھی دُشمن نے کئی محاذ کھول دیئے تھے اور وہ اتنی تعداد میں تھے کہ جہاں چاہتے اور جب چاہتے سلطان پر کاری وار کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کیا وہ سلطان کی برق رفتاری اور اچانک حملوں سے خائف تھے۔

اس ڈر کی وجہ سے وہ اپنی اپنی جگہ جمع رہے۔ ان کو اپنے اپنے گھروں کی سلامتی کی فکر تھی۔ وہ مقدس صلیبی جنگ بڑے بڑے بادشاہوں کے لئے چھوڑ دینا چاہتے تھے یہی کمزوری تھی جس نے سلطان کی سلطنت کو نہ صرف خطرات سے بچایا۔ بلکہ آخر کار مسلمانوں کو صلیبیوں کے خلاف کامیابی بخشی۔

ابن شدّاد کو سلطان نے مختلف ممالک میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ تاکہ ہر مسلم ممالک کے لوگوں کو جہاد کی دعوت دے۔ ابن شدّاد بہت کامیاب رہا اور سنہ ۱۱۹۰ء اپریل کے مہینے میں ہر طرف سے مجاہدین کے دستے خروبہ پہنچنے لگے۔ موسم سرما میں مصری امیر البحر لولو نے بہت کارنمایاں سرانجام دیئے تھے اور صلیبی بحری بیڑے کو عکا سے مار بھگایا اور اس طرح کئی بار وہ عکا میں سامان حرب و رسد لے کر پہنچ گیا۔

اپریل سنہ ۱۱۹۰ء میں کانراڈ صور سے اپنا بحری بیڑہ اس شرط پر گائی کی مدد کے لئے لایا۔ کہ فتحیابی کی صورت میں کانراڈ کو صور، صیدا اور بیروت کا خود مختار والی تسلیم کر لیا جائے گا۔ اس بحری بیڑے کی وجہ سے صلیبی بحری بیڑہ بہت طاقتور ہو گیا۔ مگر پھر بھی صلیبی بیڑہ عکا کے سمندر کی طرف سے مکمل ناکہ بندی نہ کر سکا۔

۱۵ جولائی سنہ ۱۱۹۰ء خروبہ پر حملہ

گرمیاں زوروں پر تھیں اور سلطان ابھی خروبہ میں تھا۔ جون کے آخر میں جب سلطان کی صحت بہتر ہوئی۔ تو شاہی معالجوں

نے سلطان کو سیر و شکار پر جانے کا مشورہ دیا۔
صلیبی کیمپ میں سلطان کے شکار پر جانے کی خبر پہنچ گئی۔ لہٰذا انہوں نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ گذشتہ شکست کا انتقام لے کر صلیبیوں کا حوصلہ بڑھائیں۔ خصوصاً جبکہ ان کی تعداد پہلے سے بہت بڑھ گئی تھی سلطان کی غیر حاضری میں ملک العادل فوج کا امیر تھا۔ صلیبیوں نے اپنے حملے کے راز کو افشا نہ ہونے دیا اور یہ اچانک حملہ اسلامی کیمپ پر اس وقت ہوا۔ جبکہ وہ لوگ تیار نہ تھے۔ کیمپ کے محافظی دستے نے بہت دلیری سے مقابلہ کیا۔ مگر وہ صلیبی حملہ نہ روک سکے اور صلیبی لشکر ملک العادل کے اپنے خیمے تک پہنچ گیا اور لوٹ مار مچادی اور خیمہ کی رسیاں کاٹنی شروع کر دیں۔ ملک العادل نے یہ سب کچھ دیکھا۔ مگر وہ نہایت استقلال سے اسلامی لشکر کو منظم کرتا رہا اور جب لشکر منظم ہو گیا تو اس نے صلیبیوں پر نہایت کامیاب جوابی حملہ کیا۔ صلیبی اس حملہ کے لئے تیار نہ تھے۔ کیونکہ وہ تو یہ سمجھ چکے تھے کہ اسلامی لشکر دم توڑ چکا ہے۔ اس لئے وہ لوٹ مار میں مصروف تھے۔ اسلامی حملہ نہایت کارگر ثابت ہوا اور چونکہ صلیبی لشکری بدحواسی اور غیر منظم حالت میں بھاگے۔ لہٰذا حملہ آوروں میں سے شاید ہی کوئی بچ کر نکلا ہو گا۔ مغربی مورخین نے قتل ہونے والوں کی تعداد پانچ ہزار لکھی ہے۔ مگر عرب مورخین کا خیال ہے کہ پندرہ ہزار صلیبی کام آئے۔ بہر حال تعداد زیادہ اہم چیز نہ تھی۔ اس شکست کا سب سے فوری اثر صلیبیوں پر ہوا وہ یہ تھا کہ سلطان کی فوجوں کا مقابلہ

کرنا آسان نہیں۔ لہٰذا صلیبی کیمپ سے شاہان فرانس، برطانیہ، جرمنی اور آسٹریا کے پاس قاصد بھیجے کہ وہ خود مدد لے کر مشرق میں پہنچیں۔

معرکہ خروبہ کے نتائج

اس چھوٹے سے معرکے کا اہم سبق یہ ہے۔ کہ سالار کو نازک ترین حالات میں بہت استقلال عزم اور ٹھنڈے دل سے حالات پر غور کر کے دفاعی منصوبہ تیار کرنے کے بعد اس پر کاربند ہونا چاہیئے اور منظّم فوج کو غیر منظّم فوج پر ہمیشہ فتح حاصل ہوتی ہے۔ ملک العادل نے نہایت قابلیت کا ثبوت دیا اور اپنی فوج کو دشمن پر اس وقت حملہ آور نہ ہونے دیا۔ جبتک اس نے اسلامی فوج کو منظّم اور آراستہ نہ کیا۔ ہر بیدار مغز سالار کے لئے یہ معرکہ بہت سبق آموز ہے۔

اس شکست نے صلیبی لشکر میں ناکامی کی لہر دوڑا دی۔ گائی نے یہ طے کیا۔ کہ اس شکست کا بدلہ عکا کے اسلامی محصورین سے لیا جائے۔ کیونکہ یورپ کے صلیبی دستے اپنے ہمراہ تین بہت بلند لکڑی کے مینار لائے تھے۔ جنکے نیچے پہیے لگے ہوئے تھے۔ ان پہیوں کی مدد سے صلیبی ان میناروں کو جہاں چاہتے لے جا سکتے تھے۔ ان میناروں کی بلندی سے صلیبی تیر انداز لمبی مار کی تفنگوں سے شہر کے اندر زہریلے تیر پھینک کر محصورین کو گھائل کر سکتے تھے۔ صلیبیوں نے کئی بار عکا پر حملہ کیا تھا۔ اور قلعہ میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔ مگر ناکامیاب رہے تھے۔ اس مرتبہ اُنہوں نے پُورا زور لگا دینے کا تہیّہ کر لیا۔

عکا کے لوگوں کو مدد پہنچانے کی تدابیر

سُلطان اب صحتیاب ہو کر خروبہ میں آ چکا تھا۔ عکا والوں نے سلطان سے امداد طلب کی اور اس کو یہ بتایا کہ انہوں نے ان میناروں کو کئی بار آگ لگانے کی کوشش کی۔ مگر وہ اس میں ناکام رہے ہیں۔ اس لئے سلطان کو ان میناروں کو تباہ کرنا چاہیئے۔ سلطان کے پاس اُن ایام میں مجاہدین آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک دمشق کا لوہار تھا۔ اس لوہار نے سلطان کی خدمت میں اپنی خدمات پیش کیں اور نہایت وثوق سے سلطان سے کہا۔ اگر اُسے ضروری ادویات کے ساتھ عکا میں پہنچا دیا جائے۔ تو وہ ان میناروں کو جلا دے گا۔ سلطان نے اس لوہار کو مع تمام ضروری اسباب کے عکا پہنچا دیا۔ لوہار نے مٹی کی ہانڈیوں میں آتشی مصالحہ تیار کیا اور گوپھے کی مدد سے پہلی ہانڈی جو مینار پر پھینکی تو وہ نشانے پر بیٹھی۔ اس مینار میں فوراً آگ لگ گئی۔ اس طرح سے چند اور ہانڈیوں سے اس نے تینوں میناروں اور ان کے سپاہیوں کو جلا کر راکھ کر دیا۔ صلیبیوں کے لئے یہ نقصانِ عظیم تھا۔ اس بلا سے نجات ملنے پر اسلامی لشکر کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔

سلطان کے لشکر کی تعداد جب بڑھ گئی تو وہ دوبارہ عکا کے قریب آ کر ٹھہر گیا۔ یہ پڑاؤ پہلے پڑاؤ کے جنوب اور مشرق کی طرف تھا سلطان کے لشکر میں مجاہدین اس کے اپنے علاقے کے علاوہ اور ممالک سے بھی آ کر شامل ہو گئے تھے۔ بالفاظ دیگر سلطان کی مقناطیسی قوت نے

تمام اسلامی ممالک میں جہاد کے جذبہ کو تازہ کر دیا تھا گو یہ لوگ باقاعدہ و منظّم فوج کی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ پھر بھی ان کے آنے سے سلطان کے لشکر کو بہت تقویت حاصل ہو گئی تھی۔

صلیبی لشکر

سلطان کے مقابلے میں عکا کے صلیبی لشکر میں بہت زبردست اضافہ ہو گیا تھا۔ نئے صلیبی سالاروں میں مشہور کاؤنٹ ہنری اور آسٹریا کا شہزادہ شامل تھے۔ ان دونوں کے ہمراہ تقریباً پندرہ پندرہ ہزار صلیبی لشکری اور نائٹ تھے علاوہ ازیں ان دونوں کے ہمراہ بڑی زبردست منجنیقیں تھیں۔ ان میں بعض ایسی تھیں جن کا ایک گولہ چھیالیس من وزن کا تھا۔ ان لوگوں نے عکا کی فصیل پر بہت کاری مار شروع کر دی۔ علاوہ ازیں اب صلیبی بحری بیڑہ بھی بہت طاقتور ہو گیا تھا اور اُس نے اسلامی بحری بیڑے پر کئی بار کاری وار کر کے عکا میں بند ہونے پر مجبور کر دیا۔

عکا کے محصورین کی حالت

عکا میں اسلامی لشکر بری اور بحری ناکہ بندی کی وجہ سے سامان حرب اور خاص کر رسد کی کمی کی وجہ سے بہت پریشان حال تھا۔ گو ان کے حوصلے بلند اور ارادے مضبوط تھے۔ مگر بھوک نے لشکریوں اور شہریوں کو کمزور اور نڈھال کر دیا تھا جب صلیبی منجنیقوں نے عکا کی فصیل کو نقصان پہنچانا شروع کر دیا تو عکا کے چند جانباز چھپکے سے رات کے وقت باہر نکلے اور منجنیقوں کو آگ لگا کر جلا دیا۔ ایک دو دن کے

وقفے کے بعد وہ جانباز پھر قلعے سے باہر نکلے اور ان منجنیقوں کے لوہے کو سمیٹ کر قلعے میں لے گئے۔ یہ کارنامہ اسلامی مجاہدین کے عزم کی زندہ مثال ہے۔ عکا میں رسد کی کمی تھی۔ اب اناج صرف عیسائی اور یہودی بحری تجاروں سے بڑی قیمت پر ہی حاصل ہو سکتا تھا۔ یہ تجار کھلم کھلا عکا کی طرف آتے اور سامان بیچ کر چلے جاتے تھے۔

سلطان عکا والوں کے لئے ایک مسلم ملّاح عیسٰی کے ذریعے سونے کی اشرفیاں بھیجتا تھا۔ یہ مجاہد رات کے وقت سمندر میں تیر کر جاتا اور روپے کے ساتھ ہر قسم کے پیغامات پہنچاتا۔ اس مجاہد نے یہ کام مسلسل کئی ہفتے کیا۔ مگر ایک دن یہ سلطان کے کمپ میں نہ لوٹا اور اُس کی تلاش کرنے پر عکا کے ساحل پر اُس کی لاش ملی اور سونے کی اشرفیاں اُس کی کمر میں بندھی ہوئی تھیں۔ اس طرح سے اس نیک بہادر مجاہد نے مرنے کے بعد بھی اپنے فرض کو انجام دیا۔

یہ محض مشتے از خروارے ہے۔ اس قسم کے کارنامے کئی مجاہدین نے کئے۔ افسوس تاریخ اُن کے کارناموں اور اُن کے ناموں پر خاموش ہے۔ بحری ملّاح کئی بار اپنی جان پر کھیل کر اناج اسلامی لشکر میں لائے۔ مگر یہ اناج کافی نہ تھا۔ صلیبی بحری بیڑے نے کئی بار عکا کی بندرگاہ میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ مگر چٹان پر تعمیر کردہ بُرج کے تیراندازوں نے ہر بار ان کی کوششوں کو ناکام کر دیا اور وہ لوہے کی زنجیر کو نہ توڑ سکے۔ اکثر صلیبی جہاز آتشی تیروں کے باعث جل گئے۔ گو عکا والوں کی حالت

خراب ہوتی گئی۔ مگر ان کے حوصلے بلند رہے۔ سلطان نے کئی بار صلیبی لشکر پر حملے کئے۔ مگر فیصلہ کن لڑائی نہ ہوئی۔ موسم سرما چونکہ آگیا تھا لہٰذا سلطان پھر خروبہ چلا گیا اور اُس کے بہت سے سالار اپنے اپنے قلعوں کو چلے گئے۔ مثلاً دمشق، موصل، حلب، الرہا اور مصر کی فوجیں اپنے اپنے مستقر کو چلی گئیں۔

محصورین کی مدد۔ فروری ۱۱۹۱ء

فروری کے مہینے میں سلطان اچانک خروبہ سے عکا کی طرف بڑھا اور صلیبی لشکر پر اچانک حملہ کر دیا۔ جب صلیبی سلطان کی فوج سے اُلجھے ہوئے تھے تو عقب سے عکا والوں نے صلیبیوں پر حملہ کر دیا۔ سلطان کا حملہ کامیاب رہا اور سلطانی فوج راستہ بنا کر عکا میں داخل ہو گئی اور جلد ہی عکا میں اناج کا بہت بڑا ذخیرہ بھجدیا اور عکا کی محصور فوج کو وہاں سے نکال لیا اور اُس کی جگہ نیا دستہ عکا میں چھوڑ دیا۔ سلطان نے عکا کے نئے امیر کو خود ہدایات دیں اور پہلے کی طرح فصیل کے مختلف حصوں پر چڑھ کر دشمن کے مورچے کا معائنہ کیا اور عکا سے نکل آیا۔ یہ حملہ چونکہ نہایت اچانک کیا گیا تھا۔ اس لئے صلیبی سکتے میں سب کچھ دیکھتے رہے اور ہاتھ پاؤں نہ ہلا سکے۔ گو صلیبیوں کی تعداد مسلمانوں کی فوج سے کئی گنا زیادہ تھی۔ مغربی مورخین نے صلیبی لشکر کی بے حس اور سہم جانے کی یہ وجوہات لکھی ہیں:۔

۱۔ صلیبی کیمپ میں گو لشکری لاتعداد تھے۔ مگر ان کے پاس سامان رسد

بہت کم تھا۔ یہاں تک کہ رسالے کے سپاہیوں نے اپنے گھوڑوں کو حلال کر کے کھایا۔ آرچ بشپ بالڈون نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ "ہمارے کیمپ میں خدا کی رحمت عنقا ہے۔ یہاں کوئی فرد نہیں ہے جو کہ نیک کام کرتا ہو۔ اُمرا آپس میں لڑتے اور جھگڑتے ہیں۔ سپاہی فاقوں سے مر رہے ہیں۔ تُرک مسلسل حملے کر رہے ہیں اور ہمارے نائٹ ترکوں کے ڈر سے سہم کر اپنے خیموں میں چُھپے رہتے ہیں۔ صلاح الدین کی فوج روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور ہماری فوج فاقوں سے مر رہی ہے۔"

۲ - یہودی اور عیسائی تجار بہت لالچی تھے اور ان کو جہاں دام ملتے تھے۔ وہاں اناج بیچتے تھے۔ سلطان چونکہ عکا والوں کو فیاضی سے سونا بھیج رہا تھا۔ لہٰذا یہ تجار فلاش صلیبیوں کے ہاتھ اپنا غلّہ نہ بیچتے تھے۔

۳ - سلطان کے جانباز دستوں نے صلیبی کیمپ میں برّی راستوں سے سامان کا آنا جانا بند کر رکھا تھا اور تجار لُٹ جانے کے ڈر سے اپنا مال برّی راستوں سے نہ لاتے تھے۔ صلیبیوں کو مرعوب کرنے کی غرض سے جب کبھی سلطان کے کیمپ میں مجاہدین کا نیا دستہ آتا تو تمام کیمپ میں ڈھول پٹتے۔ اس طرح سے صلیبیوں کو سلطان اپنی طاقت بڑھا چڑھا کر بتاتا تھا۔

جب سلطان کا فوری کا حملہ کامیاب رہا۔ تو اس کا اثر صلیبی کیمپ

پر بہت برا ہوا۔ مثلاً بشپ بالڈون اس خبر کے سنتے ہی مر گیا اور کانراڈ اس بہانے سے صور کو واپس چلا گیا۔ کہ وہ وہاں جا کر صلیبی لشکریوں کے لئے اناج بھیجے گا۔ مگر اُس نے کچھ نہ کیا۔

فلپ شاہ فرانس اور رچرڈ شاہ انگلستان کی آمد

مارچ ۱۱۹۱ء

میں بادشاہ فلپ کئی جہاز اناج سے لدے ہوئے لے کر عکا میں پہنچ گیا۔ اُس کی فوج اور جنگی بیڑے کی آمد سے صلیبی لشکر کے حوصلے بڑھ گئے اور فلپ نے آتے ہی عکا پر بہت شدت سے حملہ کر دیا اور کئی جگہ فصیل میں اُس کی منجنیقوں نے رخنے ڈال دیئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ عکا صرف چند گھنٹوں میں فتح ہو جائے گا۔ مگر عکا والوں نے بہت بہادری سے مقابلہ کیا۔ اسی اثنا میں فلپ بیمار ہو گیا۔

۸ رجون ۱۱۹۱ء میں شاہ رچرڈ نہایت تزک و شان سے عکا کے ساحل پر صلیبی کمپ میں اُترا۔ اس کے بحری بیڑے نے راستے میں اسلامی بحری بیڑے پر بہت کاری وار کیا تھا اور اُسے برباد کر دیا تھا۔ رچرڈ اپنے ہمراہ اور بہت سی منجنیقوں کے علاوہ ایک خاص منجنیق لایا تھا جس کا نام "مٹیا گریفن" تھا۔ یہ زبردست سے زبردست قلعے کو توڑنے میں کارگر سمجھی جاتی تھی۔ گو رچرڈ عکا پہنچنے کے چند یوم بعد بیمار ہو گیا۔ مگر وہ یہ دیکھ کر برداشت نہ کر سکا کہ مقامی لوگ فرانسیسی صلیبیوں کی دلیری کی ثنا خوانی کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں اُسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ عکا میں غلہ

کی بہت کمی ہوگئی ہے۔ کیونکہ اُس نے عکا جانے والے غلّہ سے لدے ہوئے کئی جہاز خود لُوٹ لئے تھے اور اسلامی بحری قبیلیوں سے عکا کی مشکلات کا اُسے پتہ چل گیا تھا۔ لہٰذا رچرڈ نے عکا کے قلعے پر حملہ کر دیا۔

رچرڈ کے حملے کی خبر پاتے ہی سلطان نے رچرڈ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ چار دن سخت خُونریز جنگ ہوئی مگر کچھ فیصلہ نہ ہوا اور دونوں لشکر بہت بہادری اور دلیری سے لڑے۔ یہ رچرڈ اور صلاح الدین کے درمیان پہلا معرکہ تھا۔ چار دن کی لڑائی کے بعد دونوں فوجیں اپنے اپنے کمپوں کو چلی گئیں۔

رچرڈ کی طرف سے سفارت

رچرڈ نے سلطان کے پاس اس غرض سے سفیر بھیجے۔ کہ دونوں بادشاہ ایک جگہ بیٹھ کر مشورہ کر کے صلح کی شرائط طے کر لیں۔ تاکہ خلقِ خدا کا خُون نہ بہے۔ دراصل رچرڈ کے دل میں اپنے الوالعزم مدِمقابل سے ملنے کی بڑی خواہش تھی اور وہ اس بہانے سے اُس کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اُس کے دل میں یہ بھی آرزو تھی۔ کہ کسی طرح کوئی سمجھوتہ ہو جائے اور لڑنے کی نوبت نہ آئے۔ سلطان نے اپنے جواب میں بہت اختصار سے کام لیا اور یہ لکھا کہ دو مخالف بادشاہ صرف اس وقت مل کر بیٹھتے ہیں۔ جبکہ پہلے سے کوئی عارضی صلح طے ہو چکی ہو۔ لہٰذا بغیر عارضی صلح طے کئے ہمارا ملنا بے سُود ہے۔

رچرڈ کو یقین آگیا۔ کہ اُس کا مقابل معمولی صلاحیت کا آدمی نہیں ہے۔ اُس نے پھر سفیر بھیجے تو سلطان نے یہ منظور کرلیا کہ اُس کا بھائی ملک العادل اور رچرڈ آپس میں مقام مرج پر ملیں تاکہ کوئی قرارداد طے ہو جائے۔

اس پیام کے بعد کئی روز تک رچرڈ سے کوئی جواب نہ ملا سلطان کے دل میں شکوک پیدا ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ رچرڈ کو سلطان کے خیالات کی خبر مل گئی۔ کیونکہ رچرڈ نے ملک العادل کو اس مضمون کا خط لکھا:۔

"جو باتیں آپ نے سُنی ہیں وہ غلط ہیں۔ مَیں خود مختار بادشاہ ہوں اور یہاں پر میرا حکم سب پر چلتا ہے اور مجھ پر کسی کا حکم نہیں چلتا۔ مَیں چونکہ بہت بیمار رہا اس لئے آپ کے سفیر سے نہ مل سکا اور میری بیماری ہماری باہمی ملاقات میں تاخیر کی وجہ ہے"۔

اس خط کے ساتھ رچرڈ کے سفیر نے ملک العادل کے سامنے بہت سے تحائف پیش کئے۔ ملک العادل ان تحائف کے بدلے میں جب شاہ رچرڈ کے لئے تحائف دینا چاہتا تھا۔ اُس وقت انگلستانی سفیر نے نہایت ہوشیاری سے بیان کیا چونکہ شاہ رچرڈ بیمار رہے۔ اس لئے اُس کے لئے بہترین تحفہ کھانے کے لئے پرند کا گوشت، پھل اور سبزی ترکاریاں ہیں۔ اگر یہ مل جاویں تو بادشاہ جلد صحت یاب ہو کر آپ سے ملے گا"۔ چنانچہ ملک العادل نے اس طرح کا بہت سا سامان شاہ رچرڈ

کے سفیر کے حوالے کیا۔

عکا کے محصورین کا ہتھیار ڈالنا

جب رچرڈ اچھا ہو گیا تو اُس نے عکا پر پھر سے حملہ کر دیا۔ اس کے جواب میں سلطان نے صلیبیوں کے مورچے پر حملہ کیا۔ بہت سخت لڑائی ہوتی رہی۔ صلیبی لشکر کی تعداد اب کم از کم تین لاکھ تھی اور وہ خندقوں کے پیچھے محفوظ تھے۔ اس لئے کئی دن لڑائی لڑنے کے باوجود سلطان صلیبیوں کے مورچہ میں رخنہ نہ ڈال سکا اور عکا تک نہ پہنچ سکا۔ عکا والوں کو اس ناکامی سے بہت مایوسی ہوئی۔ سلطان کے پاس انہوں نے یہ پیغام بھیجا۔ بھوک اور مسلسل لڑائی لڑتے لڑتے عکا والوں کی ہمت ٹوٹ گئی ہے۔ لہٰذا اگر سلطان نے جلد ان کے لئے رسد اور کمک نہ بھیجی۔ تو اُن کے لئے دشمن کے ساتھ صلح کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں رہے گا۔ عکا والوں کا یہ پیغام سلطان کے لئے نہایت ہی پریشان کن تھا۔ سلطان نے اس پیغام کے جواب میں امیر عکا کو عزم و استقلال سے لڑنے کے لئے کہا اور خود صلیبی مورچے پر پھر سے حملہ کیا۔ مگر کئی دن کے مسلسل حملوں کے باوجود وہ صلیبی مورچہ میں شگاف نہ ڈال سکا۔

۹ جولائی۔ رچرڈ اور فلپ دونوں نے اپنے سفیر عکا والوں کے پاس قلعہ حوالہ کرنے کے لئے بھیجے۔ آخر کار ۹ جولائی ۱۱۹۱ء میں عکا کا والی مشطوب شاہ فلپ کے پاس گیا اور اُس سے انہی شرائط پر قلعہ حوالے کرنے کے لئے رضامندی کا اظہار کیا۔ جس شرط پر کہ سلطان نے مفتوح

قلعوں کو عیسائی سالاروں سے لیا تھا۔

شاہ فلپ نے عکا کے والی کو بہت غرور بھرے لہجے میں یہ کہا کہ سلطان نے عیسائیوں کے خوف و ہراس کے باعث مفتوح عیسائی لشکریوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا تھا۔ ہم چونکہ فاتح ہیں۔ لہٰذا ہم تم کو مفتوح بنائیں گے۔ سیف الدین یہ جواب سن کر عکا واپس چلا گیا۔ سلطان کو اس خبر نے بہت پریشان کیا۔ سلطان کو افسوس تھا کہ سیف الدین نے ہمت ہار دی ہے۔

۱۰ جولائی ۱۱۹۱ء رچرڈ کے سفیر ملک العادل کے پاس کچھ شرائط لائے تاکہ وہ ان کو سلطان کے پاس بھیج دے۔

۱۔ سلطان فلسطین اور شام کا ساحلی علاقہ اور شہر صلیبیوں کے حوالے کر دے۔

۲۔ تمام قیدی جو سلطان کے پاس ہیں ان کو فوراً رہا کر دیا جائے۔

۳۔ صلیب مقدس سلطان شاہ رچرڈ کو واپس کر دے۔

ملک العادل نے سفیروں سے کہہ دیا کہ یہ شرائط احمقانہ ہیں۔ لہٰذا میں خود ہی ان کو ٹھکرا دیتا ہوں۔

۱۲ جولائی ۱۱۹۱ء کو سلطان کو خبر ملی کہ مندرجہ ذیل شرائط پر قلعہ صلیبیوں کے حوالے کرنے پر راضی ہو گئے ہیں:۔

۱۔ عکا والے شہر کا تمام اسلحہ، ذخائر، مال و متاع (چاہے وہ شاہی ہو یا رعایا کا) قلعہ کے اندر چھوڑ کر باہر نکل آئیں گے۔

۲ - دو لاکھ دینار نقد فرینک سرداروں کو اور چار سو دینار کانریڈ کو ادا کریں گے۔

۳ - مقدس صلیب عیسائیوں کے حوالے کردی جائے گی۔

۴ - عکا میں جو پندرہ سو عیسائی قیدی ہیں ان کو باعزت طریقے سے رہا کردیں گے۔

ان شرائط کے پورا کرنے پر مسلمان محصورین معہ اہل و عیال کے سلامتی سے شہر کے باہر جاسکیں گے اور اس کے بعد صلیبی لشکر شہر میں داخل ہوگا۔ جیسے ہی ایک تیراک نے سلطان کو اس صلحنامے کی شرائط کی خبر دی وہ از حد پریشان ہوا اور عکا والوں کو ہتھیار ڈالنے سے روکنے کا منصوبہ سوچنے لگا۔ مگر اسی اثنا میں شہر کے میناروں پر صلیبی جھنڈے لہرانے لگے اور شہر صلیبیوں کے حوالے کردیا گیا تھا۔ صلیبیوں نے آپس میں طے کیا کہ عکا میں داخلے کے بعد :-

۱ - تمام محصورین کو فلپ اور رچرڈ آپس میں برابر تقسیم کرلیں۔

۲ - رچرڈ کا شاہی محلات پر قبضہ ہو اور فلپ اس قلعہ پر قابض ہوگا۔ جو ٹمپلر نائٹوں کا مستقر تھا جب صلیبی لشکر عکا میں داخل ہوگئے۔ تو آسٹریا کے شہزادے نے اپنا جھنڈا رچرڈ کے جھنڈے کے ساتھ نصب کردیا۔ رچرڈ یہ دیدہ دلیری برداشت نہ کرسکتا تھا لہٰذا اُس نے آسٹریا کے جھنڈے کو اکھاڑ کر پہلے چاک کیا اور پھر قلعے کے مینار سے نیچے زمین پر پھینک دیا۔

آسٹریا کا شہزادہ لیوپولڈ چونکہ رچرڈ سے انتقام نہیں لے سکتا تھا۔ لہٰذا اپنا لشکر لے کر اپنے وطن کو واپس چلا گیا ۔

بائیسواں باب

عکا کی فتح کے بعد

سلطان نے صلیبیوں کو عکا میں اطمینان سے داخل نہ ہونے دیا۔ کیونکہ اُس نے صلیبی مورچوں پر شدت سے حملہ کیا۔ یہ لڑائی بہت بیباکی سے لڑی گئی اور شام تک طرفین کا بہت جانی نقصان ہوا۔ رات کے وقت سلطان اپنے لشکر کو پیچھے ہٹا کر شفر عمیر کے مقام پر لے گیا۔ عکا کے فتح ہونے اور سلطان کے پیچھے ہٹنے سے یہ سمجھے کہ سلطان شکست کھا کر بھاگ نکلا ہے۔ لہٰذا دُوسرے روز وہ اپنے مورچوں سے نکلے تاکہ سلطان پر حملہ کریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے یہ دفاعی چال جان بُوجھ کر چلی تھی اور جیسے ہی صلیبی لشکر میدان میں نکلا سلطان کے رسالے نے ان کو چاروں طرف سے گھیر کر بے حساب صلیبیوں کو قتل کیا۔ جو باقی بچے وہ بھاگ کر خندقوں میں پناہ گزیں ہو گئے۔

اس جنگ کے دوسرے روز رچرڈ نے پھر صلح عکہ والوں کے صلحنامہ کی شرائط کو پورا کرنے کے لئے سلطان کے پاس سفیر بھیجے۔ چونکہ یہ صلحنامہ عکا کے محصورین نے سلطان کے نام سے کیا تھا۔ اس لئے سلطان نے ان شرائط کو پورا کرنا اپنا فرض خیال کیا اور طے پایا کہ :-

۱ - سلطان پہلی قسط میں چھ سو عیسائی قیدی نائٹ، صلیب اعظم اور ایک لاکھ دینار دے گا اور اس قسط کی ادائیگی پر صلیبی عکا کے قیدیوں کو سلطان کے حوالے کر دیں گے۔

۲ - دوسری قسط میں سلطان چھ سو صلیبی نائٹ اور ایک لاکھ دینار رچرڈ کے حوالے کرے گا۔ جب صلیبی سفارت نے صلیب اعظم کو دیکھنے کی خواہش کی تو سلطان نے اُن کو دکھلا دیا، اور جب اُن کو یہ یقین ہو گیا۔ کہ صلیب اصلی ہے اور قیدی اور روپیہ موجود ہے۔ تو صلیبی سفارت نے یہ اصرار کیا کہ سلطان پہلے سب قیدی، صلیب اور روپیہ رچرڈ کو بھیجدے پھر عکا کے قیدی سلطان کو دیئے جائیں گے۔ چونکہ سلطان صلیبیوں کی وعدہ خلافی کو خوب جانتا تھا۔ لہٰذا اس نے صاف انکار کر دیا اور طے شدہ شرائط کی پابندی پر اصرار کیا۔

دراصل عکا والوں سے نہ تو سلطان کے پاس جو قیدی نائٹ تھے۔ ان کی واپسی کا وعدہ کیا تھا اور نہ صلیب اعظم حوالہ کرنے کے شرائط طے کئے تھے۔ یہ رچرڈ نے ہوشیاری سے بعد میں شامل کئے تھے مگر سلطان سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی عکا والوں کی جان کی امان کی خاطر یہ سب منظور

کر لیا تھا۔ سلطان نے افرنگی سفیروں سے آخر کار یہ کہا کہ وُہ ان کی شرائط ماننے کو بھی تیار ہے۔ بشرطیکہ صلیبی بطور ضمانت چند امراء عکا کے قیدی پہنچنے تک سلطان کے پاس چھوڑ دیں۔ رچرڈ کا دل صاف نہ تھا۔ لہٰذا اُس نے کسی قسم کی ضمانت دینے سے انکار کر دیا۔ رچرڈ سمجھ گیا کہ سلطان اُس کی عیاری کو بھانپ گیا ہے۔

شاہ فلپ اور شاہ رچرڈ میں عناد

عکا کو فتح ہوئے کچھ دن بھی گذرنے نہ پائے تھے۔ کہ فلپ اور رچرڈ میں پھر سے چل گئی۔ یہ عناد بہت پرانا تھا اور اُس کی جڑیں بہت گہری تھیں۔ جب رچرڈ انگلستان کا بادشاہ بنا تھا۔ تو رچرڈ کو فلپ کے باپ اور ماں نے اپنی ذاتی جاںیداد دے دی تھی۔ فلپ کو یہ بات بہت ناگوار گذری تھی۔ وُہ نہ چاہتا تھا کہ رچرڈ جو کہ انگلستان کا بادشاہ بنا تھا۔ فرانس کے بھی بہت بڑے اور زرخیز علاقے کا مالک بن جائے اور اس طرح رچرڈ کا فرانس میں فلپ کا ہمسر بھی ہو گا اور انگلستان کا واحد مالک بھی۔ آخر کار سمجھوتہ اس بات پر ہوا کہ رچرڈ فلپ کی بہن سے شادی کرلے۔ یہ منگنی عرصہ تک قائم رہی۔ مگر آخر کار جب رچرڈ نے فلپ کی بہن سے شادی کرنے سے اس لئے انکار کر دیا تھا۔ کہ یہ شہزادی اُس کے باپ کی محبوبہ رہ چکی تھی اور اُس کا ایک بچّہ بھی (حرامی) موجود تھا۔ فلپ نے اس کو ذاتی بے عزّتی سمجھا، اہل فرانس نے اسے فرانسیسی شاہی خاندان کے لئے ہتک خیال کیا۔

صلیبی جنگ پر آنے کی غرض سے ان دونوں سلاطین میں بظاہر دوستی ہو گئی تھی اور یہ طے ہوا تھا۔ کہ فتح کے وقت دونوں بادشاہوں کا لوٹ مار میں برابر کا حصہ رہے گا۔ بقول مغربی مورخ ٹی۔ آرچر کے عکا کی فتح کے چند ہی گھنٹے بعد دونوں بادشاہ حرص کے غلام بن گئے اور اپنے وعدے سے پھر گئے۔ ٹی۔ آرچر لکھتا ہے۔ کہ اس جھگڑے کی بنا یہ تھی کہ شاہ سسلی نے رچرڈ کو سسلی ہیں چند ایسے خطوط دکھائے۔ جس میں فلپ نے ٹنکریڈ کو یہ لکھا تھا کہ وہ انگریزوں پر اچانک حملہ کر کے ان کو ختم کر دے۔ رچرڈ نے جب ان خطوط کا فلپ سے ذکر کیا۔ تو اس نے ان سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ علاوہ ازیں فلپ اور رچرڈ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ فرانسیسی اور انگریز نائٹ سلطان کے خلاف یکجا ہو کر نہ لڑیں تاکہ یہ پتہ چلے۔ کہ کون سے نائٹ زیادہ بے باک ہیں۔ اس طرح سے ان بادشاہوں نے اپنے اتحاد کو کمزور کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ رچرڈ نے فلپ سے یہ اقرار لینا چاہا کہ دونوں بادشاہ صلیبی جنگ لڑنے کی غرض سے کم از کم تین سال تک فلسطین میں رہیں۔ معزول بادشاہ گائی اور کانراڈ میں شہزادی سبیلا کی شادی کے مسئلہ پر بھی دونوں بادشاہوں میں اختلاف تھا۔ گائی کو رچرڈ کی مدد حاصل تھی اور فلپ کانراڈ کی پشت پر تھا۔ چونکہ عناد بڑھ گیا۔ اس لئے فلپ بری صحت اور بیماری کا عذر کر کے ۳۱ جولائی ۱۱۹۱ء کو صور چلا گیا اور رچرڈ اب عکا میں سیاہ و سفید کا مالک تھا۔

عکا کے مسلمان قیدیوں کا قتل عام ۲ اگست ۱۱۹۱ء کو رچرڈ

نے (جسے اہل مغرب شیر دل کے لقب سے پکارتے ہیں اور جو رو باہی میں یکتا تھا) عکا کے قیدیوں یعنی مردوں، عورتوں اور بچوں کو رسیوں سے باندھ کر میدان میں لانے کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد اپنے نائٹوں کو حکم دیا۔ کہ ان تمام قیدیوں کی بوٹی بوٹی اُڑا دی جائے۔ نائٹوں نے رچرڈ کے حکم کی پوری پوری تعمیل کی اور نہایت سفاکی سے دو ہزار سات سو مسلمانوں کو قتل کیا۔ قیدیوں کے اہل و عیال بھی ان کے ساتھ قتل کئے گئے۔

ٹی۔ آرچر رچرڈ کی اس بربریت کو حق بجانب ثابت کرنے کی یہ دلیل پیش کرتا ہے :۔

۱۔ رچرڈ شیر دل کو مسلمانوں کو قتل اور ان کے املاک کو غارت کرنے کا بیحد شوق تھا۔ کیونکہ وہ دین محمدیؐ کو نیست و نابود کرنے اور اُس کی جگہ عیسائیت کو فروغ دینے کی صلیب پر قسم کھا چکا تھا۔

۲۔ چونکہ رچرڈ جلد عکا چھوڑ کر بیت المقدس جانا چاہتا تھا اور وہ اتنے قیدیوں کو اپنے ہمراہ نہیں لے جا سکتا تھا۔ لہٰذا ان سب کو قتل کرنا ضروری تھا اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

۳۔ رچرڈ اپنے ساتھیوں کو موقعہ دینا چاہتا تھا۔ کہ وہ محاصرہ کے دوران میں مارے جانے والے صلیبیوں کا بدلہ لے لیں۔

یہ بیانات صلیبیوں کی بربریت کو اس قدر عیاں کرتے ہیں کہ زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

بندرگاہ عکا نہایت ہی شاداب خطے میں آباد تھا۔ جس پر اب

صلیبیوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا تین ہزار قیدیوں کو بطور غلام زندہ رکھنا کیا مشکل تھا۔ ورحقیقت رچرڈ کی اس سفاکی اور بربادی نے مسلمانوں کے دلوں میں غیرت قومی کو جگا دیا۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا رچرڈ کا یہ طرز عمل عیسائی مذہب کے اُصولوں کے مطابق تھا۔

سلطان کے دفاعی منصوبہ پر تبصرہ

سلطان نے ان مفتوح لشکریوں یا رعایا کے ساتھ جن کے قلعے یا شہر کو اُس نے فتح کیا۔ انتہائی مروّت کا برتاؤ کیا۔ رچرڈ کی طرح سفاکی سے گریز کیا۔ دراصل سلطان از حد مہربان اور رحمدل تھا اور اُس کا فدیہ لے کر دشمن کی جان بخشی کرنا اور انہیں سلامتی سے اپنے پسندیدہ مقام پر جانے کی اجازت دینا۔ اسلامی اُصولوں کے عین مطابق تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بار بار اپنے شکست خوردہ دشمنوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا تھا۔ سلطان نے جہاد کا اعلان کیا تھا۔ جنگ کا اعلان نہ کیا تھا۔ حرب یا جنگ کے معنی لغت کے لحاظ سے غصّے کے ہیں اور جہاد میں غصہ جائز نہیں۔ کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ ہوتا ہے۔ اس میں نفس یا بدلہ یا ہوس کی گنجائش نہیں ہے۔

سلطان پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اُس نے انطاکیہ اور صور کا محاصرہ کر کے ان دونوں مقامات کو فتح نہ کر کے غلطی کی تھی۔ کیونکہ وہ صلیبی حملہ کو اس قدر نقصان پہنچانے سے روک سکتا تھا۔ مگر سلطان کو جن حالات کا مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا۔ اُس کے پیش نظر یہ اعتراض بے بنیاد سا ہے۔

دُوسرے سلطان ہر قدم ایک سوچے سمجھے منصوبے کے ماتحت اُٹھاتا تھا۔ سلطان نے بچپن سے ہی صلیبی نائٹوں کے مظالم دیکھے تھے۔ وہ صلیبی جنگ کے اصلی مقاصد کو اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ اُسے خُوب معلوم تھا۔ کہ بیت المقدس اور دیگر عیسائی مستقروں کے مسلمانوں کے قبضہ میں آنے سے یورپ میں پھر سے شور مچ جائے گا۔ اس لئے وہ احتیاط سے قدم اُٹھانا چاہتا تھا۔ لہٰذا اُس نے پہلے فلسطین کی حکومت کا خاتمہ کیا اور پھر ساحلی صلیبی مستقروں پر حملے کیے۔ صور اور انطاکیہ کے گرد و نواح کے قلعے فتح کرنے کے بعد برباد کر دیئے اور اس طرح انطاکیہ اور صور دونوں کو ایک طرف سے بہت کمزور کر دیا تھا۔ مگر سلطان کے پاس سمندر پر اقتدار قائم کرنے کے لئے کافی بحری بیڑہ نہ تھا۔ چونکہ مصر خطرے میں تھا۔ لہٰذا بحری بیڑے کا بہت بڑا حصّہ اسے وادیٔ نیل کی حفاظت کے لئے رکھنا پڑ رہا تھا۔

بہرحال شام اور فلسطین کا باقیماندہ ساحل دشمن کے مستقروں سے پاک کر کے وہاں اپنے حفاظتی دستے چھوڑ کر اُس نے اپنی مملکت کو بہت حد تک محفوظ کر لیا تھا۔ علاوہ ازیں اُس نے ان تمام ساحلی قلعوں کو مسمار کر کے حفاظتی دستے شہروں میں متعین کر دیئے تھے یہ دستے شہسواروں کے تھے۔ لہٰذا ان کی حیثیت محض پاسبانوں کی تھی۔

عکا ہی ایسا شہر اور قلعہ تھا جسے سلطان نے پہلے مضبوط کیا۔ کیونکہ وہ دشمن کو سب سے پہلے یہاں لا کر لڑانا چاہتا تھا۔ سلطان کا خیال اس

بارے میں صحیح نکلا۔ کہ ٹمپلر نائٹ اپنے مستقر کو دوبارہ لینے کی زبردست جدوجہد کریں گے۔ لہٰذا اُس نے وہاں خوب مضبوط محافظی دستہ متعین کیا۔

اب سوال یہ ہے۔ کہ سلطان نے دشمن کو عکا آنے ہی کیوں دیا۔ گذشتہ واقعات یہ صاف بتاتے ہیں۔ کہ اُس کے بارے میں بھی سلطان کا دفاعی منصوبہ بہت صائب اور کارگر ثابت ہوا۔ اس بات کی گہرائی کو سمجھنے کے لئے ہمیں یورپ کے تین زبردست لشکروں کے اداروں کو نظر میں رکھنا ہوگا۔ فریڈرک شاہ جرمنی اپنی پہلی ناکامی کے دھبے کو دھونے کی غرض سے نکلا تھا اور ساتھ ہی وہ ایشیا میں خلیفہ کی جگہ اپنی سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا۔ رچرڈ اور فلپ نے شام، فلسطین اور مصر وغیرہ کو فتح کرنے کی خبریں مشہور کر دی تھیں۔

سلطان نے یہ سب سنا تھا اور ان خطرات کا تدارک سوچ لیا۔ مگر اُس نے اپنے دفاعی منصوبے کی خبر ابن شداد تک کو نہ دی۔

سلطان صلیبیوں کو عکا کے گردونواح میں گھیر کر شکست فاش دینا چاہتا تھا۔ اگر سلطان صور یا صور کے گردونواح میں صلیبیوں پر حملہ آور ہوجاتا تو وہ ایسی غلط جگہ اپنے لشکر کو پھنسا دیتا۔ جہاں دشمن کے لئے نہایت محفوظ مستقر، اعلیٰ بندرگاہ اور بے شمار رسد و سامان حرب موجود تھا، اور سلطان اپنے مستقر اور زرخیز علاقے سے دُور دشمن کے علاقے میں جنگ کرتا اور یہ بہت ممکن تھا کہ دشمن سلطان کو وہاں جنگ میں پھنسا کر اپنی فوج کا بہت بڑا حصہ بحری بیڑے سے عسقلان لے جاتا اور بیت المقدس

کی فتح کے بعد مصر پر حملہ آور ہو جاتا۔ عکا میں دشمن کو پھانس کر لانے سے صلیبیوں نے ان مشکلات کا سامنا کیا۔ جن کا سلطان کو صور میں مقابلہ کرنا پڑتا۔ مثلاً خوراک، دشمن، رعایا اور محدود پڑاؤ میں قلعہ بند ہو کر رہنا۔ جس کی وجہ سے صلیبیوں میں کئی بار وبا پھیلی۔ یہاں تک کہ فلپ اور رچرڈ بھی بیماری سے نہ بچے۔ اس لڑائی کو غزوۂ بدر سے تشبیہہ دے سکتے ہیں۔ یعنی جس طرح سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے دشمن کو اپنی پسندیدہ جگہ پر لا کر لڑایا۔ وہی طرزِ عمل سلطان نے عکا میں اختیار کیا۔

عالمگیر جنگ ثانی میں عکا کی لڑائی کو طبروق کی لڑائی سے بہت زبردست مشابہت ہے۔ مثلاً طبروق کے محصورین کی وجہ سے جرنل رومل کی فوج قاہرہ کی طرف پیشقدمی نہ کر سکی اور طبروق جرنل رومل کے پہلو میں ایک زبردست خار تھا۔ طبروق میں جب تک پہلا محافظی دستہ رہا۔ جرنل رومل اسے فتح نہ کر سکا۔ مگر اتحادی سپہ سالار نے طبروق کے پہلے محافظی دستے کی جگہ نیا دستہ بھیج دیا۔ کیونکہ یہ پہلا دستہ دو برس سے دشمن سے لڑتے لڑتے تھک گیا تھا۔ لیکن اس تازہ دم دستے نے چند ہی ماہ کے بعد رومل کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور رومل العلمین تک بڑھ گیا اور قاہرہ سخت خطرے میں پڑ گیا۔

سلطان نے عکا میں اگست ۱۱۸۹ء میں لڑائی چھیڑ دی اور اگست ۱۱۹۱ء میں صلیبیوں نے عکا کے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ سلطان نے ان دو سالوں میں کیا حاصل کیا؟ جرمن، فرانسیسی، آسٹریا

والئی صور اپنی اپنی فوجوں کو لے کر رچرڈ سے الگ ہو گئے۔ لہٰذا صلیبی فوج میں نہ صرف تعداد کے لحاظ سے کمی واقع ہوئی۔ بلکہ رچرڈ نے آئندہ آنے والے حالات کا صحیح اندازہ لگا کر چالاکی سے سلطان کو ایسی شرائط پر رضامند کرنے کی کوشش کی جو کہ رچرڈ کو معلوم تھا کہ اُسے مذکورہ لشکروں کے جانے کے بعد پوری نہ ہوں گی۔

سلطان ہوشمند اور قابل سالار تھا۔ وہ باعزم رہا اور اس طرح اُس نے رچرڈ کو دفاعی سیاست میں زبردست شکست دے دی۔ اب عزم و استقلال سے وقت کا انتظار سلطان کے لئے لازمی تھا۔ تاکہ میدان جنگ میں بھی فیصلہ کن فتح اُس کے حق میں ہو۔ بجاؤ کی لڑائی کی یہ بہترین مثال ہے ——— اب سوال یہ ہے کہ اس پر تاریخ کیوں خاموش ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سیاست کے اثرات نمایاں ہو گئے اور فلسطین میں صلیبی حکومت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ یورپ نے اپنی غرض کے لئے اس شکست کو شہرت دی۔ تاکہ یورپ کے لوگ صلیبی جنگ کے لئے چل پڑیں۔ مگر عکا اور اُس کے بعد کے حالات یورپ نے اس لئے نہ لکھے۔ کہ مغربی مورّخین یورپ کو احساس کمتری کا شکار بنانا نہ چاہتے تھے اس کے برعکس وہ یورپ کے احساس خودی کو مستحکم کرنا چاہتے تھے۔ مشرقی مورخین نے یا تو اس پر تبصرہ کرنا مناسب نہ خیال کیا یا وہ کتابیں جو لکھی گئیں برباد ہو گئیں۔

اہم سبق | بقول جرنل ٹوکر کے دوسری جنگ عظیم میں شمالی افریقہ کی لڑائی

نے یہ بات ثابت کردی۔ کہ طریقۂ جنگ جس سانچے میں زمانۂ ازل میں ڈھالا گیا۔ وہ آج تک نہیں بدلا۔ مثلاً لڑائیاں قلعہ جات کے علاقوں میں شروع ہوتی ہیں۔ آلات حرب سے ان قلعوں کو تباہ کیا جاتا ہے۔ اور افواج کی نقل وحرکت کی اہلیت ان قلعوں یا مستقروں کو اپنے قبضے میں لانے پر انحصار کرتی ہے اور اس نقل وحرکت کی بناپر افواج کو فتح یا شکست نصیب ہوتی ہے۔ یہ نمونہ ازل سے آج تک ایک ہی سا ہے۔

اگر کسی وقت کوئی حکومت یہ محسوس کرتی ہے کہ اس کی فوج کی نقل و حرکت کی اہلیت بہت کم ہے۔ تو لازماً وہ حکومت یہ سمجھے گی کہ وہ دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ لہٰذا ان حالات میں اس حکومت کو اس وقت تک دم نہیں لینا چاہیئے۔ جب تک کہ اس کمزوری کو دُور نہیں کر لیتی اور اس کمی کو دُور کرنے کے بعد اس حکومت کو یہ یقین کر لینا چاہیئے۔ کہ اس وقت دشمن کی نقل وحرکت کی اہلیت اُس کی اپنی فوج سے کہیں کم ہے۔ جب یہ حالات پیدا ہو جائیں گے۔ تو دشمن لڑائی کرنے سے گریز کرے گا۔

اس زمرہ میں ہمیں یہ بھی نہ بھولنا چاہیئے۔ کہ ہوائی جہازوں کی مدد سے حالات میں بہت سے انقلابات پیدا ہو گئے ہیں۔ مگر یہ اُصول جنگ آخرکار اپنے اصلی رُوپ میں نمودار ہو کر رہے گا۔ پہلے زمانے میں یہ اصول جنگ آغاز میں نمایاں ہو جاتا تھا۔ مگر اب درمیان یا آخر میں آتا ہے۔ مگر اس کا آنا ضروری ہے ؀

تیئیسواں باب

جنگ ارسوف

۲۳ اگست ۱۱۹۱ء کو رچرڈ نے صلیبی لشکر کو عسقلان کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ برّی فوج کو ساحل کے ساتھ بڑھنے کا حکم دیا اور بحری بیڑے کو ساحل سے کچھ فاصلے پر فوج کے تقریباً برابر سمندر رہیں سفر کرنے کا حکم دیا۔ اس طرح بحری بیڑہ شام کے وقت فوج کے قریب لنگر انداز ہوتا تھا۔

اسلامی لشکر

سلطان ابھی تک اپنے دفاعی منصوبے پر قائم تھا اور وہ اس فکر میں تھا۔ کہ کہاں اور کس طرح سے دشمن پر کاری وار کر کے اس کی پیش قدمی میں روکاوٹیں پیدا کرے۔

سلطان آگے بڑھ کر قساریہ پہنچا۔ مگر یہاں دشمن سے اُلجھنا اُس نے مناسب نہ سمجھا۔ لہٰذا وہ پھر لوٹ کر مجدل یافہ میں پہنچا۔ صلیبی لشکر ابھی یافہ میں ہی تھا۔ سلطان یہاں سے دوبارہ قساریہ شہر پر پہنچا اور رات کو

وہیں پڑاؤ ڈال دیا اور دشمن کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لئے مخبر بھیجے۔

سلطان نے صلیبی لشکر کے گرد و نواح میں جانباز دستے لگا رکھے تھے۔ جو ذرا سا موقع ملتے ہی صلیبیوں کے قافلے پر حملہ آور ہوتے تھے۔ اس وجہ سے صلیبی لشکر کی کوچ کی رفتار بہت سست ہو گئی تھی۔ نائٹ آگے سے پیچھے تک برابر قافلے کی نگہبانی کرتے تھے۔ پھر بھی مسلم جانباز موقع پا کر غارت گری کرتے اور نائٹوں کے پہنچتے ہی چھلاوے کی طرح غائب ہو جاتے۔ علاوہ ازیں تمام صلیبی فوج کو ہر وقت لڑائی کی ترتیب میں سفر کرنا پڑتا تھا۔ شدت کی گرمی، گرد و غبار اور تمام دستوں کے قریب قریب رہ کر سفر کرنے کی وجہ سے بہت سے صلیبی لشکری بیمار ہو گئے۔ پھر بھی رچرڈ آگے بڑھتا گیا۔

یکم ستمبر ۱۱۹۱ء کو جب صلیبی لشکر جھیل مردار کے قریب پہنچا تو سلطان بذاتِ خود صلیبی لشکر پر ٹوٹ پڑا۔ اس علاقہ میں بہت نشیب و فراز تھے۔ لہٰذا اسلامی شہسواروں نے دشمن کو بہت نقصان پہنچایا۔ رچرڈ نے سپہ سالاری میں قابلیت کا بہترین ثبوت دیا اور صلیبی فوج کو اُلجھنے نہ دیا اور جا بجا نائٹوں کے دستے مسلمان مجاہدوں سے لڑاتا رہا اور اس طرح وہ ارسوف کے میدان میں پہنچ گیا۔ راستہ کی جھڑپوں میں کئی نامور صلیبی کام آئے۔

۵ ستمبر کو رچرڈ نے سلطان سے سمجھوتہ کی بات چیت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ سلطان نے اپنے بھائی ملک العادل کو بھیجا اور عارضی صلح کے

جھنڈے کے نیچے گفتگو شروع ہوئی۔ رچرڈ سارے فلسطین پر قبضہ سے کسی کمتر فیصلہ پر راضی نہ ہوا۔ اس لئے گفتگو ختم ہوگئی۔

ارسوف کا میدان۔ ۷ ستمبر ۱۱۹۱ء

سلطان نے ارسوف کا میدان لڑائی کے لئے چُن لیا تھا۔ اس لئے جیسے ہی رچرڈ ارسوف سے آگے بڑھنے لگا۔ سلطان تقریباً تین ہزار رسالے کا دستہ لے کر صلیبیوں کے قافلے کے عقب پر ٹوٹ پڑا۔ یہاں پر ٹمپلر نائٹ تھے۔ اسلامی شہسواروں نے اپنی جوانمردی کے خُوب جوہر دکھلائے۔ خاص کر رسالے کے تیر اندازوں نے صلیبیوں کو بہت عاجز کیا اور بہت سے صلیبی زخمی ہوئے یا کام آئے۔ رچرڈ بھی تیر لگنے سے زخمی ہوا۔ مسلم رسالے کے شہسواروں نے صلیبی لشکر کے بڑے کمانی دار تفنگ (جو کندھے کی مدد سے چلتی تھی) چلانے والوں پر کئی بار حملے کر کے ان میں سے بہتوں کو قتل کر دیا۔

لین پول صلیبیوں کی حمایت کرتا ہوا لکھتا ہے۔ کہ گرمی کے باعث صلیبی نڈھال ہو رہے تھے اور وہ مسلمانوں پر جوابی حملہ کر کے اپنی جان چُھڑانا چاہتے تھے۔ مگر رچرڈ نے ان کو اجازت نہ دی۔ یہ لڑائی ۶ ستمبر تک جاری رہی اور صلیبی لشکر نہر خلاک کے کنارے پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر رچرڈ کو معلوم ہوا کہ سلطان کو اور کمک پہنچ گئی ہے۔ لہٰذا اُس نے اس ترتیب سے کوچ کرنا شروع کیا:۔

(ترتیب اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے)

تقریباً ۹ بجے دن کے وقت صلاح الدین کے شہسواروں نے صلیبی لشکر کے عقب پر حملہ کیا۔ ہاسپلٹر نائٹوں میں سے بہت سے کام آئے اور زخمی ہوئے۔ اس بار بھی ٹمپلر نائٹوں کی طرح سے ہاسپلٹر نائٹوں نے بدلہ لینے کی غرض سے مسلمانوں پر جوابی حملے کے لئے بار بار درخواست کی۔ مگر رچرڈ کا جواب ہر بار یہی تھا۔ کہ لڑتے لڑتے آگے بڑھتے جاؤ۔ ساتھ ہی رچرڈ نے یہ حکم دیا۔ کہ جب مناسب وقت آئے گا تو وہ بگل کی آواز سے حکم حملہ دے گا۔ اس وقت پیدل فوج صلیبی نائٹوں کو نکلنے کی جگہ دے دے اور اس طرح مسلم فوج سے بدلہ لیا جائے گا۔ صلیبی فوج نے بہت دیر تک انتہائی ضبط و صبر سے کام لیا۔ مگر آخرکار چند ٹمپلر نائٹ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ رچرڈ نے آخرکار حملہ کا حکم دے دیا۔ مسلم لشکر فوراً منتشر ہو گیا۔ مگر

سلطان نے اُسے پھر سے جمع کر کے صلیبی لشکر کے دُوسرے حصّے پر جوابی حملہ کیا۔ صلیبی لشکر اس حملہ کے لئے تیار نہ تھا۔ لہٰذا وہ پھر جافہ کی طرف پہلی ترتیب کو اختیار کر کے بڑھنے لگا۔ رچرڈ نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا کیونکہ وہ خُوب جان گیا تھا کہ سلطان کی فوج بہت ہوشمندی سے دفاعی منصوبے پر چل رہی ہے اور وہ سلطان سے ایسے مقام پر اُلجھنے کو تیار نہ تھا جہاں کا میدان جنگ اُس کے اپنے دفاعی منصوبے کے موافق نہ تھا۔ گو اس منصوبہ پر عمل کرنے میں اُسے بہت جانی اور مالی نقصان ہو رہا تھا۔ مگر وہ اپنی فوج کو فیصلہ کن شکست سے بچا کر لے گیا۔ ہاں یہ ضرور ہوا۔ اس جانی نقصان کو صلیبی لشکریوں نے بہت محسوس کیا اور بقول لین پول کئی صلیبی یہ پکار اُٹھے کہ وہ کیوں کروسیڈ کے لئے اپنے وطن سے ایسی تکلیف اور سختیاں اٹھانے کے لئے آئے تھے۔ سلطان کا حملہ زیادہ کامیاب نہ رہا۔ کیونکہ صلیبی اسی طرح جنوب کی طرف بڑھتے رہے۔ اس غیر فیصلہ کن جنگ نے رچرڈ کے وقار کو بہت بڑھا دیا اور صلیبی پُوری طرح اُس کی اطاعت کرنے لگے۔

یہ جنگ ارسوف کی لڑائی کے نام سے مشہور ہے۔ جیمز آف آوسی جو کہ صلیبی لشکر میں بہت ہی مشہور بہادر اور جنگجو نائٹ تھا۔ اس لڑائی میں کام آیا۔ اس جنگ میں طرفین کا جانی نقصان بہت کم ہوا۔ مسلمانوں کا نقصان برائے نام تھا۔

صلیبی لشکر جافہ میں

۹ ستمبر ۱۱۹۱ء کو عکا سے تین ہفتہ تک سفر کرنے کے بعد اور سلطان کے لشکریوں کے بار

بار حملے سے بہت سا جانی نقصان اُٹھانے کے بعد رچرڈ جافہ پہنچا۔ جافہ خالی تھا اور خستہ حال میں تھا۔ مگر اس شہر کے گرد و نواح میں بہت سرسبز علاقہ تھا۔ رچرڈ نے فوراً جافہ کو مرمت کرنے کا حکم دیا اور صلیبی لشکری سفر کی تھکان دُور کرنے کی غرض سے اس مقام میں قیام پذیر ہو گیا۔ صلیبی یہاں پہنچ کر بہت خوش تھے۔ جلد ہی بحری بیڑہ بندرگاہ میں لنگر انداز ہو گیا۔ سامان رسد کے علاوہ عیش و نشاط کا سامان بھی عکہ سے جافہ لے آیا۔ اگرچہ اسلامی لشکر ارسوف میں رچرڈ کے نائٹوں کے حملے سے کچھ نقصان اُٹھا چکا تھا۔ مگر ان کے حوصلے بلند تھے۔ سلطان کی ہوشمندی سے مجاہد اپنی سبک رفتاری کے باعث خطرے کے مقام سے نکل کر دُوسری جگہ صلیبی لشکر پر حملہ آور ہوئے تھے اور اپنا انتقام پُوری طرح سے لے لیا تھا۔ سلطان رچرڈ سے مرعوب نہ تھا۔ وہ کسی طرح بھی یروشلم کو رچرڈ کے قبضہ میں نہ جانے دے سکتا تھا۔ وہ اپنی فوج کو لے کر رملہ پہنچا۔ یہ بیت المقدس کو جانے والی سڑک پر تھا۔ وہاں رچرڈ کی آئندہ پیشقدمی کا انتظار کرنے لگا۔

دفاعی معمّہ رچرڈ اور اُس کے لشکری جافہ میں پہنچ جانے سے بہت خوش تھے۔ صلیبی زخمی اچھے ہو گئے، بیمار صحت یاب ہو گئے تھے۔ بحری بیڑہ نے ہر قسم کے سامان سے جافہ کو بھر دیا تھا۔ مگر رچرڈ کے سامنے یہ دفاعی مسئلہ تھا کہ وہ آگے کس طرح بڑھے۔ قاریہ سے دینہ تک کے ساحلی قلعے سلطان کے قبضے میں تھے۔ علاوہ عکہ سے انطاکیہ تک کا ساحل بھی صلیبیوں کے قبضے میں نہ تھا۔ مثلاً بیروت کا قلعہ سلطان کے پاس تھا۔ عکہ کی فتح میں بہت

وقت لگ گیا تھا۔ عکا سے جافہ پہنچنے میں ہفتے لگ گئے اور اب جافہ پہنچنے کے بعد تقریباً چار ہفتے گذرنے والے تھے اور ابھی عسقلان سلطان کے ہاتھ میں تھا۔ پہلے کروسیڈ نے یہ واضح کر دیا تھا کہ عسقلان کے بغیر فلسطین پر مستقل طور سے حکمرانی ناممکن ہے۔ لہٰذا رچرڈ نے یہ طے کیا کہ وہ جلد از جلد عسقلان پہنچ جائے۔ مگر سلطان کو اس کا ارادہ معلوم ہو گیا تھا۔ اُس نے رملہ سے ایک فوجی دستہ عسقلان بھیج دیا۔ تاکہ وہ رفتہ رفتہ اُس کو برباد کر دیں۔ اپنے ارادے کے اظہار سے پہلے رچرڈ نے پھر ملک العادل کے پاس صلح کے لیئے سفیر بھیجے اور سلطان سے یہ درخواست کی کہ فلسطین کے تمام ساحلی شہر و مقامات صلیبیوں کو دے دے۔ سلطان نے اس گفت و شنید میں ڈھیل ڈال دی۔ اس طرح سے تقریباً ایک مہینہ گذر گیا۔ سوال یہ ہے کہ سلطان نے ایسا کیوں کیا؟

سلطان کو عسقلان کی اہمیت خُوب معلوم تھی۔ وہ خوب سمجھتا تھا کہ رچرڈ فوج کو آرام دے رہا ہے: تاکہ وہ مستعدی سے پیشقدمی کر سکے۔ اس کی مدد کے لیئے اور دستے عکا سے آرہے ہیں۔ لیکن سلطان یہ چاہتا تھا کہ جب تک وہ عسقلان کو مکمل طور سے برباد نہ کر دے۔ وہ اس سفارتی گفت و شنید کو التوا میں ڈال دے۔ اس نے ہر طرح سے عسقلان کی بربادی کو خفیہ رکھا۔ تاکہ دشمن کو اس کے ارادوں کا پتہ نہ چلے۔ شاید رچرڈ کو عسقلان کی بربادی کی اطلاعیں مخبروں سے نہ ملیں۔ کیونکہ اس نے عسقلان کو بربادی سے بچانے کے لیئے کوئی مؤثر قدم نہ اُٹھایا۔ اس طرح سلطان اپنے اس

منصوبے میں کامیاب ہو گیا۔

عسقلان کی بربادی پر لوگوں نے احتجاج کیا۔ مگر سلطان نے اُس کی ضرورت سمجھا دی۔ اس کام کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے سلطان بذات خود عسقلان کی بربادی میں کام کرتا رہا۔ عسقلان کو تباہ کرنے کے بعد سلطان رملہ اور لُد گیا اور وہاں کے قلعوں اور فصیلوں کو بھی گرا دیا۔ رچرڈ جافہ کو پھر سے تعمیر کر رہا تھا اور سلطان عسقلان، لُد اور رملہ کو برباد کرنے کے بعد بیت المقدس اور قدس گیا۔ تاکہ وہاں کے دفاعی انتظامات کے لئے مناسب احکامات جاری کر دے۔ اس کے بعد اُس نے النظروں جا کر وہاں کی فصیلوں کو بھی گرا دیا۔

کانراڈ کی سفارت

ان ایام میں ادھر تو رچرڈ کے سفیر آ رہے تھے اور اُدھر کانراڈ کے سفیر سلطان کے پاس آئے اور اُنہوں نے یہ درخواست کی۔ کہ اگر سلطان صور، صیدا اور بیروت پر کانراڈ کے خود مختار حکمران کے حقوق تسلیم کر لے۔ تو کانراڈ رچرڈ پر حملہ کر کے عکا کو چھین کر سلطان کے حوالے کر دے گا۔

سلطان نے خود تو اس کا جواب نہ دیا اور ملک العادل سے یہ کہلا دیا۔ کہ پہلے کانراڈ عکا کو حاصل کرے تو پھر تبادلے پر بات چیت ہو گی۔

رچرڈ کی قدس کی طرف پیشقدمی اور واپسی

آخر کار رچرڈ اکتوبر ۱۱۹۱ء کے آخر میں قدس کی طرف بڑھا اور رملہ، لُد کے درمیان کروسیڈی قلعے جس کا

نام "کیل دی بلیز" یعنی میدانی علاقے کا قلعہ، اس کے قریب جا ٹھہرا اور ۳۔ جنوری کو وہ بیت النوبہ پہنچ گیا۔ جو کہ قدس سے صرف دس میل کے فاصلے پر تھا۔ انگریز اور فرینک بہت جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ مگر برسات اور برفباری نے صلیبی لشکر کو بہت نقصان پہنچایا۔ لشکری اور جانور بیمار پڑ گئے۔ رسد کا سامان بھیگنے کی سے وجہ سے برباد ہو گیا۔ رچرڈ کو شام کے کروسیڈی نائٹوں نے جافہ لوٹ جانے کا مشورہ دیا۔ لہٰذا وہ جافہ جانے کے لئے ۱۳ جنوری ۱۱۹۲ء کو رملہ پہنچا۔

رچرڈ کے اس فیصلے نے فرانسیسی لشکر میں سخت ہیجان پیدا کر دیا۔ مغربی مصنّف ٹی آرچر نے اس ہیجان کی وجہ یہ بتلائی ہے، کہ شاہ فلپ جو صور میں بیمار پڑا تھا۔ اس بات سے ہرگز خوش نہ تھا۔ کہ اُس کے سپاہی رچرڈ کے جھنڈے کے تلے لڑیں اور کامیابی کی صُورت میں نام رچرڈ کا ہو۔ یہ فلپ کے اقتدار کے لئے (خصوصاً فرانس میں) بہت ہی نقصان دِہ ثابت ہو سکتا تھا۔ علاوہ ازیں کانراڈ کی سیاسی پالیسی سے شاہ رچرڈ خوش نہ تھا۔ کیونکہ کانراڈ سلطان سے سیاسی جوڑ توڑ کر رہا تھا۔

بہرحال رچرڈ کے حکم کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ فرانسیسی لشکر کا بہت بڑا حصہ جافہ اور عکا واپس لوٹ گیا۔ واپس جانے والوں میں برگنڈی کا ڈیوک بھی تھا۔ ان حالات نے رچرڈ کو سخت پریشان کیا اور اُس نے اس بات کی ضرورت محسوس کی باقیماندہ لشکر کی ہمّت بڑھانے کے لئے عملی قدم اُٹھایا جائے۔ دو ہی دن بعد رچرڈ نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ وُہ عسقلان کی طرف پیشقدمی کریگا

اور سخت برفباری اور بارش میں وُہ سفر کرتا ہوا تیسرے دن وہ عسقلان میں پہنچا۔ عسقلان ایک ویرانہ تھا۔ رچرڈ وہاں ۲۰ رجنوری ۱۱۹۲ء میں پہنچا۔ عسقلان آنے پر رچرڈ نے بہت سے فرانسیسی سپاہیوں کو بہلا پھسلا کر عسقلان واپس بُلالیا اور رچرڈ کی چرب زبانی نے ان کو اس بات پر آمادہ کر لیا۔ کہ ایسٹر تک وہ حالات کا اندازہ لگائیں۔ کیونکہ ان ایّام میں وہ آگے بڑھنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ رچرڈ نے ایک مؤثر تقریر کی اور سب صلیبی نائٹوں، اُمرا اور سپاہیوں دیگر لوگوں کو اس بات پر راضی کر لیا۔ کہ وُہ عسقلان کو پھر سے تعمیر کریں۔ اس کام کے لئے رچرڈ نے اپنے خزانے سے بہت سا روپیہ تعمیر کے لئے صرف کیا۔ آخر کار عسقلان پھر سے رہائش کے قابل ہو گیا۔ وہاں چار ماہ کے قیام میں اُس نے عسقلان کو فلسطین کے ساحل پر سب سے مضبوط قلعہ بنا دیا۔

اس اثنا میں رچرڈ حسب معمول سفارتی ذریعے سے صلح کے لئے جد و جہد کرتا رہا۔ اپنے جافہ کے قیام کے دوران میں اُس نے سلطان سے تمام ساحلی علاقہ مانگا تھا۔ مگر اب اُس نے اپنی مانگ میں بتدریج کمی کر دی تھی اور اب اُس نے ایک نئی سیاسی چال کو اختیار کیا اور وہ یہ تھا کہ اُس نے ملک العادل کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی اور یہ تجویز پیش کی کہ

۱۔ رچرڈ کی بہن سسلی کی شہزادی جوانہ کی شادی العادل سے ہو جائے۔

۲۔ سلطان فلسطین بطور تحفہ العادل کو دے دے۔

۳۔ یہ ساحلی علاقہ جو رچرڈ نے فتح کیا ہے (معہ عسقلان کے) بطور مہر العادل

کی بیوی ملکہ جوآنہ کو دے دیا جائے۔

۴۔ العادل اور جوآنہ قدس میں رہیں تاکہ مسلمان اور عیسائی بلے روک ٹوک آ سکیں۔

۵۔ صلیب اعظم واپس کر دی جائے۔

جب یہ تجویز سلطان کو پہنچائی گئی تو اُس نے رضامندی دے دی۔ العادل کو رچرڈ نے ملاقات کے لئے دعوت دی اور جب العادل صلیبی کمپ میں گیا تو اُس کی بہت زبردست آؤبھگت کی گئی۔ مگر رچرڈ بیماری کی وجہ سے العادل سے نہ مل سکا جس کی وجہ مغربی مورخین نے یہ لکھی ہے کہ رچرڈ نے اپنی فصد کھلوائی تھی۔ لیکن مشرقی مورخین نے لکھا ہے کہ فصد کا اُسی وقت کھلوانا ایک عذر تھا۔ درحقیقت پادریوں کے دباؤ اور کہنے سے شہزادی جوآنہ نے ایک مُسلم سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا اور العادل کو عیسائی مذہب کی دعوت دی جسے العادل نے نرمی سے رد کر دیا تھا۔ بہر حال العادل نے ۸ نومبر کو رچرڈ کو ایک شاندار دعوت پر مدعو کیا تھا جس میں بہت محبت اور اخلاص کا اظہار کیا تھا۔

ڈی۔ آرچر اس سفارتی گفت و شنید کی وجوہات یہ بیان کرتے ہیں :۔

۱۔ دونوں بادشاہ اپنے منصوبوں کے مکمل ہو جانے کے لئے وقت چاہتے تھے اور لڑائی کو ملتوی رکھنا چاہتے تھے۔

(۱) رچرڈ کی دراصل مرضی یہی تھی۔ کہ جب تک وہ عسقلان اور جافہ کو ایک مضبوط مستقر نہ بنالے اس وقت تک سلطان کو لیت و لعل میں

ڈال کر حملہ کرنے سے رک گئے۔

(ii) صلاح الدین موسم سرما کا زمانہ امن سے گذارنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اُس کی فوج کا زیادہ حصہ دمشق، حلب، موصل وغیرہ میں آرام لینے یا اس علاقے کی حفاظت کے لئے جا چکا تھا۔

۲۔ طرفین مسلسل لڑائی سے گھبرا گئے تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی سمجھوتہ ہو جائے۔ دونوں طرف پریشان کن حالات درپیش تھے۔

(i) رچرڈ شاہ فرانس فلپ اور کانراڈ کی ریشہ دوانیوں سے بہت پریشان تھا۔ کانراڈ نے جب کبھی رچرڈ سے کوئی مدد مانگی تو اس نے عذر داری پیش کر دی۔ علاوہ ازیں کئی شامی نائٹ کانراڈ کا دم بھرنے لگے تھے۔

(ii) اور سلطان زنگی خاندان کے ورثا کے سیاسی نظریے اور وفاداری سے مطمئن نہ تھا۔

(iii) رچرڈ نے عسقلان کی تعمیر کے زمانے میں کانراڈ سے مدد مانگی تھی اور وہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ مگر اس نے پھر عذر داری کر دی، اور فروری ۱۱۹۲ء میں جب رچرڈ نے ڈیوک آف برگنڈی کو مالی مدد دینے سے انکار کر دیا تو وہ اپنی فوج لے کر عسقلان سے نکل چلا گیا۔ یعنی فرانسیسی فوج کا بہت بڑا حصہ پھر سے رچرڈ سے الگ ہو گیا۔ اگرچہ اطالوی صلیبی رچرڈ کے ساتھ دینے کا حلف اُٹھا چکے تھے مگر ہسپانیہ کے صلیبی لشکری کانراڈ کے معاون بن گئے تھے۔

(۷) رچرڈ کو یہ خبر ملی تھی کہ اُس بھائی جان نے جو نائب السلطنت کا کام کرتا تھا۔ اس کے خلاف سازباز شروع کر رکھی تھی اور رچرڈ کی جگہ خود تخت نشین ہونا چاہتا تھا۔

شاہ رچرڈ کی مشکلات

ماہ فروری میں رچرڈ کو اطلاع ملی کہ عکا میں پیسا اور جنوا کے صلیبیوں میں پرانی رنجش کے باعث پھر سے جنگ چھڑ گئی ہے۔ پیسا کے لوگوں نے شاہ گائی کی طرف سے عکہ پر قبضہ کر لیا اور تین روز تک باوجود برگنڈی کے ڈیوک اور کانراڈ کی مخالفت کے شہر پر قبضہ کئے رہے اور رچرڈ سے مدد کرنے کی درخواست کی۔ ۲۰ فروری کو رچرڈ عکہ پہنچا اور صلح کی کوشش کی وہ کانراڈ سے بھی ملا اور عسقلان آنے کی دعوت دی۔ مگر اُس نے انکار کر دیا اور کسی دھمکی کی پرواہ نہ کی۔ رچرڈ وہاں کے لوگوں میں عارضی صلح کرا کر عسقلان واپس آ گیا۔ اس واقعہ نے اس کو اور بھی یقین دلا دیا کہ اس کو صلاح الدین سے صلح کر کے فوراً چلا جانا چاہیئے۔

صلح کی دوسری کوشش

رچرڈ العادل سے برابر گفت وشنید کر رہا تھا۔ اُس نے اپنے سفیر اسٹفن کو قدس روانہ کیا تاکہ صلاح الدین اور العادل سے مل کر صلح کی بات کرے۔ اسٹفن یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کانراڈ کے سفیر صلاح الدین سے گفت و شنید کے لئے وہاں موجود تھے۔ ۲۰ مارچ بہر حال العادل صلحنامہ کی باقاعدہ شرطیں طے کر کے رچرڈ کے کیمپ میں پہنچا۔ شرطیں یہ تھیں:-

(i) صلیبی جو علاقے ان کے پاس ہیں اپنا قبضہ برقرار رکھیں۔

(ii) تمام عیسائیوں کو یروشلم کی زیارت کی اجازت ہو گی۔

(iii) لاطینی پادری بیت المقدس کے محافظ رہیں گے۔

(iv) بیروت کا علاقہ بھی صلیبیوں کو دے دیا جائے گا اگر وہ اس کو قلعہ بند نہ کریں۔

رچرڈ نے العادل کی بڑی آؤ بھگت کی اور ایک خاص اعزاز کے طور پر العادل کے ایک بیٹے کو رسمی تزک و احتشام کے ساتھ نائٹ بنا دیا۔ جب العادل سلطان کے پاس واپس گیا اور رچرڈ کی شرائط پر رضامندی کی اطلاع دی تو ایسا معلوم ہونے لگا کہ جلد صلح ہو جائے گی۔ مگر انہی ایام میں سلطان کو خبر ملی کہ رچرڈ ایک طرف صلح کے لئے ہاتھ بڑھا رہا ہے اور دوسری طرف اس کی فوج دلدرم کے شہر کی طرف بڑھ گئی ہے۔

رچرڈ اور کانراڈ

رچرڈ نے صلیبیوں کے جھگڑے کو طے کرنے کے لئے نائٹوں اور سرداروں کی مجلس بلائی اور ان کو بتلایا کہ میں جلد واپس جانا چاہتا ہوں۔ اس لئے وہ فوراً بیت المقدس کے تخت و تاج کا مسئلہ طے کرنا چاہتا ہے۔ ان سب نے بجائے شاہ گائی کے کانراڈ کا نام تجویز کیا اور رچرڈ نے اس فیصلہ کا احترام کرتے ہوئے کانراڈ کو شاہ فلسطین مان لیا۔ لیکن اس صلحنامے کے چند دن بعد یعنی ۲۰ اپریل بروز دوشنبہ کانراڈ عجیب حالات میں قتل ہوا۔ فرانسیسی اور شامی کروسیڈوں نے رچرڈ کو کانراڈ کا قاتل ٹھہرایا کہ اس نے دو حشیشی اسماعیلی کے ہاتھ سے کانراڈ

کو مروا دیا ہے۔ کانراڈ کا قتل صلیبیوں کے لئے ایک بڑا سانحہ تھا۔ بہر حال اب ملکہ آئی زابیل آزاد تھی کہ جس کے ساتھ چاہے شادی کر کے اس کو شاہ فلسطین بنا دے۔ صور کی ملکہ آئی زابیل نے یہ اعلان کیا کہ وہ رچرڈ کے نمائندہ کی حیثیت سے صور کی ملکہ رہے گی۔ مگر فرانسیسیوں نے صور کو فرانسیسی بادشاہ کا حق قرار دیا۔ یہ کشمکش جاری تھی کہ رچرڈ کا بھتیجا ہنری آف شمپین اچانک صور میں پہنچ گیا۔ عوام نے آئی زابیل اور ہنری سے یہ استدعا کی۔ کہ وہ دونوں شادی کر لیں اور عوام اُن کو صور کا والی تسلیم کر لیں گے۔ رچرڈ نے اس تجویز کو فوراً تسلیم کر لیا۔ ۵ مئی ۱۱۹۲ء کو ہنری اور زابیل کی شادی ہو گئی اور وہ دونوں شاہ اور ملکہ کی حیثیت سے عکا میں مقیم ہو گئے۔ اس انتظام نے رچرڈ میں نئی جان ڈال دی اور اُس کے دل میں پھر سے مشرق میں ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالنے کی اُمنگ تازہ ہو گئی۔

رچرڈ نے معزول شدہ شاہ گائی کو جزیرہ قبرص عطا کر دیا اور ساتھ ہی اُسے یہ کہہ دیا کہ جو اسلامی سلطنت کا اندرونی علاقہ وہ فتح کرے گا وہ اس کو دے دیا جائے گا۔ گائی مئی میں قبرص پہنچا اور وہاں کا حاکم بن گیا۔ اس طرح رچرڈ نے فرانسیسی شامی اور دیگر یورپی صلیبیوں کو اپنا ہمدرد بنا لیا۔

رچرڈ کا دلدرم پر قبضہ

رچرڈ نے صلحنامہ کی تمام گفت و شنید کے باوجود سلطان پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ رچرڈ کو معلوم تھا کہ سلطان کی فوجیں الجزیرہ میں بغاوت کو دبانے میں لگی

ہوئی ہیں اور یہ بغاوت قیصر روما والئی انطاکیہ اور رچرڈ کی ساز باز سے ہوئی تھی۔ لہٰذا اپنی سیاسی اُلجھنوں کو درست کرنے کے بعد رچرڈ ۲۳ مئی ۱۱۹۲ء کو دلدرم کی طرف بڑھا اور اس پر قبضہ کرکے اپنے بھتیجے ہنری کے سپرد کر دیا۔ اس فتحیابی پر جشن منایا گیا۔ اسٹون نسمین لکھتا ہے کہ رچرڈ نے سلطان کے عمدہ اخلاق سے کچھ نہ سیکھا تھا۔ رچرڈ نے الدرم کے محافظین میں سے سب کو یا تو قتل کرایا یا فصیل سے نیچے پھینک دیا یا ہمیشہ کے لئے قید کر دیا۔

رچرڈ کی پریشانی

فلسطین کے ساحل پر سلطان کے آخری قلعہ کی اس قدر آسانی سے فتح نے صلیبیوں کی ہمت بہت بڑھا دی اور اُنہوں نے پھر بیت المقدس پر حملہ کی تیاری شروع کر دی۔ ہنری اور دوسرے فرانسیسی دلدرم کی فتح کے دوسرے روز عکا سے وہاں پہنچے اور جشن میں شریک ہوئے۔ اس کے فوراً ہی بعد صلیبی لشکر عسقلان واپس آگیا۔ فرینک اور انگریز لشکری سب بیت المقدس پر فوراً حملے کا اصرار کرنے لگے۔ لیکن رچرڈ کو اسی عرصہ میں انگلستان سے بہت پریشان کن خبریں ملیں۔ اس کے علاوہ اس کو اس مہم کی کامیابی پر شک تھا وہ انتہائی پریشانی کے عالم میں دو تین روز تک بستر سے بھی نہ اُٹھا۔ بڑی مشکل سے کئی پادریوں نے اس کو غیرت دلا کر بستر سے اٹھایا اور اس نے ایسٹر تک فلسطین میں ٹھہرنے کی قسم کھائی۔ ۷ جون کو رچرڈ خود عسقلان سے بیت نوبا پہنچ گیا اور وہاں ایک ماہ تک نئے شاہ ہنری کا منتظر رہا۔

کیونکہ وہ عکا سے کمک لینے گیا تھا اور بغیر رسد اور بار بردار جانوروں کے بیت المقدس کی پہاڑیوں میں داخل ہونا ناممکن تھا

سلطان کی دفاعی تیاریاں

سلطان خاموش نہ تھا۔ اُس نے پہلے تو دلدرم میں صلیبی دستے پر اچانک حملہ کر کے اُسے بہت جانی نقصان پہنچایا اور پھر رچرڈ کی فوج سے بیت نوبا میں اُلجھ گیا۔ تاکہ سلطان رچرڈ کی بیت المقدس پر پیشقدمی میں سخت مُزاحمت کرے اور ساتھ ہی اُس نے تمام فوجوں کو جلد سے جلد اپنے پاس آنے کا حکم دیا۔ اس عرصہ میں صلیبیوں کو اس امر سے بہت خوشی ہوئی کہ ان کو صلیب مقدس کے دو حصّے دو جگہ سے دستیاب ہو گئے۔ یہ حصّے زمین میں دفن تھے۔ جب رچرڈ بیت نوبا میں تھا تو اُسے خبر ملی کہ مصر سے ایک بڑا قافلہ سلطان سے غلہ اور روپیہ لا رہا ہے۔ لہٰذا اُس نے اس قافلے پر چھاپہ مارنے کا تہیّہ کر لیا۔ یہ چھاپہ صلیبیوں نے رات کے وقت مصریوں پر مارا۔ جبکہ وہ بے خبر سو رہے تھے۔ صلیبیوں نے سارے سامان پر قبضہ کر لیا۔ یہ سامان تین ہزار اناج سے لدے ہوئے اُونٹ، پانچسو گھوڑے (جو سلطانی رسالے کے لئے مصر سے بھیجے گئے تھے) اور کئی روپیہ اور کپڑے سے لدے ہوئے خچروں پر مشتمل تھا۔ بہت مصری نوجوان بچا کر بھاگ گئے اور باقی صلیبیوں کے ہاتھ قتل ہوئے۔

جہاں رچرڈ کے لئے یہ کامیابی بہت اہم تھی۔ وہاں سلطان کے لئے بہت ہی تشویشناک تھی۔ کیونکہ اب صلیبیوں کے پاس غلہ، باربرداری

کے جانور اور روپیہ بافراط ہو گیا تھا۔ بہرحال سلطان نے رچرڈ کی پیشقدمی میں رکاوٹ ڈالنے کی غرض سے قدس کے گرد و نواح کے تمام پانی کے ذخیروں کو آناً فاناً تباہ کر دیا۔

صلیبی مجلس مشاورت

گو عکا سے ابھی کمک نہیں پہنچی تھی۔ لیکن اس قافلے کو لوٹ لینے سے صلیبی بہت مغرور ہو گئے تھے اور فرانسیسیوں نے رچرڈ کو فوراً قدس پر حملہ کرنے کے لئے مجبور کرنا شروع کیا۔ رچرڈ اس حملے کے لئے تیار نہ تھا۔ اُس کے مخبروں نے اس کو آگے پانی کی سخت قلّت کی اطلاع دے دی تھی۔ اس کے علاوہ صلیبی لشکر کی واپسی کے بعد بیت المقدّس پر قبضہ کرنے کا سوال بھی درپیش تھا اور اس نے فوری حملے کے طرفداروں سے کہا۔ اگر وُہ اپنی ضد پُوری کرنی چاہتے ہیں۔ تو اس صورت میں فرانسیسی فوج ہراوّل میں بڑھے اور وہ اپنی فوج کو لے کر عقب میں بحیثیت امدادی لشکر کے پیشقدمی کرے گا۔ جب بات بڑھ گئی تو یہ طے پایا کہ بیس نائٹوں کی مجلس مشاورتی جو طے کرے اس پر عمل کیا جائے گا۔ اس مجلس کے سامنے یہ سوال پیش کئے گئے:-

(i) کیا فوراً قدس پر حملہ کیا جائے؟ (ii) کیا بیروت اور دمشق پر حملہ کیا جائے؟ (iii) کیا قاہرہ پر حملہ کیا جائے؟ اس مجلس مشاورتی نے یہ فیصلہ کیا کہ فوراً قاہرہ پر حملہ کیا جائے اور اس شہر کی فتح کے بعد فلسطین خود بخود بلا سخت مزاحمت کے زیر ہو جائے گا۔

فرانسیسیوں نے اس فیصلے کو نہ مانا اور اصرار کیا کہ قدس پر حملہ کیا جائے ورنہ وہ لوگ واپس چلے جائیں گے۔ رچرڈ نے ان کو سمجھانے کی از حد کوشش کی مگر فرانسیسی نہ مانے۔ لہٰذا ۴ جولائی ۱۱۹۲ء کو اس نے اپنی افواج کو رملہ کی طرف لوٹ جانے کا حکم دیا۔ رچرڈ رملہ سے جافہ آیا اور پھر سے صلاح الدین سے سفارتی گفت و شنید شروع کر دی۔

صلح کی تیسری گفت و شنید

رچرڈ نے سلطان کو لکھا میں آپ کی دوستی کا خواہشمند ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ فرعون کی طرح سے زمین پر قبضہ کیئے جاؤں اور میرے خیال میں آپ بھی ایسا کرنا نہیں چاہتے۔ لہٰذا مناسب تو یہ ہے کہ ہم آپس میں لڑائیاں لڑ کر اپنے سپاہیوں (مسلمانوں اور عیسائیوں) کو موت کی نیند نہ سلائیں۔ میں اپنی طرف سے شاہ ہنری کو مفتوح علاقے کا والی بنا کر جا رہا ہوں اور میں اُسے آپ کو سونپ رہا ہوں تاکہ وہ اس کا لشکر آپ کے تابع رہے۔ آپ اُسے جو حکم دیں گے وہ اس کی پیروی کرے گا۔ میں پادریوں اور راہبوں کے لئے کچھ گرجے اور کنیسے کی درخواست کرتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے آپ میری اس درخواست پر فیاضی سے غور کریں گے۔

سلطان نے اس خط کا جواب ان الفاظ میں دیا۔

"جب آپ ہمارے اس قدر قریب آنا چاہتے ہیں تو آپ نے ہم سے تعاون کرنے کا اس قدر خوش اعتقادی سے تہیہ کر لیا ہے تو ہم بھی احسان کا بدلہ احسان سے ہی دیں گے، آپ کے بھتیجے ہنری کو میں اپنی اولاد کی

طرح سے سمجھوں گا۔ میں آپ کو گرجا اور کنیسہ بھی دے دوں گا۔ بیت المقدس کے گرجوں میں لاطینی پادریوں کو مقرر کر دوں گا۔ اب رہے شہر، ان میں سے جو ہمارے قبضہ میں ہیں وہ ہمارے پاس رہیں اور جو تمہارے پاس ہیں ان پر تمہارا قبضہ تسلیم کریں گے، عسقلان اور اس کے آگے کے شہر نہ آپ کے ہوں گے اور نہ ہمارے۔ عسقلان کے قلعہ کو توڑ دیا جائے گا۔"

رچرڈ نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ الدرون سے انطاکیہ کے تمام مقامات صلیبیوں کے حوالے کیئے جائیں گے اور عسقلان کا شہر بھی اسی طرح قلعہ بند حالت میں اُن کو دیا جائے۔ سلطان نے رچرڈ کے خط میں رویہ بدلا ہوا دیکھا اور سلطان کو مخبروں نے اطلاع دے دی تھی۔ کہ رچرڈ درحقیقت تیاری کے لئے وقت چاہتا ہے اور وہ بیروت پر حملے کی تیاری کر چکا ہے۔ اس کے بعد ہی رچرڈ عکا چلا گیا۔

جافہ کی جنگ

سلطان نے رچرڈ کی چال کو مات کرنے کی غرض سے ۲۶ جولائی کو جافہ پر حملہ کر دیا اور پانچ دن کے محاصرے کے بعد شہر کو فتح کر لیا۔ قلعہ کے صلیبیوں نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کیا اور قلعے میں محصور ہو گئے۔

رچرڈ نے جیسے ہی جافہ پر حملے کی خبر سنی اُس نے فرانسیسیوں سے مدد کے لئے درخواست کی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ ان میں بہت سے جہازوں پر سوار ہو کر عکا سے اپنے وطن کے لئے چل پڑے۔ رچرڈ پچاس بحری جہازوں پر اپنے لشکر کو لے کر عکا سے جافہ کو روانہ ہوا۔ جہاں وہ ۳۱ جولائی کو پہنچ گیا

اور وہاں پر اُس نے شہر کی فصیلوں پر سلطان کا جھنڈا لہراتے ہوئے دیکھا۔ رچرڈ کے جہاز کو دیکھتے ہی شہر کے پادری سمندر میں تیر کر رچرڈ کے پاس آئے اور حالات کی خبر دی۔ رچرڈ فوراً ساحل پر اس وقت اُترا جبکہ سلطان کی فوج کے بہت سے لشکری شہر میں لُوٹ مار کر رہے تھے اور کچھ عیسائی لشکریوں کو جو قلعہ میں تھے ان کو نکال رہے تھے۔

رچرڈ کا حملہ اسلامی لشکریوں پر بے خبری کے عالم میں ہوا۔ اب وہ مسلم لشکری جو بے ترتیبی سے پھیلے ہوئے تھے ان پر قلعے کے صلیبیوں نے اچانک حملہ کر دیا۔ لہٰذا یہ مسلم سپاہی بیخبری میں دو جانب سے بُری طرح گھیرے میں آ گئے۔ ان حالات کو دیکھ کر سلطان نے سب کو یکدم نکل جانے کا حکم دیا اور خود ایک دستہ لے کر اُن کے عقب کی حفاظت کے لئے کھڑا ہو گیا۔ رچرڈ دانا دشمن تھا اس نے مسلمانوں کو اپنے نائٹوں پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی۔ مگر سلطان یہ چاہتا تھا کہ وہ جافہ سے ہٹ کر کھلے میدان میں اُس سے مڈھ بھیڑ کرے۔ لہٰذا دونوں فوجیں ایک دوسرے سے جُدا ہو گئیں اور کسی نے ایک دُوسرے پر حملہ نہ کیا۔ مسلمان فوج جافہ سے نکل کر باغ و در الیسر میں مقیم ہو گئی۔ رچرڈ اس بات سے حیران تھا کہ سلطان نے جافہ کو صرف پانچ دن میں کیسے فتح کر لیا۔ کیونکہ رچرڈ کے اندازے جافہ کو فتح کرنے کے لئے کم از کم چھ سات ہفتے درکار تھے۔ لہٰذا اس کا یہ خیال تھا کہ اس عرصے میں وہ بیروت پر قبضہ کر کے جافہ کی مدد کو آ سکتا ہے۔

اُسے اس بات کا از حد رنج تھا کہ سلطان نے ہر بار اُس کی دفاعی چال کو

مات کر دیا ہے اور اس بار بھی وہ اپنی فوج کو بچا کر لے گیا ہے۔ سلطان کو رنج تھا کہ جافہ اُس کے سپاہیوں کی بدنظمی کی وجہ سے فتح ہونے کے بعد ہاتھ سے نکل گیا اور وہ اپنے منصوبے میں پُوری طرح سے کامیاب نہ ہوا۔ مغربی مورخین نے جافہ کی لڑائی میں بہت مبالغہ سے کام لیا ہے۔ مگر وہ اس طرح رچرڈ کی کمزوری کو چھپانا چاہتے ہیں۔ دراصل یہ رچرڈ کی آخری لڑائی تھی۔ وُہ ذہنی شکست کھا چکا تھا۔ اگرچہ اس وقت بھی اُس کے پاس سلطان سے کئی گنا بڑی فوج تھی اور اس کے علاوہ اس کے پاس بہت زبردست بحری بیڑہ بھی تھا مگر رچرڈ سٹریٹیجی کے لحاظ سے شکست فاش کھا چکا تھا اس لیے رچرڈ اس فتح کو اپنا کارنامہ سمجھ رہا تھا۔

صلح کی چوتھی بات چیت

جافہ کی فتح کے بعد پھر رچرڈ نے صلاح الدین سے صلح کی بات چیت شروع کی۔ سلطان نے اپنے حاجب ابوبکر کو بھیجا۔ رچرڈ نے فوراً جنگ بند کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ ابوبکر نے کہا چونکہ جافہ اب تقریباً برباد ہو گیا ہے۔ اس لئے صلیبی سلطنت کی سرحد قیساریہ تک مقرر ہو جائے۔ رچرڈ نے اس کے جواب میں جافہ اور عسقلان کو سلطان کے ماتحت جاگیر تسلیم کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا۔ سلطان جافہ دینے کو تیار ہو گیا۔ مگر عسقلان حوالہ کرنے پر راضی نہ ہوا۔ اس طرح یہ گفت و شنید بھی ناکام ہو گئی۔

سلطان کا جوابی حملہ

سلطان نے ۵ اگست کو رچرڈ کے کیمپ پر شبخون مارنے کے لئے ایک دستہ بھیجا۔ مگر

رچرڈ کی خوش نصیبی تھی کہ اُسے عین وقت پر پتہ چل گیا۔ پھر بھی ایک مسلم دستہ شہر میں داخل ہوگیا۔ دوپہر تک سخت لڑائی ہوتی رہی۔ طرفین کا بہت نقصان ہوا اور پھر دونوں لشکر اپنے اپنے پڑاؤ میں واپس چلے گئے۔ سلطان بیت المقدس چلا گیا۔ جافہ پر اس حملہ کے دوران میں سلطان نے رچرڈ کے ساتھ ایک زبردست مذاق کیا تھا۔ جب رچرڈ اپنا گھوڑا بھگا بھگا کر اپنے نائٹوں کو مسلمانوں پر حملے کی دعوت دے رہا تھا۔ تو سلطان کے تیراندازوں نے رچرڈ کے گھوڑے کو نشانہ بنا کر مار گرایا۔ رچرڈ کے پاپیادہ ہونے پر سلطان نے اُس کے پاس دو عمدہ عربی نسل کے گھوڑے بھیج دیئے۔ اس مذاق کا مطلب یہ تھا کہ ہمت ہے تو میدان میں آؤ فصیل کی آڑ میں کھڑے ہو کر کیا شور مچا رہے ہو۔ رچرڈ مسلسل صدمات سے بیمار ہوگیا اور اُس نے یہ طے کیا کہ فوراً وطن واپس لوٹ جائے گا۔ مگر وہ بغیر کسی سمجھوتہ کے جانا نہ چاہتا تھا۔ رچرڈ نے سیاسی جوڑ توڑ کئے مگر چونکہ سلطان ایک قابل سیاست دان بھی تھا۔ لہٰذا اُس نے رچرڈ کو میدان جنگ میں شکست دینے کے ساتھ ساتھ سیاسی میدان میں بھی ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کر دیا۔

صلح کی آخری بات چیت

سلطان دو روز کے بعد مصر اور شمالی شام کی تازہ دم فوج لیکر بیت المقدس سے رملہ پہنچا۔ مسلسل جنگ و جدال سے پریشان رچرڈ سخت بخار کی حالت میں اپنے خیمہ میں پڑا تھا۔ اب وہ صلح کا واقعی آرزومند تھا۔ صلاح الدین

نے اُس کے سفیروں کو صاف جواب دے دیا کہ سابق شرائط پر سمجھوتے کے لئے تیار ہے مگر عسقلان کو کسی طرح رچرڈ کے سپرد نہ کرے گا۔ رچرڈ کے لئے اب یہ معاملہ برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔ رچرڈ نے العادل کو لکھا کہ وہ سفارش کرے۔ العادل خود بیت المقدس میں بیمار پڑا تھا۔ اس لئے اُس نے معذوری ظاہر کی۔ صلاح الدین مضبوطی سے اپنے فیصلے پر جما رہا۔ سلطان نے رچرڈ کو سیب اور شفتالو روانہ کئے اور کوہ ہرمو کی برف بھیجی تاکہ اُس کی بیماری کی تکلیف کم ہو۔ لیکن اُس نے عسقلان کو رچرڈ کے سپرد کرنے پر رضامندی ظاہر نہ کی۔ آخر رچرڈ نے شکست مان لی۔ ۲۸ر اگست ۱۱۹۲ء کو العادل کا سفیر سلطان کا آخری فیصلہ لایا اور پانچ دن کے بعد ۲ر ستمبر ۱۱۹۲ء کو صلحنامہ پر دستخط ہو گئے۔ رچرڈ کی طرف سے ہنری، بالین اور ہاسپٹل اور ٹمپل کے سرداروں نے قسمیں کھائیں۔ دوسرے دن رچرڈ کے سفیروں کے سامنے صلاح الدین نے صلحنامہ پر دستخط کئے اور اس طرح تیسری صلیبی جنگ ختم ہوئی۔

صلحنامہ کی شرائط

(۱) سمندر کے ساحل کے سارے شہر جافہ تک عیسائیوں کے پاس رہیں گے۔

۲۔ بیت المقدس مسلمانوں کے پاس رہے گا مگر زائرین آسانی کے ساتھ آجا سکیں گے۔

۳۔ مسلمان اور عیسائی ایک دوسرے علاقے میں بے روک ٹوک آئیں گے۔

۴۔ عسقلان کے قلعہ کو توڑ دیا جائے گا۔

صلیبیوں کی بیت المقدس کی زیارت

جُونہی سلطان نے ان کے ٹھہرنے اور حفاظت سے آنے جانے کا انتظام کر دیا۔ صلیبی لشکر غیر مسلّح ہو کر بیت المقدس کی زیارت کو پہنچا۔ مگر اُس کے بہت سردار زیارت کے لئے گئے۔ سلطان نے زائرین کو تمام سہولتیں مہیا کیں اور ان کی درخواست پر چار لاطینی پادریوں کو مقدس صلیب، بیت اللحم اور ناظرت میں رہنے کی اجازت دے دی۔

رچرڈ کی واپسی

صلحنامہ پر دستخط کرنے کے بعد رچرڈ عکا چلا گیا وہاں معاملات طے کر کے ۹ اکتوبر کو یورپ کے لئے روانہ ہوا۔ راستہ میں اس کو بڑی بد قسمتی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا جہاز طوفان میں تباہ ہو گیا اور وُہ بھیس بدل کر یورپ سے گذرتے وقت وی آنا سے آسٹریا کے ڈیوک کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ جس نے اُس کو شہنشاہ ہنری ہشتم کے حوالہ کر دیا۔ وہ ایک سال قید میں رہا۔ پھر رہا ہو کر وطن پہنچا ؛

چوبیسواں باب

تیسری صلیبی جنگ پر تبصرہ

سلطان صلاح الدین اعظم اور یورپ کے کروسیڈوں کے درمیانی جنگ دفاعی نقطہ نظر سے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اسلامی ممالک آجکل بھی اس حالت میں ہیں۔ جیسا کہ صلاح الدین نے ان کو اپنے ہوش سنبھالتے وقت پایا تھا۔ آج یورپ کی حریص نظریں ان اسلامی ممالک پر لگی ہوئی ہیں اور کسی نہ کسی طرح ان پر اپنا قبضہ رکھنا چاہتے ہیں۔ البتہ فرق اتنا ضرور ہے۔ کہ آجکل اسلامی دُنیا کے دو حریف ہیں۔ ایک تو وہ لوگ جو اپنے خواہشات کو پُورا کرنے کے لئے مسلمانوں کے خلاف کروسیڈ کا بہانہ کرتے ہیں۔ دُوسرے وہ لوگ جو کسی بہانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے اور صاف یہ کہدیتے ہیں کہ فلاں علاقے کی ہمیں ضرورت ہے۔ لہٰذا اُسے دے دو ورنہ ہم زور سے اسے حاصل کریں گے۔

بحر اسود
بلغاریہ
اوڈریانوپل
جارجیہ
آرمینیہ
انقریہ
انقرہ
قونیہ
طرطوس
اڈیسہ
موصل
رقہ
حلب
انطاکیہ
حمص
ایما
دمشق
بیروت
صیدا
صور
عکہ
حیفہ
بیت المقدس
الکرک
العریش
دمیاط
اسکندریہ
سمرنا
اطالیہ
طرس
نکوسیہ
کریٹ
بحر وسط
رچرڈ اوّل
فلپ دوئم
فلپ چہارم
علامات
تیسرا صلیبی حملہ
پہلا اور دُوسرا صلیبی حملہ
فلپ دوئم کا رستہ

آئندہ صفحات میں ان کروسیڈ کے اسباق تین سُرخیوں کے ماتحت لکھے جائیں گے :-

۱ - اس کروسیڈ کے مقابل سالاروں کی شخصیت اور رہنمائی -

۲ - دونوں محاذوں کے سپہ سالاروں کے سیاسی جوڑ توڑ -

۳ - سٹریٹجی اور فن حرب -

طرفین کے سالاران جنگ

صلیبی سالار

تیسرے کروسیڈ میں صلیبیوں کا اس قدر زبردست اجتماع ہوا تھا - جیسا پہلے کبھی نہ دیکھا گیا تھا - صلیبی لشکر کے سالار فرداً فرداً یورپ کے بہترین آزمودہ جنگجو بادشاہ تھے جو میدان جنگ میں اپنی بہادری، قابلیت اور فن سپہ گری کے سکے بٹھا چکے تھے لیکن وہ سب کے سب اپنے نفس کے غلام تھے - پوپ کے نمائندہ پادریوں نے عوام کے سامنے تو ان کو صلیب پر قسم دے کر یکجا کر دیا تھا مگر پس پردہ ان سب کے دل میں الگ الگ سلطنتیں قائم کرنے اور لوٹ مار سے مالدار بننے کی خواہش تھی اور اس طرح سے ان میں شروع ہی سے نفاق تھا -

علاوہ ازیں پوپ نے نہ صرف ان کے ماضی کے جرائم اور گناہوں کو کروسیڈ پر آمادگی کی بنا پر معاف کر دیا تھا - بلکہ کروسیڈ پر جانے سے مستقبل میں جو جرائم کرنے والے تھے ان کو بھی معاف کر دیا - اس طرح عیسائی مذہبی رہنماؤں نے ان صلیبیوں کو نفس کا غلام بننے کی پوری آزادی دے دی تھی -

اس لئے صلیبی لشکر میں درحقیقت کوئی اتحاد نہ تھا۔ ان میں کوئی مرکزی شخصیت نہ تھی۔ سپہ سالار سے لے کر سپاہی تک ہر شخص اپنی ذات میں محدود تھا۔ اس لئے اُن میں یکجہتی پیدا نہ ہو سکی۔ اس جنگ کے دوران سلطان کا علاقہ ہر طرف سے گھر گیا تھا۔ ایک طرف تو آرمینی حکمران، قیصر رُوما، پہلے کروسیڈ کے نائٹ، اور یورپ کے صلیبی لشکر تھے اور دُوسری طرف پوپ اعظم کی اپنی بے انتہا دولت لُٹا کر اپنے مددگار پادریوں کے ذریعہ سلطان کے ماتحت حکمرانوں اور رعایا کو بغاوت اور فساد پر اُکسا رہا تھا۔ بالفاظ دیگر سلطان اور صلیبیوں کا مقابلہ بہت نامساوی تھا اور بادی نظر میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صلیبیوں کی فتح یقینی امر ہے۔ کیونکہ صلیبیوں کے لشکر کے اسلحہ بہترین اور جدید قسم کے تھے۔ لشکر کی تعداد سلطان کے لشکر سے کئی گُنا زیادہ تھی۔ صلیبیوں کے پاس زر و مال لاانتہا تھا۔ لیکن چونکہ صلیبی لشکری حرص، لالچ، باہمی عناد کا شکار تھے۔ اس لئے یہ فوقیت بیکار ثابت ہو گئی۔

مسلم سردار سلطان صلاح الدین اعظم ایوبی

صلاح الدین نے جب جہاد کے لئے علم بلند کیا۔ تو اس وقت مسلم حکمران طوائف الملوکی میں گرفتار ہو کر اپنے نفس کے غلام بن چکے تھے۔ ان کے اندر اتحاد مفقود تھا کسی مرکزی رشتہ میں وہ مضبوطی سے بندھے ہوئے نہ تھے۔ تمام حکمران ایک دوسرے سے الگ تھے۔ ہر ایک اندرُونی طور سے اپنے سوا کسی کا وفادار نہ تھا۔

چونکہ اجتماعی طاقت بہر حال چند مشترک اُصولوں سے بنتی ہے چاہے وہ مذہبی عقائد ہوں یا ملک و قوم کی سربلندی کا جذبہ۔ لہٰذا سلطان نے یہ ذمہ داری اپنے ذمہ لی اور ان تمام منتشر لوگوں کو خداوند تعالےٰ کا واسطہ دے کر جہاد کے لئے آمادہ کیا۔ سلطان نے دوبارہ مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی خدمت کا جذبہ بھر دیا۔ اس نے ان لوگوں سے اپنی رہبری میں جہاد کرنے اور جاں نثاری اور عزم سے تمام دُشواریوں کے وقت ثابت قدم رہنے کا عہد لیا۔

سلطان صلاح الدین بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہُوئی ایک بڑی نعمت ثابت ہوا جس نے اسلام کے لئے بے بہا خدمات سرانجام دیں۔ ایک نامساوی مقابلے میں اسلام کو فتحیابی عطا فرمائی۔ صلاح الدین کا نام یورپ کے گھروں میں دو مختلف النوع شکلوں میں پہنچا۔ جنگجو اور مفسد لوگ اس کے نام سے خوف کھانے لگے۔ عورتیں روتے بچّوں کو صلاح الدین کا نام لے کر چُپ کراتی تھیں۔ مگر دُوسری طرف نیک عیسائی زائرین اُس کی مہمان نوازی اور مُلکی نظم و نسق کے ثنا خواں تھے اور سلطان کی بلند حوصلگی اور دلیری ہر عیسائی کے دل پر نقش تھی۔

سلطان صلاح الدین آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح سے دشمن کے مال و زر لشکر اور اسلحہ سے مرعوب کبھی نہ ہوا۔ سلطان نے حضرت ابوبکرؓ کی طرح دفاعی منصوبہ تیار کر کے دشمن پر ایسے کارگر حملے کرتا تھا کہ دُشمن اُس کے سامنے ٹھہر نہ سکتے تھے۔

سیاسی سازباز

سلطان کی باریک بینی نے یہ اچھی طرح سے سمجھ لیا تھا۔ کہ یورپ کے مختلف سلاطین قیصر روما اور شاہ صقلیہ کی شخصی خواہشات کیا ہیں۔ وہ ان کی نمائشی پردہ داری کو پہچان گیا تھا۔ لہٰذا سلطان نے سب سے پہلی زبردست سیاسی کامیابی یہ حاصل کی کہ اس نے قیصر رُوما سے خفیہ طور سے دوستی کا عہدنامہ کرلیا اور اس طرح سے قیصر روما کو صلیبی سلاطین سے الگ کرلیا۔ اگرچہ قیصر بظاہر صلیبی لشکریوں کا دوست بنا رہا مگر بقول مغربی مورخین کے قیصر نے صلیبی لشکریوں کے ساتھ غداری کی۔ کیونکہ نہ تو اُس نے ان کو قابل اعتماد رہبر دیئے اور نہ ہی اپنے علاقے میں اُن کو رسد وغیرہ کی خاطر خواہ امداد دی۔ اگر قیصر صلیبیوں کی دل سے مدد کرتا۔ تو فریڈرک بار بروسہ کے انتقال کے بعد وہ جرمنی کے صلیبیوں کو دمشق کی طرف پیشقدمی جاری رکھنے کے لیے ضرور آمادہ کرتا مگر قیصر نے ایسا نہ کیا اور اس طرح سلطان کے خلاف یہ خطرناک محاذ قائم نہ ہوا۔

گائی کی رہائی اور سابق صلیبی سرداروں میں اختلاف

اس کے علاوہ سلطان نے پہلے کروسیڈروں کے جانشینوں کے درمیان باہمی عناد سے پُورا پُورا فائدہ اُٹھایا اور جب سلطان نے دیکھا کہ صور کا

کانراڈ اور انطاکیہ کا والی یورپ سے نئے صلیبی دستے آنے کی وجہ سے حلب اور دمشق کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ تو سلطان نے معزول اور مقید بادشاہ گائی کو بہ امان انطاکیہ پہنچا دیا اور اس طرح سے ان دونوں حکمرانوں کو اپنی سیاسی اُلجھنوں میں مصروف کر کے اس محاذ کو دوبارہ بند کر دیا۔ گائی کی رہائی نے پہلے کروسیڈ کے جانشینوں میں قدیمی علاوت کو پھر سے جگا دیا اور فرانسیسی، انگریز، جرمن، قیصرِ رُوما سب ایک دُوسرے سے بدظن ہو کر الگ الگ ہو گئے۔ لہٰذا ان لوگوں کے لیئے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ کہ وہ بیت المقدس کی طرف بڑھیں۔ جس کی آزادی کے لیئے اُنہوں نے مقدس صلیب پر قسم کھائی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ رچرڈ جو اپنے لیئے وادی نیل میں نئی سلطنت قائم کرنے کی غرض سے انگلستان سے چلا تھا۔ اب عکا کی طرف آنے پر مجبور ہو گیا۔ عکا پہنچ کر سب اپنے اپنے فرقوں اور قوموں میں بٹ گئے اور اس طرح سے باہمی عناد اور بھی بڑھ گیا۔ بالفاظ دیگر سلطان کی سیاسی حکمت عملی نے نہ صرف کروسیڈوں میں باہمی رنجش اور عناد پیدا کر دیا۔ بلکہ اُن سب کو سلطان کے خلاف مختلف مقاموں پر محاذ کھولنے کے لئے معذور کر کے سب کو ایسے مقام پر لے آیا۔ جہاں اُس نے اپنے دفاعی منصوبے کے تحت ان سب کو ایسے میدان جنگ میں لڑنے پر مجبور کیا جو سلطان کے اپنے دفاعی حالات کے مطابق نہایت موزوں تھا۔

سلطان کی حکمت عملی علاوہ ازیں سلطان تمام وقت سیاسی

ساز باز کرتا رہا اور صلیبیوں میں کئی اُمراء اپنے تئیں خود مختار محسوس کر کے سلطان سے معاہدے کے لئے گفت و شنید شروع میں تو اپنے سفیروں کے ذریعے سے کرتے رہے۔ مگر بعد ازاں وہ خود سلطان سے ملنے کے خواہشمند ہوئے۔ مگر سلطان خود اُن سے نہ ملا اور اپنے نمائندے کو ان سے ملاتا رہا۔ سلطان کا عذر کس قدر سادہ تھا کہ "جب دو بادشاہ ایک دوسرے سے مل لیتے ہیں۔ تو پھر ایک دوسرے کے خلاف تلوار نہیں اُٹھاتے۔ اس طرح وہ اپنے مخالفین کو تو بلندی سے نیچے اتار لایا۔ مگر خود اپنی جگہ پر قائم رہا۔ یہ سیاسی حکمت عملی ایسی کامیاب ہوئی کہ جب رچرڈ اپنے مطلق العنان حاکم ہونے کا اعلان کرنے کے بعد سلطان سے معاہدے کی شرائط تقریباً طے کر چکا تو فرانسیسیوں، جرمنوں اور شامی کروسیڈروں نے رچرڈ کو جواب دے دیا اور یہ وہ وقت تھا جبکہ صلیبی قدس سے صرف چند میل پر تھے۔ یہ صلیبیوں پر آخری ذہنی چوٹ تھی۔ جس کے لگنے سے وہ ایسے بدحواس ہوئے کہ سب اپنے اپنے وطن کو لوٹ گئے۔

سلطان کا محکوم حکمرانوں سے حسن سلوک

سلطان کا سلوک جو اُس نے اپنے مفتوح حکمرانوں سے کیا تھا وہ قابل تحسین تھا اور یہ سلطان کی کامیابی کا سب سے بڑا راز تھا۔ سلطان کی عادت تھی کہ ہر موسم بہار میں جب مسلم فوجیں اپنے اپنے علاقوں سے واپس آ کر سلطان کے پاس آتیں

توسلطان ان کے سالاروں کا جوکہ عموماً خود حکمران ہوتے تھے بہت احترام کرتا۔ان کی پیشوائی کا خاص اہتمام کرتا اور اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھلا کر کھانا کھلاتا اور ان حکمرانوں کو ہمیشہ یہ احساس دلاتا کہ وہ اُس کے عزیز ہیں جو سلطان کی مدد کے لئے نہیں بلکہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے وہاں پر آئے ہیں اور سلطان بذاتِ خود اُن میں سے ایک ہے۔

سلطان کئی برس مسلسل میدانِ جنگ میں رہا مگر وہ اپنے سالاروں کو اُن کے وطن بھیج دیتا تھا۔وہ خود خطرہ کی جگہ میں رہتا اور اُن کو امان کی جگہ ٹھہراتا۔وہ کئی سال برف و بارش میں موسم سرما خیموں میں گذارتا اور اُس نے کبھی اس کا ذکر تک نہ کیا کہ آس کے ماتحت آرام کرنے جا رہے ہیں یا آرام کرکے واپس لوٹے ہیں بلکہ ان کو ہمیشہ یہ احساس دلایا کہ وہ مہم فتح کرکے آرہے ہیں۔

سلطان یہ کر سکتا تھا کہ وہ والیانِ ریاست جن پر اُسے اعتماد کم تھا۔کسی عذر یا بہانے سے اپنے پاس رکھ لیتا مگر اُس نے ایسا نہ کیا بلکہ جب دمشق اور حلب کی فوجیں موسم سرما میں اپنے اپنے محاذ کی حفاظت کو لوٹیں تو اور سب حکمران بھی واپس گئے۔مثلاً الجزائر کی بغاوت اسی لئے خود بخود سر ہوگئی۔کیونکہ عکا کے محاذ سے لوٹے ہوئے سب سپاہی سلطان کے بہترین سفیر تھے اور وہ لوگ اپنے ہم وطن کے فساد کرنے والوں کو راہِ راست پر لے آئے اور اس طرح عیسائی پادریوں اور کارندوں کا روپیہ سلطان کے مصرف میں آگیا۔

سلطان کا عزم و استقلال

جافہ میں لُوٹ مارا اور رچرڈ کے ہاتھ دوبارہ چلے جانا سلطان کے لئے
کم صدمہ کا باعث نہ تھا۔ جافہ کے ایک اہم قلعہ کے ہاتھ میں آجانے سے
سلطان کے دشمن رچرڈ کا جارحانہ منصوبہ ختم ہو چلا تھا مگر وہ اس کے ہاتھ
سے چلا گیا کیونکہ مسلمان سپاہی حرص کے غلام بن گئے تھے اور اُنہوں نے
دفاعی نظم کی خلاف ورزی کی تھی۔ اس غفلت کے شکار ہونے والے
سپاہی یقیناً بدترین مجرم تھے اور سخت سزا کے لائق تھے۔

مگر سلطان نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ وہ خود توان کا محافظ بن کر میدان
جنگ میں ٹھہر گیا اور ان مجرم سپاہیوں کو حکم دیا کہ باز کے پر لگا کر اُڑ جاؤ
اور مقرّرہ مقام پر پھر سے جمع ہو جاؤ۔ یہی نہیں رچرڈ نے سلطان کو بہت
اشتعال دلایا اور وہ ننگی تلوار لے کر دیوانہ وار پھرتا رہا اور اپنے مقابلے
میں مسلمانوں کو لڑنے کے لئے بلاتا رہا۔ مگر سلطان نے پُورے استقلال
کا ثبوت دیا اور جب رچرڈ گھوڑے کے زخمی ہونے سے پیادہ پا ہو گیا۔
تو اُس نے اپنے پاس سے گھوڑے بطور تحفہ بھیج دیئے کہ میدان میں نکل
کر سامنے آؤ۔ تو دو دو ہاتھ ہو جاویں گے۔ سلطان اپنے سپاہیوں کو بچا کر
لے گیا۔ توان کو سلطان نے ملامت نہ کی۔ ہاں اُن کے بہادری کے جذبہ
کو اُکسایا اور دشمن پر شبخون کر کے رچرڈ کو یقین دلا دیا کہ سلطان کی تلوار
میں ابھی تک بہت آب و تاب ہے۔

سلطان نے ایسا کر کے آنحضرت صلعم کے غزوۂ اُحد کی روایت کو پھر

سے تازہ کر دیا۔ سلطان نے حدیث دفاع سے صبر و تحمل کا سبق سیکھا تھا۔ اسے یہ معلوم تھا کہ انتہائی خطرے میں بھی سپہ سالار کو صبر و تحمل کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیئے۔ ملامت یا کوڑے یا گردن زدنی سے زیادہ مفید وہ سزا تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مجاہدین کو دی۔ جو کہ غزوۂ حنین میں تکبر کی بنا پر دشمن سے مات کھا گئے یا غزوۂ اُحد میں لالچ کا شکار ہو گئے تھے اور جسے سلطان نے جافہ کے میدان میں دُہرایا۔ یعنی دشمن پر عزم کے ساتھ قصور کرنے والے مجاہدین کے ذریعہ جوابی حملہ کرانا۔ لیکن یہاں بھی سلطان نے ان مجرموں پر یہ ظاہر نہ کیا کہ یہ ان کی سزا ہے۔ بلکہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد میں اپنی سرکردگی میں مشرکین پر جوابی حملہ کیا تھا۔ اسی طرح سلطان نے بھی رچرڈ پر ان سب بچ کر آنے والے سپاہیوں کو لے کر سارا دن رچرڈ کے خلاف ایسی تلوار چلائی۔ کہ یہ رچرڈ کا سلطان کے خلاف آخری معرکہ ثابت ہوا اور رچرڈ آئندہ مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ بالفاظ دیگر سلطان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاعی اُصول پر کامیابی سے عمل کر کے اپنے حریف پر اخلاقی اور ذہنی فتحیابی حاصل کر لی۔

جافہ کی لڑائی سے ہم کو یہ اہم سبق بھی ملتا ہے کہ قابل اور ہوشمند سالار جس کو اپنے اُوپر اعتماد ہوتا ہے۔ کس طرح چشم زدن میں شکست خوردہ کم ہمت فوج کو پھر سے منظم اور دلیر بنا دیتا ہے اور فتح سے ہمکنار کرتا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سپہ سالار اگر غیظ و غضب

کی بجائے تحمل اور دُور اندیشی سے کام لیتا ہے۔ تو اُس کے نتائج
کس قدر خوشگوار ہوتے ہیں۔ سلطان کے بیدار مغز ہونے کا اس
سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اُس نے پہلے قیصر روما کے خواب
کو شرمندۂ تعبیر نہ ہونے دیا۔ پھر فریڈرک کے ارادوں کو دو بار ناکام
کیا۔ پوپ کے پادریوں اور جاسوسوں کو ہر بار مایوس کیا اور رچرڈ
کو ہر بار ذلیل و خوار کیا۔ بیروت پر حملہ رچرڈ کی آخری چال تھی مگر جب
وہ اس میں بھی ناکام رہا تو اُس آخری بار یہ کوشش کی کہ سلطان کے
ذریعے وہ صلیبیوں پر یہ واضح کر دے کہ صرف وُہی اُن کا سالار اعظم
ہے۔ کیونکہ اُس نے سلطان سے درخواست کی کہ کسی صلیبی کو بلا کر رچرڈ
کی اجازت کے بیت المقدس کی زیارت کی اجازت نہ دی جائے مگر
سلطان نے اس پر عمل نہ کیا اور زیارت کی نہ صرف عام اجازت دے
دی۔ بلکہ تمام زائرین کو شاہی مہمان بنایا اور ان کی دوران سفر اور
زیارت خُوب خاطر مدارات کی۔ جس کی وجہ سے تمام زائرین سلطان
کے ثنا خواں بن گئے۔

لُطف کن لُطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

رچرڈ اس آخری سیاسی ہار کے بعد بے نیل و مرام انگلستان چلا گیا۔
جہاں اُس کے ہموطن مورّخین نے اُسے ایک دیوتا اور اوتار بنا دیا۔
تاکہ انگریز قوم احساس کمتری کا شکار ہونے سے بچ جائے۔

اُصولِ دفاع اور فنِ حرب و ضرب

تیسرا کروسیڈ ایسا معرکہ تھا۔ جس میں سلطان صلاح الدین اعظم نے اس اُصولِ دفاع کی بہترین مثال دُنیا کے دفاعی مبصرین کے لئے پیش کی ہے۔ بارہویں صدی سے آج تک اس سے بہتر مثال کسی جرنل نے پیش نہیں کی۔ ملٹری سائنس کے طلبا اگر صلاح الدین کے عہد کے جنگوں کا غور سے مطالعہ کریں۔ تو ان کی معلومات میں اہم اضافہ ہوگا۔

مغربی دفاعی مبصرین نے اس سپہ سالار کو جو "بچاؤ" کے دفاعی منصوبے پر عمل کرنے والے کو یوں مشورہ دیا ہے کہ بچاؤ والے سپہ سالار کے پاس سب سے اہم دو ہتھیار رہیں۔

۱۔ قُدرتی رکاوٹیں اور قلعہ جات

کوئی قدرتی یا مصنوعی رکاوٹ یعنی مورچہ یا قلعہ بذاتِ خود ایک باعزم اور جدید اسلحہ سے لیس حملہ آور فوج کے سپہ سالار کی پیشقدمی کو نہیں روک سکتی ہے۔ لیکن کوئی بھی رکاوٹ چاہے وہ معمولی قسم کی کیوں نہ ہو۔ اگر اُس سے مدد لینے والا سپہ سالار قابل اور ہوشمند ہے تو وہ اپنے دُشمن کی پیشقدمی میں بہت سی دُشواریاں پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور اسی طرح اپنے مقصد کے حصول میں کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔

۲- دُوسرا اسلحہ کا صحیح استعمال

قُدرتی امر ہے کہ زمانہ کے ساتھ فوجوں کے اسلحہ بدل جاتے ہیں۔ مگر بنیادی طور سے ان ہتھیاروں کے استعمال کے اُصول وُہی رہتے ہیں۔ آجکل ایٹمی گولے دُشمن پر برسانے کے لئے ہوائی جہاز، راکٹ، ٹینک، توپیں وغیرہ استعمال کی جارہی ہیں۔ اُن ایّام میں مختلف قسم کے تفنگ، منجنیق اور شہسوار تھے۔

بچاؤ کے سپہ سالار کے لیئے موزوں اور مناسب یہی ہے۔ کہ وہ حملہ آور دُشمن کی پیش قدمی کو مذکورہ اقسام کے ہتھیاروں سے زیادہ سے زیادہ جانی اور مالی نقصان پہنچا کر اس کی پیشقدمی میں رکاوٹ ڈال دے۔ تاکہ یا تو دشمن نقصانات کے باعث اپنے ارادے کو ترک کردے یا پھر مایُوسی کے عالم میں بے صبر ہو کر اپنے اصلی منصوبے کو بالائے طاق رکھ کر غلط راہ پر چل پڑے۔ جتنا وقت گزرتا ہے، بچاؤ والا سپہ سالار ان ایّام میں اپنی تیاری کو تکمیل دیتا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا اُصولوں کی روشنی میں اگر صلاح الدین کے طرز عمل کو جانچا جائے تو اندازہ ہوتا ہے۔ اُس نے کس کامیابی سے ان اُصولوں پر عمل کیا۔ مثلاً:۔

۱۔ سلطان نے ہر قسم کے حیلے بہانے اور حکمت عملی سے سب صلیبی لشکر کو عکا میں جمع کیا جہاں کے مضبوط قلعہ کے محاصرہ میں ان کا اُلجھ جانا یقینی امر تھا۔ سلطان نے صلیبیوں کو عکا پر قبضہ کا لالچ دیا۔ کیونکہ اگر

وہ عکا پر قابض ہو جاتے ہیں۔ تو اُن کو ایک اعلیٰ قسم کی بندرگاہ مضبوط قلعہ اور شاداب علاقہ مل جائے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے دیدہ و دانستہ گائی کی پیشقدمی کی مزاحمت نہ کی اور مورخین کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے یہ راز سربستہ رکھا کہ مغربی یا مشرقی مورخین سب دھوکا کھا گئے۔ کیونکہ سب نے یہی لکھا ہے کہ سلطان کے مخبر "اندھے" تھے اور وہ گائی کے صلیبی لشکر کی نقل و حرکت سے بے خبر تھے اور یہ بھی لکھا کہ سلطان بہت عرصہ تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا۔

۲۔ سلطان نے بڑی ہوشمندی سے عکا میں صرف مناسب طاقت کا محافظی دستہ متعین کیا اور خود عکا سے باہر قیام کیا۔ اس منصوبے سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ دشمن کو عکا فتح کرنے کی شہ دے رہا تھا اور ساتھ ہی نقل و حرکت کی اہلیت رکھنے والی فوج سے دشمن کو عکا کی فتح سے روکتا رہا۔ اس طرح دشمن کو برابر یہ یقین تھا کہ عکا چند دن میں فتح ہو جائے گا۔ مگر صلیبیوں نے چند دن کی جگہ دو سال کا عرصہ اس مستقر کو فتح کرنے میں ضائع کر دیا۔ صلیبیوں کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے سب سے پہلے سلطان کی فوج کو شکست دے کر عکا کے گرد و نواح سے بھگا نہ دیا اور لطف تو یہ ہے کہ گائی اور اُس کے ہمسر شامی نائٹ سلطان سے اس قدر خوفزدہ تھے کہ جب سلطان خروبہ کو ہٹ گیا تب بھی صلیبیوں کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ آگے بڑھ کر اُس پر حملہ کرتے۔

صلیبیوں نے عکا کے پاس ساکن رہ کر بے ہمتی کا ثبوت دیا ورنہ اُن

کے پاس اتنی فوج تھی کہ وُہ اُس کا ایک حصّہ تو عکا کے محاصرے میں متعین کر دیتے اور دُوسرے بڑے حصّے سے سلطان کی فوج کو شکست دے دیتے۔ اس طرح جب صلیبیوں کا بحری بیڑہ عکا کے سمندر کی طرف سے ناکہ بندی کرتا اور خشکی کی طرف سے سلطان کو میدان سے ہٹا دیا جاتا۔ تو عکا خود بخود ہتھیار ڈال دیتا۔ لیکن صلیبیوں کے سپہ سالار دفاعی اُصولوں اور فن حرب سے نابلد تھے۔ وہ صرف طاقت کے اُصول کو جانتے تھے اور طاقت بذات خود بے کار ہے اگر اس کا صحیح مصرف معلوم نہ ہو۔ علاوہ ازیں صلیبیوں کو عسقلان کی اہمیت خُوب معلوم ہوتے ہوئے بھی اُنہوں نے اسے فتح کرنے کا کوئی انتظام نہ کیا۔ ورنہ وہ اپنے بحری بیڑے کی مدد سے عسقلان کی طرف بڑھتے۔ تو سلطان عکا کو چھوڑ کر عسقلان کی طرف بھاگتا اور شاید دونوں مقام سلطان کے ہاتھ سے چلے جاتے۔ کیونکہ سلطان کے بحری بیڑے کا زیادہ حصّہ سمندر کی تہ میں پہنچ چکا تھا۔

ایک اور امر قابل ذکر ہے۔ کہ انطاکیہ اور صور کی فوجوں اور بحری بیڑے نے بیروت کو فتح کرنے کی کوشش نہ کی۔ اگر وہ ایسا کر کے باقی صلیبیوں سے تعاون کرتے۔ تو سلطان کے لئے بہت زیادہ دُشواریاں پیدا ہو جاتیں۔ خصوصاً جبکہ سلطان کے پاس محدُود فوج تھی اور بحری بیڑہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ مغربی مبصّرین نے شاہانِ یورپ فلپ، رچرڈ وغیرہ کی قابلیت کی بے حد تعریف کی ہے۔ دراصل وہ اہل یورپ

کی خودی کو بلند تر رکھنا چاہتے تھے۔ لہٰذا اُنہوں نے ان سلاطین اور صلیبیوں کی تعریف اسی بنا پر کی ہے تاکہ کروسیڈ (صلیبی جنگ) کا جذبہ ہمیشہ زندہ رہے اور اُنہوں نے ان سالاروں کی تمام غلطیوں سے چشم پوشی کی۔ کئی لاکھ صلیبی لشکر کا ایک تنگ سے پڑاؤ میں بہت عرصہ تک سر چھپائے پڑا رہنا اور تمام وبائی بیماریوں کا شکار ہونا۔ ان کی اخلاقی کمزوری اور بُزدلی کا سب سے بڑا ثبوت تھا۔ صلیبیوں کا بحری بیڑہ جو طاقت و تعداد کے لحاظ سے اسلامی بیڑے سے بہت بڑا تھا محض مصر کے بحری بیڑے کے خوف سے عکا سے باہر نہ نکلا اور کسی اسلامی بندرگاہ کے خلاف اُس نے کوئی کارروائی نہ کی۔ باہمی بغض و عناد اور حرص نے اس بڑے صلیبی لشکر کی وہی حالت کر رکھی تھی۔ جو کہ جرمنی اور اس کے اتحادی اٹلی کی تھی۔

۱۹۴۰ء میں ہٹلر نے یورپ کی سرزمین سے اتحادیوں کے لشکروں کو باہر نکال دیا تھا ہٹلر نے مسولینی سے کہا کہ اتحادی فوج کو شمالی افریقہ اور یونان سے نکال دو۔ اس وقت شمالی افریقہ میں اٹلی کی کئی لاکھ فوج تھی۔ مگر جرمن فوج کا دستہ گنے چنے آدمیوں پر مشتمل تھا۔ گو مسولینی کو جرمنی نے اسلحہ وغیرہ بہت کثرت سے دیا ہوا تھا۔ لہٰذا اس فوج کے پاس ٹینک، توپیں، ہوائی جہاز وغیرہ بہت افراط سے تھے۔ مگر اس فوج کے پاس نہ تو عزم تھا اور نہ ہی ان میں یک جہتی تھی۔ اس فوج کا مقابل جرنل لارڈ ویول تھا جس کے پاس گو فوج، ٹینک، ہوائی جہاز کم تھے۔ مگر یہ سالار

ہوشمند بیباک اور باعزم تھا۔ اس لئے اُس نے تقریباً دو سال اس مختصر سی فوج کو کبھی تو شمالی افریقہ میں لڑایا اور کبھی یونان اور کریٹ میں اور کبھی حبش میں ہٹلر اطالوی سالاروں کی کم ہمتی کو برداشت نہ کر سکا۔ لہٰذا اُس نے رومل کو شمالی افریقہ میں سالار اعلیٰ مقرر کیا۔ مگر اس وجہ سے اطالوی اور جرمن فوجوں میں اور بھی نفاق ہو گیا۔ اس نفاق کی وجہ سے رومل اپنے منصوبوں میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا۔

ان حالات میں ویول اور اس کے جانشین آکنیلک نے ہٹلر اور مسولینی کی فوجوں کو اس وقت تک میدان جنگ میں مصروف رکھا۔ جب تک اتحادی پوری طرح سے اپنی نئی فوج کو منظم کر کے شمالی افریقہ میں آ گئے اور یہاں سے ایسی پیشقدمی کی کہ برلن میں جا کر دم لیا۔ اس اتحادی فوج کے سالار اعظم جرنل آئزن ہاور کے پاس بے انتہا دولت، سامان حرب، فوج، بحری بیڑہ اور ہوائی بیڑہ تھا۔ مگر پھر بھی اتحادی جرمنی کے لوگوں کو اخلاقی شکست نہ دے سکے۔ کیونکہ اس شاندار فتح کو حاصل کئے ہوئے زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا۔ کہ امریکہ انگلستان، فرانس وغیرہ نے پھر سے جرمنی کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کی کوشش کی اور یہ کوشش جاری ہے۔

اس کے برعکس سلطان صلاح الدین گو بے زر تھا۔ اس کی فوج کم تھی، مگر اس تجربہ کار جرنل نے ویول کی طرح سے (یا یوں کہئے ویول نے صلاح الدین کی طرح) اپنے دشمنوں کو میدان جنگ میں شکست دے دی

مگر اس فوجی شکست کے علاوہ سلطان نے صلیبیوں کو اخلاقی شکست بھی دی۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ سلطان اپنی فتوحات کے بعد اپنی نئی سلطنت کو ابھی منظم نہ کرنے پایا تھا کہ یورپ اور ایشیا کے عیسائی حکمران اُس پر حملہ آور ہو گئے۔ سلطان کی کامیابی کا اصل راز تو یہ ہے کہ اس نامور سالار نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ، خالد بن ولیدؓ جیسے نامور مسلمانوں کی دفاعی تاریخ کا غور و خوض سے مطالعہ کیا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے۔ کہ صلاح الدین کے جنگی منصوبے ان بزرگ و قابل احترام ہستیوں کے کارناموں کی بہترین تقلید ہیں۔ مثلاً جس طرح سے حضرت ابوبکرؓ نے گیارہ لشکر مختلف اطراف میں اس غرض کے لئے بھیج دیئے تھے کہ مشرکین اپنی اپنی جگہ ساکن رہیں اور اصلی لشکر جس کی طاقت دوسرے لشکروں سے زیادہ تھی۔ یعنی وہ لشکر جو خالد بن ولید رضی اللہ عنہٗ کے پاس تھا۔ باری باری تمام دشمنوں کو فتح کرتا رہا۔ صلاح الدین نے تمام اطراف میں لشکر بھیجے مگر اس کا صرف ایک لشکر ایسا تھا جس کے استعمال سے وہ دشمن پر کاری ضرب لگاتا رہا اور اس لشکر کا سالار خود صلاح الدین تھا۔ جس طرح سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہٗ کے لشکر کو حسب ضرورت دوسرے اسلامی لشکر مدد دیتے رہے اسی طرح سلطان کے لشکر کو سنجار، دمشق، حلب وغیرہ کے لشکر بوقت ضرورت مدد دیتے رہے۔

مسولینی نے جب شمالی افریقہ کے اپنے سالار ارشل گریزیانی کو سُرت کی کردہ دیلوں پر حملہ آور کیوں نہیں ہوتا اور ہٹلر نے جرمنی کے سالار کو جو

یونان پر حملہ آور ہونے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ عملی اقدام نہ کرنے پر برا بھلا کہا تو گرمیزانی نے یہ لکھ دیا کہ آسے یعنی چیونٹی کو حکم دیا جا رہا ہے کہ ہاتھی پر حملہ کریں اور اسی قسم کے الفاظ اس اطالوی جرنل نے لکھے۔ گو اُس وقت تعداد اور اسلحہ وغیرہ کے لحاظ سے ویول کی وُہی حالت تھی جو صلاح الدین کی تھی۔

اور اسی طرح سے جب رچرڈ کو قدس پر حملہ کرنے کے لئے کہا گیا تو اُس نے فرانسیسی اور دیگر کروسیڈوں سے کہا کہ آگے چلو تو میں تمہارے عقب میں آؤں گا۔ یعنی میں خواہ مخواہ موت خریدنا نہیں چاہتا۔ لطف یہ ہے فلپ، رچرڈ، گافی سب نے سلطان کی کثیر فوج ہونے کا عذر کر کے پیشقدمی کرنے سے گریز کیا۔ بالفاظ دیگر ان دونوں جنگوں میں حملہ آور سالار کم ہمت تھے اُن میں بیباکی، دلیری، اور عزم کی کمی تھی۔ مگر لطف تو یہ ہے کہ دونوں رچرڈ اور فریڈرک "دی گریٹ" کے خطاب سے نوازے گئے۔ مگر کسی مشرقی مورخ نے صلاح الدین کو سلطان صلاح الدین اعظم یا مجاہد اعظم سے نہ پکارا۔ کاش مسلمان مورخ آیندہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو "مجاہد اعظم" کے لقب سے یاد کرنے لگیں۔

بہت سے مشرقی مورخین نے سلطان کے عسقلان کو برباد کرنے پر اعتراض کیا اور اس کو اسلامی اُصولوں کے خلاف لکھا ہے۔ لیکن اس میں حقیقت نہیں ہے۔ تاریخ میں اس طرح کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں :-

۱ - جب نپولین نے رُوس پر حملہ کیا اور رُوسی فوج کو پے در پے شکست

دی - تو روسی لشکر نہایت تیزی سے ماسکو کی طرف ہٹا اور راستے کے تمام شہروں اور آبادیوں کو تباہ برباد کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نپولین کی فوج کو نہ تو کھانے کو ملا اور نہ گھوڑوں کے لئے چارہ، برف سے بچنے کے لئے مکانوں کا سایہ تک نہ تھا۔ لہٰذا نپولین کی فوج پر ایسی تباہی آئی۔ کہ نپولین تھوڑے ہی عرصے میں فاتح سے مفتوح بن گیا۔

۲ - عالمگیر جنگ میں جب ہٹلر روس کو مارتا ہوا ماسکو تک چلا گیا۔ تو اس کی فوج کا وہی حشر ہوا جو نپولین کی فوج کا ہوا تھا اور جرمن فوج شکست خوردہ ہو کر واپس لوٹی۔

صلاح الدین کے لئے یہ سوال زیست و مرگ کا تھا۔ اگر سلطان عسقلان، رملہ، لد وغیرہ کو تباہ و برباد نہ کرتا۔ تو صلیبی لشکر بے بس ہو کر قدس کے دروازے سے محروم نہ لوٹتا۔ اب رہا اسلامی نظریئے کا سوال۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے غزوہ میں بدر کے چشموں کو بیکار کرنے کے مشورہ کو پسند نہ کیا تھا۔ تاکہ قریشی لشکر پانی سے محروم ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاعی منصوبے کے بموجب جنگ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے کھجور کے باغ کے کچھ حصّے کو کاٹ ڈالنے کا حکم نہ دیا تھا۔ تاکہ مشرکین اس کو کمین گاہ کے کام میں نہ لا سکیں۔

یہ ضرور ہے کہ آنحضرت صلعم اور خلفائے راشدین نے اپنے لشکر کے سالاروں کو عام حالات میں جذبات سے مغلوب ہو کر باغات کا نقصان

کرنے سے منع کیا تھا۔ مگر اشد ضرورت کے تحت اسے جائز رکھا۔

صلاح الدین کے لئے بھی یہ اشد ضرورت کا موقعہ تھا صلاح الدین کی دشمن پر یہ آخری چوٹ تھی۔ جو کہ اخلاقی بھی تھی اور ذہنی بھی۔ سلطان نے نہایت ہی خوبی سے قارس کے مقام پر صلح حدیبیہ کی شاندار روایت کو زندہ کیا۔ دونوں واقعات میں کافی مشابہت ہے۔

سلطان صلاح الدین مجاہد اعظم کی یہ بہت عقلمندی تھی۔ کہ جیسے ہی صلیبی لشکر نے ہار مان لی۔ سلطان نے قارس کے اطراف کو اس وقت نہ چھوڑا۔ جب تک اس علاقے کو پھر سے بحال نہ کر دیا اور یہ سب کام اپنی ذاتی نگرانی میں کرانے کے بعد اپنے پایہ تخت دمشق میں گیا۔ جہاں سے آئے ہوئے اُسے چار سال ہو گئے تھے۔ سب سے اہم دفاعی سبق یہ ہے کہ صلاح الدین نے نہایت عقلمندی اور دفاعی قابلیت سے یہ فیصلہ کیا۔ کہ دشمن سے کہاں اور کب لڑا جائے اور اُسے کس طرح مطلوبہ مقام پر کھینچ کر لایا جائے۔

صلیبی سردار دلیر ضرور تھے۔ مگر وہ صلاح الدین کی طرح دفاعی اُصولوں سے واقف نہ تھے اور اُنہوں نے ہر بار ایسا ہی کیا۔ جیسا کہ سلطان نے اُن سے کروانا چاہا۔ یہی وجہ ہے کہ زمانۂ حال کے مغربی دفاعی مبصرین مثلاً ارنسٹ بیکر، فلر، ڈوکر وغیرہ نے ایک زبان ہو کر یہ اعلان کیا ہے۔ کہ درحقیقت کروسیڈ ایک ناکامی کی سرگذشت ہے۔ جس میں بجائے اس کے کہ کروسیڈی مشرق کو فتح کر لیتے۔ مسلمانوں نے مغرب پر غلبہ پا لیا۔

مجاہدِ اعظم صلاح الدین کی وفات

تیسری صلیبی جنگ کے بعد صلاح الدین بہت واماندہ اور بیمار تھا۔ رچرڈ کے چلے جانے کے بعد وہ بیت المقدس سے ۴؍ نومبر ۱۱۹۲ء کو دمشق آیا۔ وہاں چار سال کی مدّت میں کام جمع ہو گیا تھا اُس نے مصر اور مکّہ جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور کام کی طرف متوجہ ہوا۔ اُس کی صحت برابر گرتی رہی۔ یکم مارچ کو اس کی حالت بہت خراب ہو گئی اور ۳؍ مارچ ۱۱۹۳ء کو اُس کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت اُس کی عُمر ۵۴ سال کی تھی۔ اپنے بیٹے ملک الظاہر کو قدس کے آخری قیام میں اُس نے اپنی وصیت لکھ کر روانہ کی۔ وہ مختصر وصیّت یہ تھی :۔

"خُدا کا ڈر ہر نیکی کی بُنیاد اور جڑ ہے۔ اس لئے ہمیشہ اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہو۔ جو احکام اللہ تعالےٰ نے جاری فرمائے ہیں۔ ان پر صدقِ دل سے عمل کرو۔ کیونکہ ان احکام پر عمل کرنے سے ابدی نجات ملتی ہے۔ لہٰذا یہی میری نصیحت ہے۔ خُونریزی سے بچنا۔ کیونکہ خُون کبھی رنگ لائے بغیر نہیں رہتا۔ اُمراء کے دل کو ہمیشہ اپنی مٹھی میں رکھنا۔ رعایا کا خیال ہر وقت تمہارے دل میں رہنا چاہیئے۔ کسی کا حق نہ مارنا اور نہ ہی کسی کو حقیر جاننا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کسی کے حق مارنے والے کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ یہی میری آخری وصیّت ہے۔"

پچیسواں باب

چوتھا کروسیڈ

سلطان صلاح الدین مجاہد اعظم نے اُمرا کے مشورہ سے اپنی زندگی میں سلطنت کو اپنے بیٹوں میں اس طرح تقسیم کر دیا تھا:۔

۱۔ مصر ــــ عماد الدین عثمان جس کا لقب ملک عزیز تھا۔

۲۔ دمشق ــــ نور الدین جس کا لقب ملک افضل تھا۔

۳۔ عراق و عجم ــــ غیاث الدین ابوالفتح غازی جس کا لقب ملک ظاہر تھا۔

۴۔ ان کے علاوہ دُوسرے بیٹوں کو چھوٹے چھوٹے صُوبے دے کر مطمئن کر دیا تھا۔

ملک عزیز تقریباً چھ سال حکومت کرنے کے بعد مر گیا۔ تو اُس کی جگہ اُس کا بیٹا منصور جس کی عُمر چھ سال تھی۔ تخت نشین ہوا۔ سلطان صلاح الدین کے بھائی ملک العادل نے نو عُمر منصور کو تخت سے علیحدہ کر دیا اور خود تخت

نشین ہو گیا۔

یورپ میں جب یہ خبر پہنچی کہ مجاہد اعظم کا انتقال ہو چکا ہے اور اس کی حکومت کے تین ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ تو پاپائے رُوم کی دعوت پر پھر سے صلیبی جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ فرانس کے بادشاہ فلپ نے پوپ کی دعوت کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا۔ کہ اُس کے ملک کے اندرونی حالات اُسے کروسیڈ پر جانے کی اجازت نہیں دیتے۔ پوپ کے نمائندے جرمن کے شہنشاہ کے پاس گئے اور اُسے نہ صرف فلسطین پر قبضہ کرنے کے لئے آمادہ کیا بلکہ اُسے یہ بھی کہا کہ وہ قسطنطنیہ اور سسلی (صقلیہ) کا جائز وارث ہے۔ لہٰذا وُہ ان سب حکومتوں پر قبضہ کر کے پھر سے اپنی سلطنت کو زندہ کر دے۔ اس طرح سے وہ اس علاقہ کا بادشاہ ہو جائے گا۔ جس پر اُس کے مورثِ اعلیٰ حکومت کرتے رہے۔ پوپ کا یہ منصوبہ کارگر رہا اور ۱۱۹۶ء میں شہنشاہ جرمن کا بیٹا ہنری چالیس ہزار صلیبی لشکر لے کر اٹلی پہنچا اور وہاں سے ۱۱۹۷ء میں اس وقت عکا پہنچا۔ جبکہ کانراڈ آف ورزبرگ ایک اور بڑا صلیبی دستہ بطور کمک لے کر سمندر کے راستہ جرمنی سے وہاں پہنچا۔ شام کے صلیبی نائٹ جرمنی صلیبیوں کے فلسطین میں آنے سے خوش نہ تھے۔ مگر مجبوراً وُہ ہنری برابنیٹ کے ساتھ شامل ہو گئے۔

جب ملک العادل کو یہ معلوم ہوا کہ صلیبی لشکر عکا میں جمع ہو رہے ہیں۔ تو وہ ان کی جنگی تیاریوں کو درہم برہم کرنے کی غرض سے عکا کی طرف بڑھا۔ صلیبی لشکر اُس کی آمد کی خبر سُن کر ہی سراسیمہ ہو گیا۔ مگر اُس نے

عکا میں داخل ہونے کی کوشش نہ کی۔ بلکہ جافہ پر حملہ کر دیا۔ عکا کے بادشاہ ہنری شمپین نے جونہی اس پر حملہ کی خبر سنی۔ ریناالڈ کو جافہ روانہ کیا۔ مگر بعد میں خود ہی جافہ پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ مگر وہ اسی عرصہ میں اپنے کمرے کی کھڑکی سے نیچے گر پڑا اور اس حادثہ سے ہلاک ہو گیا۔ عیسائیوں نے جلد ہی ایک نئے شخص کو جس کا نام ایملرک تھا شاہ یروشلم بنا دیا اور اس کی شادی ہنری کی بیوہ ازابیل سے کر دی۔ ایملرک نے تخت نشین ہوتے ہی برابنیٹ کو مدد دی اور صور اور بیروت پر حملہ کا مشورہ دیا۔ اسی اثنا میں جرمنی کے اور صلیبی دستے بطور کمک آ گئے۔ تو صلیبیوں نے بیروت پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ ملک العادل صور کی طرف بڑھا اور جلد بازی میں اس نے صلیبیوں پر حملہ کر دیا۔ ملک العادل کو شکست فاش ہوئی۔ صلیبی لشکر اب دونوں طرف یعنی شمال اور جنوب کی طرف آگے بڑھا اور دسمبر ۱۱۹۷ء تک انہوں نے فلسطین کے تقریباً تمام ساحلی علاقے دوبارہ فتح کر لیے۔ اس کے بعد وہ بیت المقدس کی طرف بڑھے اور طورن کے قلعہ کا محاصرہ کیا اور محاصرہ اتنا شدید تھا کہ مسلم حفاظتی دستہ قلعہ چھوڑنے پر تیار ہو گیا۔ مگر چونکہ عیسائیوں مسلمانوں کی جان کی امان کا وعدہ نہ کیا۔ اس لیے وہ پھر مستعدی سے مقابلہ کرنے لگے۔ العادل نے اپنے بھتیجے العزیز کو لکھا کہ مصر سے مدد کے لیئے فوج بھیجے انہی ایام میں صلیبی لشکر کو شہنشاہ جرمن کے مرنے کی خبر ملی۔ تو جرمن سپاہی فلسطین سے جرمنی کو واپس جانے کی تیاری کرنے لگے اور محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ مصری

فوج کے آتے ہی وہ بُری طرح بھاگے اور صور میں آ کر پناہ لی اور چند دنوں کے اندر جہاز میں سوار ہو کر یورپ واپس چلے گئے۔ ملک العادل نے موقع پاتے ہی تمام مفتوحہ شہروں پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ پوپ کے نمائندے فرانس میں صلیبی جنگ کے لئے عوام کو اُکسا رہے تھے۔ ۱۱۹۸ء تک فرانس کے بڑے پادری فلک نے اکثر لوگوں کو کروسیڈ کے لئے تیار کر لیا۔ فرانس میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد فلک انگلستان کے بادشاہ رچرڈ کے پاس گیا۔

رچرڈ تیسرے کروسیڈ کی بدمزگیاں، ناکامیاں اور تکالیف ابھی تک نہ بھولا تھا۔ لہٰذا جب اُس نے فلک سے اپنے ملک میں اندرونی خلفشار کو ظاہر کر کے کروسیڈ پر جانے سے معذرت چاہی تو پادری فلک نے کہا۔ "اے بادشاہ تو جو چاہے کر مگر میں تم کو یہ نصیحت کرتا ہوں۔ کہ اپنی زندگی میں ہی اپنی تین بیٹیوں کی شادی کر دے، بہت مناسب ہوگا۔ رچرڈ نے متعجب ہو کر کہا کہ میری تو کوئی بیٹی نہیں ہے۔ تو اس پر پادری فلک نے کہا۔ کہ تمہاری تین بیٹیاں تکبر، نفس پرستی اور عیش و طرب ہیں۔ اس کے جواب میں رچرڈ نے اپنے درباریوں کو مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ تکبر کا تو زمانہ ہوا۔ ٹمپلر نائٹوں سے عقد ہو چکا ہے اور نفس پرستی نے شام میں آباد شدہ کروسیڈی نائٹوں کا گھر آباد کر رکھا ہے۔ اب رہا عیش و عشرت تو وہ زمانہ ہوا پوپ، پادریوں اور راہبوں کی محبوبہ بن چکی ہے۔"

پیہم ناکامیوں کے باوجود پوپ انوسنٹ سوئم اور پادری فلک فرانس

اور انگلستان کے بادشاہوں میں دوستی قائم کرنے اور ان کو کروسیڈ پر لے جانے کی انتہائی کوشش کرتے رہے۔ مگر یہ سب کوششیں اکارت گئیں۔ بہرحال فرانس میں چونکہ بہت سے لوگ کروسیڈ کے لئے حلف اُٹھا چکے تھے۔ اُن میں سے بالڈون جو ڈیوک آف فلانڈرس تھا۔ اور متعدد فرانسیسی نائٹ صلیبی جنگ پر جانے کو آمادہ ہو گئے۔ مگر کئی وجوہات کے باعث جب یہ لشکر کئی سال تک فرانس سے روانہ نہ ہوسکا۔ تو پادری فلک اسی غم میں مرگیا۔

قسطنطنیہ پر صلیبی قبضہ

۱۲۰۲ء میں یہ فرانسیسی صلیبی لشکر فرانس سے چلا اور سیدھا قسطنطنیہ گیا۔ قیصر روما کو ان صلیبی لشکریوں کے دلی ارادے کا پتہ نہ تھا۔ اس لئے ڈیوک بالڈون نے معمولی سی مزاحمت کے بعد قسطنطنیہ کو فتح کرلیا۔ قیصر مارا گیا اور بالڈون اب قسطنطنیہ کا بادشاہ بن گیا اور اُس نے دوسرے نائٹوں کو خوش کرنے کی غرض سے کئی صوبے اُن کو عطا کردیئے۔ لہٰذا فرانس کے صلیبیوں کا یہ کروسیڈ روما کے عیسائیوں کے خلاف تھا۔

بارہویں صدی کا آخری حصّہ اسلامی سلطنتوں کے لئے بہت منحوس تھا۔ کیونکہ شام، فلسطین، اور مصر میں قحط سالی اور زلزلے بہت ہی خوفناک صورت میں وقوع پذیر ہوئے۔ لہٰذا تمام علاقوں میں بیحد جانی اور مالی نقصان ہوا۔

چھبّیسواں باب

بچّوں کا کروسیڈ

چوتھی صلیبی جنگ کی ناکامی کے بعد یورپ کے ہر شہر میں ایک نئی صلیبی جنگ کے لئے پوپ کے نمائندے پروپیگنڈا کر رہے تھے۔ اس کا اثر عیسائی بچّوں پر بھی ہوا اور ۱۲۱۲ء میں ونڈوم کے ایک چرواہے کے لڑکے نے جس کا نام اسٹفن تھا۔ فرانس کے بچّوں کو کروسیڈ پر جانے کے لئے تیار کیا۔ وہ ایک خط لے کر شاہ فرانس کے پاس آیا اور یہ کہا "یہ خط مجھے یسوع مسیح نے خود آکر دیا ہے اور کروسیڈ کے لئے تبلیغ کا حکم دیا ہے۔" فرانس کے بادشاہ نے تو اس پر کوئی توجّہ نہ دی۔ مگر لاتعداد فرانسیسی بچّے اس کی تبلیغ سے متاثر ہوئے اور ماہ جون ۱۲۱۲ء کو تیس ہزار بچّے جن کی عمریں ۱۲ برس سے کم تھیں ونڈوم میں جمع ہوئے۔ یہ بچّوں کا قافلہ ہزار مصیبتیں برداشت کرتا ہوا مارسیلس کی بندرگاہ پر پہنچا۔ مگر ان کو یہ دیکھ کر ناامیدی ہوئی۔ اسٹفن کی پیشینگوئی کے

مطابق ان کے یروشلم جانے کے لیئے سمندر خشک نہ ہوا۔ اس پر بہت سے بچے واپس لوٹ گئے۔ اسٹفن کو کچھ تاجروں نے یروشلم جانے کے لئے سات جہاز دینے کا وعدہ کیا۔ جو اُس نے فوراً قبول کر لیا اور کئی ہزار بچے ان میں سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ مگر دو جہاز تو طوفان میں تباہ ہو گئے۔ باقی کسی مشرقی بندرگاہ پہنچے۔ جہاں جہاز کے مالکوں نے ان بچوں کو مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

اسی طرح کا ایک بچوں کا قافلہ کروسیڈ کے لیئے جرمنی سے روانہ ہوا۔ اس قافلہ کا سردار بھی ایک جوشیلا جرمن بچہ تھا جس کا نام نکولس تھا۔ جو کولون کا رہنے والا تھا۔ اُس نے بھی اسٹفن کی طرح اعلان کیا کہ اُس کو اس کام کے لئے خود یسوع مسیح نے مقرر کیا ہے اور اُس سے وعدہ کیا ہے کہ تم مسلمانوں کو راہِ راستی پر لاؤ گے اور تمہارے لئے سمندر خشک ہو کر یروشلم تک جانے کا راستہ پیدا کرے گا۔ یہ لڑکوں اور لڑکیوں کا قافلہ دو گروہوں میں بٹ کر بحرِ رُوم کے لئے روانہ ہوا۔ پہلا گروہ نکولس کی سرکردگی میں تھا جس میں بیس ہزار بچے تھے۔ بہت مصائب جھیل کر جنیوا پہنچا۔ دُوسرا قافلہ اٹلی پہنچا مگر سمندر کے پھٹنے کا معجزہ واقع نہ ہوا تو وہ نا اُمید ہو گئے۔ کچھ جہازوں میں بیٹھ کر بیت المقدس چلے گئے۔ کچھ وہیں رہ بس گئے اور کچھ کو پوپ اور پادریوں نے واپس جانے پر راضی کر لیا۔ جو بچے بیت المقدس روانہ ہوئے تھے یا تو راستہ میں ڈوب کر مر گئے یا مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو کر غلام بن گئے ؛

ستائیسواں باب

پانچواں کروسیڈ

۱۲۰۲ء کے کروسیڈی حالات نے پوپ اور پادریوں کو پریشان کر دیا۔ پوپ انوسنڈٹ نے حالات کا جائزہ لینے کی غرض سے تمام عیسائی دُنیا کے پادریوں کو مشورہ کے لئے بُلایا۔ یہ مشاورتی مجلس نومبر ۱۲۱۵ء میں بُلائی گئی اور اس مجلس میں شمولیت کے لئے دعوت نامے دو سال قبل بھیجے گئے۔

اس مجلس میں چار سو بارہ پادریوں نے شرکت کی۔ یورپ، فلسطین اور قسطنطنیہ کے سب بڑے پادری اس مجلس میں شرکت کرنے کے لئے آئے۔

اس مجلس میں یہ طے ہوا کہ انتہائی کوشش کر کے تمام بادشاہوں، اُمرا اور عوام کو آئندہ کروسیڈ کے لئے تیار کیا جائے۔ پادریوں کے اس اجتماع کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ کے مفصلہ ذیل بادشاہوں نے کروسیڈ کے لئے حلف اُٹھایا:۔

۱- اینڈرو ——— شاہ ہنگری

۲- لیوپولڈ ——— ڈیوک آف آسٹریا

۳- ولیم ——— کاؤنٹ آف ہالینڈ

۴- ریونوف ——— ارل آف چیسٹر (انگلستان)

۵- آرمینا ——— قبرص —— اور فلسطین کے کروسیڈی بادشاہ

ان تمام بادشاہوں کے مقابلے میں ملک العادل تھا۔ ۱۲۱۷ء میں یہ صلیبی لشکر عکا میں جمع ہوا اور پھر پیشقدمی کر کے اُس نے جبل طبور (MT. TABOR) کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ سلطان العادل نے محصورین سے کہہ دیا۔ کہ وہ قلعے سے باہر نہ نکلیں اور صرف صلیبیوں کے حملے کا جواب دیتے رہیں۔ ملک العادل نے گرد و نواح کے علاقے کو تاراج کر دیا کہ صلیبیوں کے لشکریوں کے لئے رسد اور جانوروں کے لئے چارہ نہ ملے۔ علاوہ ازیں آس پاس کے کنوئیں برباد کر دیئے۔ صلیبی لشکر کئی ماہ تک اس قلعے کے سامنے پڑے رہے۔ سب سے پہلے ہنگری اور آرمینیہ کے بادشاہوں نے ملک کے سیاسی حالات کی بنا پر اپنے اپنے وطن کی راہ لی۔ اس کے بعد اور سلاطین بھی اپنے اپنے وطن کو لوٹ گئے۔ اس لئے صلیبی حملہ بیکار ثابت ہوا۔

دمیاط پر حملہ

۱۲۱۸ء میں یورپ سے اور بہت سے صلیبی دستے عکا میں پہنچے اور مئی ۱۲۱۸ء میں بحری راستہ سے عازم مصر ہوئے۔ تاکہ مصر کی بندرگاہ دمیاط پر قبضہ کر لیں۔ دمیاط کے

شہر کے اردگرد بہت مضبوط فصیل تھی۔ جس کی حفاظت کے لئے دو طرف سمندر اور دریائے نیل تھا۔ دو طرف گہری خندق کھود کر اس میں دریائے نیل کا پانی بھر دیا گیا تھا۔ فصیل پر جا بجا کئی مینار اور قلعے تھے۔ تا کہ ان کی مدد سے دشمن کو فصیل پر چڑھنے سے روکا جائے۔ علاوہ ازیں دریائے نیل کے عین وسط میں ایک زبردست برج بنا دیا تھا۔ تا کہ دشمن کا بحری بیڑہ دمیاط پر حملہ آور نہ ہو سکے۔ صلیبیوں نے طے کیا کہ سب سے پہلے اس برج پر حملہ کر کے اُسے برباد کر دیا جائے۔ تا کہ دمیاط پر حملہ کرنا آسان ہو جائے۔ ۲۴ اگست ۱۲۱۸ء کو اس برج پر پہلی بار حملہ کیا گیا۔ مگر صلیبی ناکام رہے۔ صلیبیوں نے کئی بار حملے کئے۔ مگر ہر بار انہوں نے منہ کی کھائی۔ مصری فوج کے دستے اس برج سے صلیبی حملہ آور کشتیوں پر اس کامیابی سے آگ کے گولے پھینکتے۔ کہ ان کشتیوں اور حملہ آوروں کو جلا کر رکھ دیتے۔ پھر بھی صلیبی لشکریوں کے عزم میں فرق نہ آیا اور انہوں نے کئی بار برج پر سیڑھیاں لگا کر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ صلیبیوں کا بہت نقصان ہوا۔ آخر کار ایک رات صلیبیوں نے برج پر حملہ کیا اور وہ اس برج کو سر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

ستمبر کے مہینے میں فرانس اور انگلستان کے متعدد بڑے بڑے اُمراء صلیبی لشکر لے کر دمیاط کو فتح کرنے کی غرض سے وہاں پہنچ گئے۔ انہی ایام میں دریائے نیل میں طغیانی آئی۔ جس کی وجہ سے صلیبیوں کے کمپ میں سامان رسد کا بہت نقصان ہوا اور کئی جہاز بھی ڈوب گئے۔

۳۱ اگست ۱۲۱۸ء کو العادل کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا بڑا بیٹا الکامل مصر کا حاکم بنا اور چھوٹا بیٹا المعظم شام کا حکمران بنا۔

صلیبی لشکروں کی کمک جو مسلسل آرہی تھی اور مصری فوج کی کمزوری نے سلطان کامل کے حوصلے پست کر دیئے۔ وہ ارادہ کر رہا تھا کہ بھاگ کر یمن چلا جائے کہ سلطان معظم شام سے کمک لے کر آگیا۔ اس لئے سلطان کامل کا حوصلہ بڑھ گیا اور سلطان نے دمیاط والوں کے لئے کمک بھیج دی۔

صلیبی لشکر میں پہلے آسٹریا کا بادشاہ لیوپولڈ واپس چلا گیا اور پھر کاؤنٹ آف نیروس بھی اپنے لشکر کے ہمراہ اپنے وطن کو واپس لوٹ گیا۔ ان دو بڑے لشکروں کے چلے جانے سے صلیبیوں میں بہت خوف و ہراس پھیل گیا اور کئی صلیبی عیسائی اپنے مذہب کو ترک کر کے مسلمان بن گئے۔

مگر ۵ نومبر ۱۲۱۸ء کو صلیبیوں سے ایک اور زبردست نئی کمک پہنچ گئی۔ لہٰذا انہوں نے دمیاط پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ دمیاط میں وبا پھیلنے سے مصریوں کی طاقت کم ہو گئی تھی۔ اس نئی کمک کے ہمراہ شاہ یروشلم جان آف برین کارڈنل اور پلیگس بھی تھے۔ دمیاط کی فتح پر ان دونوں میں چل گئی اور بادشاہ جان آرمینیہ کو واپس لوٹ گیا۔ مصری سلطان کا حوصلہ پست ہو چکا تھا۔ اس لئے اس نے صلح کی یہ شرط پیش کی۔ کہ سلطان صلیبیوں کو دمیاط کے عوض فلسطین کے تمام ساحلی شہر ماسوا کرک کے حوالہ کر دے گا۔ پلیگس نے اس شرط کو ٹھکرا دیا اور آرمینیہ کے بادشاہ جان سے بار

بار استدعا کی۔ کہ وہ مصر میں دوبارہ آجائے۔ تاکہ وہ دونوں مل کر قاہرہ پر حملہ آور ہو سکیں۔ جان مان گیا اور آخر کار ۲۹ جون ۱۲۲۱ء میں دمیاط میں مع اپنے لشکر کے پہنچ گیا۔ مگر پلیگس نے قاہرہ کی طرف پیشقدمی کر دی تھی۔ بہر حال بادشاہ جان بھی اپنے لشکر لے کر قاہرہ کی طرف بڑھا اور دوسرے لشکر سے آملا۔ اس بڑے متحدہ صلیبی لشکر نے دو ماہ تک کوئی پیشقدمی نہ کی۔ اس اثنا میں دریائے نیل میں زبردست طغیانی آئی۔ صلیبی لشکر اب پانی میں گھر گیا۔ سلطان نے اپنے بحری بیڑے کو آگے بڑھا کر صلیبی لشکر کے عقب کا سلسلۂ آمد و رفت دمیاط سے کاٹ دیا۔ جب دمیاط سے صلیبی لشکر کو کوئی رسد نہ پہنچی تو ان کی حالت بہت نازک ہو گئی۔ لہٰذا صلیبی لشکر نے صلح کا پیغام بھیجا۔

شرائط صلح اور سلطان کی رحمدلی

سلطان نے ان شرائط پر صلیبیوں سے صلح کر لی:۔

۱۔ صلیبی دمیاط کو خالی کر دیں گے۔

۲۔ بادشاہ جان (پلیگس اور ڈیوک آف بویریا اور اٹھارہ ۱۸ دوسرے سردار اور پادری) بطور یرغمال سلطان کے پاس رہیں۔ جب تک دمیاط سلطان کے حوالہ نہ کر دیا جائے گا۔

۳۔ سلطان تمام صلیبی قیدیوں کو آزاد کر دے گا اور مقدس صلیب بھی ان کے حوالے کر دے گا۔ بشرطیکہ صلیبی یہ وعدہ کریں کہ وہ آٹھ سال کے عرصہ کے لئے امن قائم رکھیں گے

صلیبیوں نے یہ شرائط منظور کر لیں اور اس طرح پانچویں کروسیڈ ختم ہوئی۔
ٹی۔ آرچر لکھتا ہے۔ کہ جب بادشاہ جان سلطان کی بارگاہ میں بطور یرغمال
بیٹھا ہوا تھا وہ زار زار رونے لگا۔ سلطان نے جان سے جب اُس کے
رونے کی وجہ دریافت کی۔ تو اُس نے کہا کہ اُسے یہ غم کھائے جا رہا ہے
کہ اُس کے اپنے لشکری فاقوں سے مر رہے ہیں۔ سلطان کو یہ سُن کر رحم
آگیا اور اُس نے صلیبی لشکریوں کے لئے کافی اناج بھیج دیا۔

مصر سے واپسی پر بادشاہ جان مدد حاصل کرنے کی غرض سے اٹلی،
رُوم، انگلستان، فرانس اور اسپین گیا۔ تاکہ وہ اپنی کھوئی ہوئی آرمینیہ
کی سلطنت کو دوبارہ فتح کرے۔ مگر کسی نے اُس کی مدد نہ کی۔ آخر کار
وہ جرمنی کے شہنشاہ فریڈرک کے پاس گیا اور اپنی ازبیلہ کی شادی فریڈرک
سے کر دی اور فلسطین کا علاقہ اپنی لڑکی کو جہیز میں دے دیا۔ لہٰذا اب
فریڈرک کی ہمت پر منحصر تھا کہ وہ اس سلطنت کو حاصل کرے۔

پانچویں کروسیڈ کے اسباق و نتائج

نفاق، حسد، حرص اور بُغض نے کئی بار
صلیبیوں کو فتح سے محروم کر دیا۔ صلیبی لشکر کثیر تعداد میں بہترین اسلحہ سے
مسلح اور مالی اعتبار سے خوشحال تھا۔ مگر مذکورہ خامیوں کے باعث
ایک کمزور لشکر سے مات کھا گیا۔

مصریوں نے نازک حالات میں بھی حوصلہ نہ ہارا اور جب موسمی
فضلا نے اُن کی مدد کی تو وُہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہ رہے۔ لہٰذا

آخر کار کامیابی انہی کو نصیب ہوئی۔

جو فوج پیشقدمی کرتے وقت اپنے سلسلۂ آمدورفت کی نگرانی نہیں کرتی۔ وہ ہمیشہ دشمن کے جال میں پھنس کر تباہ ہو جاتی ہے۔ صلیبی لشکر نے پیشقدمی کرتے وقت اس دفاعی اصول پر عمل نہ کیا اور اُن کے عقب کے مستقر دمیاط اور لشکر کے درمیان کوئی رابطہ قائم نہ رہا۔ اس لئے لشکر چاروں طرف سے گھر گیا اور اُسے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔

حملہ آور لشکر کے تمام حصّوں میں میل جول اور ربط کا سلسلہ ضروری ہے۔ تاکہ اُس کے مختلف حصّے آڑے وقت میں ایک دوسرے کی مدد کر سکیں۔

اٹھائیسواں باب

چھٹا کروسیڈ

شہنشاہ فریڈرک کو ایک انگریز مورخ نے اعجوبہ روزگار لکھا ہے۔ کیونکہ وہ ایک عظیم المرتبت بادشاہ تھا اسی لئے اُسے فریڈرک اعظم کے لقب سے پکارا گیا ہے۔ وہ بہت مشہور شاعر تھا۔ وہ موسیقی کا بہترین ذوق رکھتا تھا۔ وہ جرمن، اطالوی، یونانی، لاطینی اور عربی زبانوں کا ماہر تھا۔ اس کو فلسفہ، طب، تاریخ اور دوسرے علوم پر کامل دسترس حاصل تھی۔ دوسرے ممالک کے بارے میں اُس کو وسیع معلومات حاصل تھیں۔ وہ بہت جنگجو، دلیر، بیباک اور صاحب عزم سالار تھا۔ اُس نے کسی مذہب سے خاص لگاؤ نہ رکھا تھا۔ دوسرے مذاہب خاص طور سے اسلام کے مطالعہ کو بُرا نہ سمجھتا تھا اور اس میں دلچسپی لیتا تھا۔ چونکہ وہ اپنے آپ کو مذہبی علوم کا ماہر سمجھتا تھا اس لئے وہ کسی پادری

چاہے وہ رُوم کا پوپ ہی کیوں نہ ہو، بے چوں وچرا حکم ماننے کے لئے
تیار نہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو زمین پر خُدا کا نمایندہ تصور کرتا تھا۔ اپنی
تمام خُوبیوں کے باوجود وہ عام طور پر پسند نہ کیا جاتا تھا۔ کیونکہ وہ ظالم،
خود غرض، چالاک اور ناقابل اعتماد تھا۔ لیکن بایں ہمہ کروسیڈ کے لئے
فلسطین گیا۔ تاکہ اپنی سلطنت کو وسعت دے۔ وہ اپنے تئیں قیصر روما
کا جائز وارث سمجھتا تھا۔

نومبر ۱۲۲۵ء میں فریڈرک نے شاہزادی ازبیلہ سے شادی کی
اور اُس کے چار ماہ بعد اُس نے صلیبی جنگ پر جانے کا اعلان کیا۔ یہ وہ
زمانہ تھا جبکہ پوپ آنوریس کا انتقال ہوچکا تھا۔ اس کی جگہ گریگوری
نہم پوپ اعظم بنا۔ گریگوری اور فریڈرک میں شروع شروع میں تعلقات
اچھے رہے۔ خصوصاً جبکہ شہنشاہ نے کروسیڈ کا اعلان کیا تھا۔ اگست ۱۲۲۷ء
میں شہنشاہ فریڈرک نے برنڈکسی کے بندرگاہ پر بہت بڑا صلیبی لشکر جمع
کیا اور یہ لشکر جہازوں پر سوار ہو کر روانہ ہوگیا۔ مگر تین دن کے بعد یہ لشکر
بندرگاہ پر واپس آگیا۔ کیونکہ شہنشاہ بیمار تھا۔ اس لئے سب لشکروں
کو اپنی اپنی چھاؤنیوں میں واپس بھیج دیا گیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے۔ پوپ گریگوری ایسے موقع کی تلاش میں تھا۔
کیونکہ اُس نے فوراً ہی شہنشاہ فریڈرک کو صلیبی حلف توڑنے کا مجرم
ٹھہرایا اور جب فریڈرک نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔ تو پوپ نے
اُسے بے دین ٹھہرا کر مذہب سے خارج کردیا۔ اس خبر کے سنتے ہی

بہت سے صلیبی لشکری فریڈرک کے جھنڈے سے الگ ہو گئے۔

فریڈرک کی روانگی

فریڈرک نے پوپ کے اس رویّہ کو ناروا اور ناموزوں قرار دیا۔ اُس نے پوپ کے خلاف ایک اعلان نامہ شائع کر کے تمام یورپ کے بادشاہوں کو روانہ کیا اور پوپ کی غلطی ثابت کرنے کی غرض سے اُس نے موسم بہار میں کروسیڈ پر جانے کا پھر سے اعلان کر دیا۔ اسی دوران میں فریڈرک سلطان مصر سے گفت و شنید کرتا رہا۔ ۷ ستمبر ۱۲۲۸ء کو شہنشاہ فریڈرک صرف چھ سو نائٹوں کو ہمراہ لے کر سمندری راستے سے پہلے قبرص اور پھر عکا پہنچا۔ شام کے کروسیڈی نائٹوں نے اُسے بے دین کہ کر اُس کے جھنڈے کے نیچے لڑنے سے انکار کر دیا۔ علاوہ ازیں وہاں کے پادریوں نے بھی تعاون نہ کیا۔ مگر فریڈرک پر ان لوگوں کے اس رویّے کا کوئی اثر نہ ہوا۔

شروع شروع میں فریڈرک نے سلطان الکامل سے تمام فلسطین کا علاقہ اسکندریہ اور دمیاط طلب کئے۔ مگر اس اثنا میں فریڈرک نے جب سُنا کہ بادشاہ جان پوپ گریگوری کے ایما اور مدد سے اطالوی بندرگاہوں پر قبضہ کر رہا ہے۔ تو اس نے اپنی شرائط بدل دیں اور سلطان سے کہا کہ وہ بیت اللحم، قدس، ناظرت پر فریڈرک کا قبضہ تسلیم کر لے۔ البتہ مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں کا قبضہ رہے۔ سلطان چونکہ بہت کمزور تھا اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کی مخالفت کے باعث اس کی قوت منتشر تھی۔ اس لئے اُس نے مندرجہ ذیل شرائط پر ۱۸ مارچ ۱۲۲۹ء

کو دستخط کردیئے۔

۱۲۲۹ء کا صلحنامہ

(۱) بیت المقدس کی سلطنت آزاد حکومت ہوگی۔ اس میں یروشلم، بیت اللحم، ناظرت اور مغربی گلیلی شامل ہوں گے۔ لد سے ہوتا ہوا جافہ تک ایک راستہ بھی اس میں شامل ہوگا۔

۲۔ بیت المقدس میں گنبد خضرا اور مسجد اقصیٰ کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں رہے گا۔ مسلمانوں کو وہاں آنے جانے اور عبادت کرنے کی مکمل آزادی ہوگی۔

۳۔ فریڈرک اگر چاہے تو وہ خود بیت المقدس کی فصیل بنوا سکتا ہے۔ مگر یہ اجازت سوائے اُس کے اور کسی کو نہ ہوگی۔

۴۔ دونوں طرف کے قیدی رہا کر دیئے جائیں گے۔

۵۔ یہ صلحنامہ دس سال تک باقی رہے گا۔

۶۔ اس صلحنامہ کو بوہیمانڈ کے انطاکیہ اور طرابلس کے علاقہ سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

اس صلحنامہ سے تمام اسلامی دُنیا میں غم و غصّہ کی لہر دوڑ گئی۔ ہر جگہ مسلمانوں نے اس کو اسلام سے غدّاری قرار دیا۔ اور علماء نے اس کی مذمّت کی۔ عیسائی لوگوں نے بھی اس صلح پر خوشی کا اظہار نہ کیا۔ کیونکہ اُن کو مسلمانوں کے اہم مقامات پر قبضہ نہیں حاصل ہوا تھا۔

۱۹ مارچ ۱۲۲۹ء کو بروز اتوار فریڈرک بیت المقدس کے مقدّس

گرجے میں داخل ہوا۔ مگر وہاں کوئی پادری موجود نہ تھا۔ لیکن اُس نے پروا نہ کی اور منبر سے تاج شاہی کو اپنے ہاتھوں سے اُٹھا کر پہن لیا اور شاہ فلسطین ہونے کا اعلان کیا۔ اس نئی رسم کی تاج پوشی کے بعد بادشاہ فریڈرک مسجدِ حضرت عمرؓ میں گیا۔ اتفاق سے وہ نماز کا وقت تھا۔ اس لئے مؤذن بادشاہ کے خیال سے اذان دینے سے رُک گیا۔ تاکہ فریڈرک کے جانے کے بعد اذان دے۔ فریڈرک قیافہ شناس تھا۔ سمجھ گیا اور مؤذن سے کہا کہ خُوب بلند آواز سے اذان دی جائے اور ساتھ ہی یہ کہا کہ یروشلم میں مسلمانوں کی اذانیں سُننے کے لئے تو آیا ہے اُس نے یہ بھی کہا کہ وہ مسلمان جو جرمنی میں ہیں۔ ان کو بھی اذان دینے اور نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی۔ لہٰذا مؤذن نے اذان دی۔ جب وہ حرم شریف کے حصّے میں داخل ہوا۔ تو ایک پادری اُس کے قریب آنے لگا۔ یہ دیکھ کر وہ اُس پادری پر برس پڑا اور اُس کو واپس جانے کے لئے کہا اور یہ اعلان کیا کہ اگر کوئی عیسائی پادری اس علاقہ میں بغیر مسلمانوں کی اجازت کے داخل ہوگا تو اُس کو قتل کرا دیا جائے گا۔ فریڈرک تھوڑی دیر کے بعد واپس چلا گیا۔ مسلمان اُس کے طرزِ عمل سے متاثّر ہونے کی بجائے متعجّب ہوئے اور ان کے دل شکوک سے بھر گئے۔

فریڈرک پر پادریوں کی ناراضگی

بیت المقدّس کے پادریوں کے لئے دونوں واقعات یعنی:-

تاج پوشی کے وقت پادری کی موجودگی کو غیر ضروری سمجھنا۔ چرچ کی ایسی زبردست

ہتک تھی۔ جو ناقابل معافی تھی۔ یہی قانون کے مطابق صرف پادری ہی بادشاہ کے سر پر تاج رکھنے کا مجاز تھا۔ دوسرے مسجد عمرؓ پر مسلمانوں کا قبضہ باقی رہنے دینا مؤذن سے اپنی موجودگی میں بلند آواز سے اذان کہلوانا اور مسجد کے خطیب کا احترام کرنا۔ ان کے گہرے زخم پر نمک چھڑکنے کے مترادف تھا۔

نتیجۃً قدس کے بڑے پادری جیرلڈ نے پوپ اعظم کے پاس فریڈرک کے خلاف بہت زبردست شکایت نامہ لکھا اور اس میں مذکورہ بالا الزاموں کے علاوہ کئی اور شکایات بھی لکھ دیں۔ جب یہ خط پوپ گریگوری کے پاس پہنچا۔ تو اس نے فریڈرک کے خلاف زبردست محاذ قائم کیا۔ فریڈرک کے واپس چلے جانے کے ایک سال بعد سلطان کامل نے تمام مفتوحہ مقامات پر پھر سے قبضہ کر لیا۔

فریڈرک نے جب یہ خبر سنی۔ تو اس نے ایک جری لشکر جرمنی سے بھیجا۔ مگر یہ لشکر قبرص ہی میں شامی کروسیڈروں کے لشکروں سے الجھ گیا اور وہاں سے ہی کچھ عرصہ لڑنے بعد واپس چلا گیا۔ شامی کروسیڈی نائٹوں نے فریڈرک کے لشکر کی مخالفت پوپ اعظم کے ایما پر کی تھی۔

بہرحال یہ تائید غیبی تھی۔ جو سلطان کو ایسے آڑے وقت میں حاصل ہوئی۔ الکامل نے تمام مخالفین کو شکست دے کر ایوبی سلطنت کو متحد کر دیا تھا۔ ۱۲۳۸ء میں جب اس کا انتقال ہوا۔ تو پھر ایوبی خاندان کے شہزادوں میں جنگ شروع ہو گئی۔

۱۲۳۶ء کو وسط ایشیا کے ترکوں نے سر اٹھایا اور قونیہ کو فتح کر کے اسے اپنا مستقر بنا لیا اور اسلامی حکومتوں کو تاراج کرنا شروع کیا۔

کروسیڈ کے لئے پوپ گریگوری کی تحریک جاریہ

۱۲۳۹ء میں پوپ گریگوری نے کروسیڈ کا پھر سے اعلان کیا۔ تاکہ اس وقت جبکہ مسلم حکمران تاتاری ترکوں کے ساتھ اُلجھے ہوئے ہیں۔ وہ اس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا۔ گریگوری کی یہ اپیل بہت کامیاب رہی۔ کیونکہ گو فرانس کے بادشاہ لوئی نے بذات خود جانے سے معذرت ظاہر کی۔ مگر اپنی جگہ ڈیوک آف برگنڈی کو نامزد کر دیا۔ علاوہ ازیں نوارے کا کا بادشاہ تھیوبالڈ، کاؤنٹ آف برٹینی اور دوسرے بڑے کاؤنٹ بھی کروسیڈ کے لئے تیار ہو گئے۔ فریڈرک نے بھی ہمراہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مگر اپنی روانگی کی تاریخ مقرر نہ کی۔ جرمن کے شہنشاہ کا کافی انتظار کیا گیا۔ مگر جب وہ نہ آیا تو یہ صلیبی لشکر بادشاہ تھیوبالڈ کے جھنڈے کے نیچے اگست ۱۲۳۹ء میں عکا پہنچا اور وہاں پہنچتے ہی یہ طے ہوا۔ کہ جلد سے جلد عسقلان پر قبضہ کر لیا جائے۔

صلیبی لشکر کی تباہی یہ صلیبی لشکر ۲ نومبر کو جافہ پہنچ گیا۔ یہاں پر سلطان نے مقابلہ کیا۔ مگر سلطانی لشکر نے شکست کھائی۔ اس فتح سے سرشار ہو کر تمام نائٹوں نے اصرار کیا۔ کہ پیشقدمی جاری رکھی جائے۔ بادشاہ تھیوبالڈ نے اس کی مخالفت کی۔ مگر

اُس کی بات کسی نے نہ مانی۔ اور یہ لوگ آگے بڑھتے گئے اور غازہ کے قریب پہنچ گئے۔ جو مصر کی حدود سے بہت دُور نہ تھا۔ یہ علاقہ پہاڑی بنجر اور بہت نشیب و فراز والا تھا۔ اس وقت صلیبی لشکر دو حصّوں میں منقسم تھا۔ ہراول میں تھیو بالڈ تھا جو عسقلان کی طرف بڑھ رہا تھا اور باقی لشکر اُس پہاڑی علاقے میں آرام کے لئے ٹھہر گیا۔ چونکہ پتھریلی زمین کی وجہ سے موسم گرم تھا اس لئے سب لوگ آرام کے لئے جگہ جگہ سایہ میں بیٹھے تھے اور اپنا اپنا ناشتہ تیار کر رہے تھے کہ اچانک مصری فوج نے جو امیر رکن الدین کے ماتحت غازہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ نہایت ہی مستعدی سے ان پر حملہ کر دیا۔ ڈیوک آف برگنڈی نازک حالات کے باعث اپنی فوج کو بچا کر یافہ چلا گیا۔ مگر ایک ہزار صلیبی قتل ہوئے اور چھ سو کے قریب قید ہوئے۔ مارے جانے والوں میں کاؤنٹ ہنری بھی تھا۔ تھیو بالڈ کو جب یہ خبر ملی۔ تو اپنی جان بچا کر عکا پہنچ گیا اور یورپ سے نئی کمک کے آنے کا انتظار کرنے لگا جب یہ دستے عکا پہنچ گئے تو وہاں پر دوبارہ بہت زبردست صلیبی لشکر جمع ہو گیا۔ لیکن اب صلیبی نائٹوں میں مختلف وجوہات کی بنا پر حسد و عناد رونما ہو گیا۔ لہٰذا انگلستان کے نائٹ اور صلیبی دستے اپنے وطن کو واپس لوٹ گئے۔ کرک کے سلطان الناصر نے مسلمانی قافلہ پر صلیبیوں کا بدلہ لینے کے لئے بیت المقدس پر حملہ کیا اور اس کو اتنا آسانی سے فتح کر کے اُس کی قلعہ بندی کو برباد کرا دیا۔

تھیوبالڈ کی واپسی

غازہ کی تباہی کے بعد تھیوبالڈ اپنی فوجوں کو طرابلس لے گیا۔ وہاں امیر المظفر نے اپنے ایوبی مخالفوں کے مقابلہ میں اس سے مدد مانگی۔ تھیوبالڈ فوراً مدد کے لیئے تیار ہو گیا۔ مگر چونکہ مظفر کے مخالفین ڈر کر بھاگ گئے اس لئے تھیوبالڈ کی مدد کی ضرورت نہ پڑی۔ اس عرصہ میں ایوب مصر کا حاکم بن گیا تھا اور اُس نے الناصر سے مل کر اپنے حریف اسمٰعیل کے خلاف فوج کشی شروع کر دی۔ اسمٰعیل نے صلیبیوں سے مدد کے وعدہ پر انہیں بیوفورٹ اور صفید کے قلعے دے دیئے۔ ان قلعوں کا عیسائیوں کے ہاتھوں میں چلا جانا مسلمانوں کے لئے بڑے افسوس کا باعث بنا گر جونہی تھیوبالڈ اسمٰعیل کی مدد کے لیئے روانہ ہوا۔ تو ہاسپٹلر کے نائٹ ایوب سے مل گئے اور غازہ کے قیدیوں کے بدلہ میں غیر جانبدار رہنے اور عسقلان پر قبضہ کرنے اور اُس کو قلعہ بند کرنے کی شرائط پر صلح کر لی۔ مگر صلاح الدین کے ساتھ کیئے ہوئے صلحنامہ کی اس شرط کو توڑنے پر تمام عیسائی ناراض ہوئے۔ تھیوبالڈ بہت بدنام ہو گیا اس لئے فوراً یورپ چلا گیا۔ اُس کے بہت سے ساتھی بھی سوائے ڈیوک آف برگنڈی کے واپس چلے گئے۔

تھیوبالڈ کی واپسی کے بعد رچرڈ ارل آف کارنوال عکا پہنچا۔ اس کو شہنشاہ فریڈرک کی حمایت حاصل تھی۔ اُس نے فوراً عسقلان پہنچ کر ایوب سلطان مصر سے جو ٹمپلروں نے معاہدہ کیا تھا۔ اُس کی توثیق کی۔

مسلمان اور عیسائی قیدیوں کا مبادلہ ہوا اور عیسائیوں کو دوبارہ بحیرۂ روم کے کنارے شہر مل گئے۔ یروشلم غیر قلعہ بند رہا۔ مگر عسقلان کی قلعہ بندی کی گئی۔ رچرڈ فلسطین میں ایک سال کے قریب رہا پھر انگلستان واپس چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی جو انتظام اُس نے کیا تھا درہم برہم ہو گیا۔ تاہم ٹمپلر نائٹ بڑی ہوشیاری سے مسلمان حکمرانوں کی مخاصمت سے فائدہ اُٹھاتے رہے۔

بیت المقدس کی دوبارہ فتح

۱۲۴۴ء میں الناصر، المنصور، ابراہیم اور اسمٰعیل تینوں ایوب کے خلاف متحد ہو گئے۔ اور ٹمپلر نائٹوں سے ایوب کے خلاف کارروائی میں عملی مدد مانگی۔ جو وہ مصر کی فتح میں حصہ دار بننے کی شرط پر دینے کے لئے فوراً تیار ہو گئے۔ لیکن ایوب نے خوارزمی ترکوں سے مدد مانگی اور جُون ۱۲۴۴ء میں دس ہزار خوارزمی تُرک شہسوار فلسطین پر حملہ آور ہوئے۔ بیت المقدس میں داخل ہو کر اُس پر قبضہ کر لیا۔ بمشکل تمام تین سو عیسائی وہاں سے بچ کر جا نہ پہنچے۔ اس کے بعد سات سو سال بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں رہا۔ بیت المقدس کو فتح کر کے خوارزمی جنوب کی طرف بڑھے اور غازہ میں ۵ ہزار مصری فوج سے مل گئے۔ جو مملوک امیر رکن الدین بیبرس کی کمان میں وہاں موجود تھی۔

جنگ حربیہ

سلطان المنصور نے صلیبی لشکر کے نائٹوں کو آگاہ کیا۔ محض اپنی کثرت تعداد اور اسلحہ پر بھروسہ کر کے

تاتاریوں پر حملہ نہ کریں۔ بلکہ اُن کو ایسے علاقے میں پھنسائیں۔ جہاں ان کو چاروں طرف سے گھیر کر تباہ کیا جا سکے۔ صلیبی نائٹوں نے کہا۔ یہ بے دین (سلطان المنصور) ان کو بزدل بنا رہا ہے۔ لہٰذا وہ تاتاریوں پر حملہ کرنے کی غرض سے غازہ کی طرف بڑھے۔ عین حملہ کے وقت المنصور تو ہوشیاری سے پہلو بچا کر اپنے لشکر لے کر حمص واپس چلا گیا۔ مصریوں اور تاتاریوں نے صلیبی لشکر کو گھیر لیا اور ایسی سفاکی سے قتل کیا۔ کہ ان میں شاید ہی کوئی جان بچا کر اپنے وطن کو واپس لوٹا ہو۔ یہ واقعہ ۱۷ اکتوبر ۱۲۴۴ء کا ہے۔ اس کے بعد فاتح فوج عسقلان اور جافہ پہنچی اور ان شہروں کو فتح کر لیا۔

یہ شکست صلیبی لشکر پر ایسا کاری وار تھا۔ کہ اُس کے بعد صلیبی کا فلسطین میں زوال شروع ہو گیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں فلسطین میں کروسیڈی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

چھٹی صلیبی جنگ کے نتائج و عواقب

(۱) صلیبی لشکر کے نائٹوں کو حرص، طمع اور گھمنڈ نے کہیں کا نہ رکھا۔ وہ اپنی قوت و شوکت پر نازاں تھے۔ جس کا انحصار محض کثرت تعداد پر تھا۔ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ غیر منظم فوج بھیڑوں کے ریوڑ کی طرح ہے اور جس فوج کو بلا صائب دفاعی منصوبے کے لڑایا جائے وہ یقینی طور سے شکست کھا جاتی ہے۔

(۲) جو فوج ہر وقت چوکس نہیں رہتی وہ مات کھا جاتی ہے۔ دشمن پر کاری

وار کرنے کے لیئے عزم کے علاوہ صبر سے مناسب موقع کا انتظار کرنا لازمی ہے۔ اس حربے سے سلطان بادشاہ تھیوبالڈ کے لشکر کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ کیونکہ صلیبی لشکر نے غفلت کا شکار ہو کر تمام حفاظتی انتظامات ترک کر دیئے۔ لہٰذا سلطان کا اچانک حملہ کامیاب رہا۔

(۳) صلیبی لشکر نے بار بار ایک ہی غلطی دُہرائی کہ انہوں نے اپنے سپہ سالار کے دفاعی منصوبے پر عمل نہ کیا اور ہر بار نائٹ اپنے سپہ سالار کو من مانی تجویز پر عمل کرنے کے لیئے مجبور کرتے رہے۔ فوج کو کامیابی سے لڑانے کے لئے یکجہتی کی سخت ضرورت ہے۔ مگر یکجہتی صلیبی لشکر میں عنقا تھی۔ نظم (ڈسپلن) بھی صلیبی لشکر میں نہ تھا۔ اس لیئے ان کا بار بار مسلم فوج سے شکست کھا جانا باعث نہ تھا۔

(۴) باہمت سپہ سالار شکست کھا جانے کے بعد دُشمن کو زیر کرنے کا موقع حاصل کر لیتا ہے۔ سلطان کامل نے بظاہر ترکوں کو مدد پر بلانے کا خطرناک راستہ اختیار کیا۔ مگر اُس کی دانشمندی سے تاتاری لُوٹ مار کے بعد واپس چلے گئے اور ترکوں کی تباہی کے باعث صلیبی لشکریوں کو فوج کے لیئے رسد حاصل کرنے میں دُشواری ہوئی۔ یہی وجہ تھی کہ یورپ سے کمک آنے کے بعد اس بات پر جھگڑا ہوا کہ دوبارہ پیشقدمی کب ہو۔ نئے وارد شدہ صلیبی فوراً آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ مگر شکست خوردہ فوجی اس کے خلاف تھے؛

انتیسواں باب

ساتواں کروسیڈ

یورپ میں مذہبی انقلاب اور اُس کی وجوہات

۱۲۴۴ء میں بیت المقدس اور اُس کے گردونواح کو تاتاریوں نے نذرِ آتش کر دیا اور تمام عیسائی، راہبوں، پادریوں اور عیسائی مرد اور عورتوں کو زندہ جلا دیا۔ گرجے اور کنیسے لوٹ لئے۔ لہٰذا پوپ نے "عیسائی مذہب خطرے میں ہے"۔ کروسیڈ کے لئے عیسائی دُنیا کو اُبھارا۔ مگر یورپ کے عوام نے یہ پکار سُن کر خاموشی اختیار کر لی اور پوپ کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔

کئی مغربی مبصرین مثلاً ٹی۔ آرچر نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے:۔

(۱) عوام کو مذہبی رہنماؤں پر اس لئے اعتماد نہ رہا تھا۔ کروسیڈ کے لئے

جو چندہ جمع ہوا۔ وہ یا تو پادری کے خزانے میں جمع ہو گیا یا پھر بادشاہوں اور نائٹوں نے اپنے ذاتی مفاد اور حرص کو پورا کرنے کے لئے صرف کیا۔

(۲) کروسیڈوں سے پہلے جرمنی میں ڈیوک اور نائٹ تھے۔ اب ان کی جگہ شہنشاہ جرمنی تھا۔ فرانس کے بادشاہ کی سلطنت کی وسعت شہر دمیبرس سے باہر چند ہزار ایکڑ سے زائد نہ تھی۔ اب یہ دونوں بادشاہ بہت بڑے علاقے کے مالک تھے۔

(۳) چھوٹے چھوٹے نائٹ جو اس زمانے میں زمینداروں کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ اس لئے ناراض ہو گئے کہ ان کی جائیدادیں یا تو پادریوں نے خرید لیں یا پھر بادشاہوں کے قبضہ میں چلی گئیں۔ ان لوگوں کی جائدادیں ضبط کر کے یا تو بادشاہ طاقتور ہو گئے یا پھر گرجوں اور کنیسوں کے راہب جائیدادوں کے مالک بن گئے۔

(۴) کروسیڈ کی لڑائیوں کے باعث نائٹ یعنی وہ چند خوش قسمت جو زندہ واپس لوٹے۔ نادار و قلاش ہو گئے تھے۔ ان کے پاس اب نہ تو زمینداریاں تھیں اور نہ ہی گھر بار۔

(۵) بے شمار دولت نے بقول شاہ رچرڈ کے پادریوں کو عیش طلب اور نفس کا غلام بنا دیا تھا۔ عوام تو کیا شاہی خاندانوں میں بھی ان پادریوں کے حرامی بچے موجود تھے۔ جن کی وجہ سے اصلی شاہی خاندان اور ان مخلوط النسل بچوں میں امتیاز باقی نہ رہا تھا۔

(۶) بادشاہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ پادری کا حکم ان کے احکام سے برتر

ہو۔ ہوس اقتدار نے بادشاہوں، پوپ اور ہر علاقے کے بڑے پادری
یں عناد کی بنیاد ڈال دی تھی۔

(۷) علاوہ ازیں جب یورپ کے عوام اور نائٹ کروسیڈ پر گئے تو ان
کو مسلمانوں سے ملنے جلنے کے مواقع میسّر آئے۔ لہٰذا وہ مسلمانوں کے
جذبۂ مساوات، اخوت اور خلوص سے بہت متأثر ہوئے۔ بچپن سے
یہ عیسائی زائر مسلمانوں کی سفاکی بربریت اور الحاد کے ہولناک افسانے
سنتے آئے تھے۔ ان باتوں نے ان کے دلوں پر گہرا اثر کیا ہوا تھا مگر جب
انہوں نے صحیح حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ تو وہ ششدر رہ گئے۔
کیونکہ عینی مشاہدہ ان کو کچھ اور بتاتا تھا اور ان کی مذہبی تعلیم نے ان کو
اس کے برعکس بتایا تھا۔ بہرحال ان مشاہدات کا اثر نمودار ہو چکا تھا۔
جو بعدازاں ایک نئی شکل یعنی مذہبی انقلاب کی صورت میں ظہور پذیر
ہوا اور "نیا چرچ" قائم ہوا۔

نئی کروسیڈ کے لئے پوپ کی جدوجہد

پوپ کے نمائندے جب انگلستان
کے بادشاہ کے پاس گئے۔ تو اُس نے ملک کے سیاسی حالات کی بنا پر
شرکت سے معذرت کی۔ فریڈرک کے پاس بھی پوپ کی طرف سے
پادری گئے۔ حالانکہ اُسے بے دین اور مجرم قرار دیا گیا تھا۔ مگر اُس نے
بھی معذرت چاہی۔ اٹلی اور قرب وجوار کے بادشاہوں اور اُمرار (ڈیوک
نائٹ) وغیرہ میں سے بہت کم کروسیڈ کے لئے تیار ہوئے۔ فرانس کے

بادشاہ لوئی نہم نے ضرور ۱۲۴۴ء میں کروسیڈ جانے کا حلف اٹھایا۔ دسمبر ۱۲۴۶ء میں لوئی سخت بیمار ہو گیا تھا۔ جب وہ بستر مرگ پر تھا۔ تو اس نے قسم کھائی تھی۔ اگر وہ زندہ بچ گیا۔ تو کروسیڈ پر جائے گا۔ اتفاق سے وہ صحتیاب ہو گیا اور جیسے ہی وہ تندرست ہوا۔ وہ کروسیڈ پر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ ۱۲۴۸ء کو لوئی بارسیلز کی بندرگاہ میں کروسیڈ پر جانے کے لئے پہنچا۔ اس صلیبی لشکر کی روانگی پر بہت سے امرار (نائٹ) یورپ کے مختلف حصوں سے آکر شاہ لوئی کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس فوج میں لوئی کے بھائی کاؤنٹ آف آرٹوائی اور کاؤنٹ آف انجو بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ دو پرانے تجربہ کار صلیبی ڈیوک آف برگنڈی اور کاؤنٹ آف برٹینی بھی مل گئے۔ ایک انگریزی دستہ ولیم ارل آف سیلسبری کے ماتحت بھی بعد میں شامل ہو گیا۔

مغربی مورخین نے لوئی نہم کو حلیم، خدا ترس، انصاف پسند، بیباک اور جنگجو سالار لکھا ہے۔ وہ مذہب کا بہت پابند تھا اور بڑا عالم و فاضل بھی تھا۔ اس کی ذاتی لائبریری بہت بڑی تھی۔

لوئی کا صلیبی لشکر اٹھارہ سو بحری جہازوں پر سوار ہوا۔ یہ بیڑہ ۱۷ ستمبر کو قبرص پہنچا اور قبرص کے بادشاہ ہنری کا مہمان ہوا۔ وہاں شام کے عیسائی نائٹ بھی اس سے آکر مل گئے۔ لوئی آٹھ نو ماہ تک وہاں ٹھہر کر منگولوں سے ساز باز کرتا رہا تاکہ ان کی مدد سے ایوبی سلطنت پر حملہ کرے۔ مگر اس میں اس کو کامیابی نہ ہوئی۔ لوئی ۱۳ جون ۱۲۴۹ء کو

دمیاط پہنچا۔ اُس وقت اس کے ساتھ صرف ساٹھ ہزار فوج تھی باقی جہاز طوفان کی وجہ سے منتشر ہو گئے تھے۔ مصری لشکری فرانس کے اس بیڑے سے لڑائی میں شکست کھا کر دمیاط کو خالی کر کے بھاگ گئے مسلمان شہری بھی شہر کو خالی کر کے چلے گئے۔ اس لئے لوئی بلا کسی مزاحمت کے دمیاط کو خالی کر کے بھاگ گئے۔ مسلمان شہری بھی شہر کو خالی کر کے چلے گئے۔ اس لئے لوئی بلا کسی مزاحمت کے دمیاط کے مضبوط قلعہ پر قابض ہو گیا۔ اب لوئی اپنے باقی بیڑے کا انتظار کرنے لگا اور یہ باقیماندہ گیارہ سو جہازوں کا بیڑہ چھ ماہ بعد یعنی نومبر ۱۲۴۹ء کو دمیاط میں پہنچا۔

اس باقیماندہ لشکر کے آنے پر لوئی نے فوراً قاہرہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُس کے اُمراء نے اسکندریہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لینے کو کہا۔ مگر لوئی نے اس مشورہ کو رد کر دیا۔ اُس کا خیال تھا کہ قاہرہ کے ہاتھ آنے سے سکندریہ خود بخود اُس کے قبضہ میں آجائے گا۔ لیکن وہ فی الحال انتظار کر رہا تھا۔ اس عرصہ میں دمیاط کو افرنگی شہر میں تبدیل کر دیا گیا۔ جامع مسجد کو پھر سے گرجا گھر بنا دیا گیا اور اس میں ایک پادری مقرر کر دیا گیا۔ تمام سرداروں کو انعامات اور عمارات تقسیم کی گئیں۔

مصر کا بادشاہ ایوب الصالح بن الکامل شام میں مہم پر گیا ہوا تھا۔ اسے جب کروسیڈی لشکر کی روانگی کا علم ہوا تو وطن کو لوٹا۔ مگر شام ہی میں وہ سخت بیمار ہو گیا تھا اور اُسے پالکی پر اُٹھا کر لائے تھے اور سلطان عین اُسی دن اشمون شیخ کے مقام پر پہنچا۔ جس دن کہ لوئی کا بیڑہ دمیاط کی طرف

بڑھا تھا۔ اشموم تشیخ دمیاط سے چند فرسنگ کے فاصلے پر تھا۔ جُوں ہی سلطان کو دمیاط کے لشکر کی کم ہمتی کا علم ہوا۔ تو وہ اپنے لشکر کو لے کر منصورہ کے مقام پر چلا گیا۔ تاکہ اپنی فوج کو منظّم کر سکے۔ سلطان نے اس مرتبہ پھر دمیاط کے بدلہ بیت المقدّس دینے کے وعدہ پر صلح کرنی چاہی۔ مگر لوئی نے یہ کہ کر انکار کر دیا۔ وہ بے دین سے کوئی معاہدہ نہیں کرنا چاہتا۔ سلطان نے ان فوجی افسروں کو اور امیروں کو جو شہر کے ہاتھ سے جانے کے ذمّہ وار تھے سزا دی۔ منصورہ شہر کو اس کے باپ سلطان الکامل نے ۱۲۱۷ء میں کروسیڈروں کو شکست دینے کی یادگار میں آباد کیا تھا۔ یہ قلعہ گو بہت ہی مضبوط نہ تھا اور دریائے نیل کی ایک شاخ پر واقع تھا۔ لیکن قاہرہ پر حملہ آور دُشمن کے لئے سدّ راہ ضرور تھا۔ منصورہ میں ٹھہر کر ایوب نے چھاپہ مار دستے دمیاط روانہ کئے۔ جنہوں نے فرانسیسی فوج کو خوب پریشان کیا۔

شجرۃ الدُّر سلطان کی محبوب ملکہ شجرۃ الدّر تھی جو اُس کے ساتھ شام بھی گئی تھی اور بادشاہ کی تیمارداری بھی وُہی کر رہی تھی۔ یہ ملکہ سلطان کے پاس ایک کنیز کی حیثیت سے آئی تھی۔ مگر اپنے حُسن اور قابلیت کی وجہ سے بادشاہ کی چہیتی ملکہ بن گئی تھی۔ خوبصورت ہونے کے علاوہ یہ مصری ملکہ بہت مدبّر اور باہمّت تھی۔ اُمورِ سلطنت کو سمجھنے اور سلجھانے کا اسے بڑا سلیقہ تھا۔ دمیاط کی خبر سے بادشاہ کی صحّت پر بہت بُرا اثر ہوا۔ ملکہ نے سلطان کو ہمّت نہ ہارنے کا مشورہ دیا اور فوراً ہی لشکر کے تمام جرنیلوں کو بُلوایا اور اُن سے سلطان کے

روبرو جان نثاری اور آخری دم تک ملک کی حفاظت کے لیئے لڑنے کا حلف اٹھوایا اور سلطان نے سب امرا کو ملکہ سے ہر معاملے میں مشورہ لینے کا حکم صادر کیا۔

ملکہ بحیثیت سپہ سالار

ملکہ نے فوراً ہی منصورہ کے قلعے کو مضبوط بنانے کا حکم دیا اور اس میں سامان رسد و حرب تیزی سے جمع کرنا شروع کر دیا۔ ملکہ نے جہاد کا اعلان کر دیا۔ علاوہ ازیں اس نے مصر کے تمام امراء کو خطوط لکھ کر جلد سے جلد کمک بھیجنے کو لکھا اور جس قدر کشتیاں جمع ہو سکتی تھیں ان کو جمع کر کے ایک بحری بیڑہ تیار کر دیا۔ اس بیڑے کو دریائے نیل کی مختلف شاخوں میں اس طرح متعین کر دیا کہ صلیبی لشکر جیسے ہی پیشقدمی کریں۔ یہ بیڑہ ان کی مزاحمت کرے۔ اکتوبر کے مہینے میں نیل کی طغیانی ختم ہو گئی اور فرانس سے لوئی کا بھائی الفنسو کمک لے کر بھی آ گیا۔ تب لوئی نے صلاح مشورہ کر کے نومبر کے مہینہ میں منصورہ کی طرف پیشقدمی کا حکم دیا۔

منصورہ کی جنگ

جوں ہی صلیبی بحری بیڑہ آگے بڑھا۔ ملکہ کی فوج نے ان پر ساحل سے منجنیقوں سے پتھر پھینکے اور مصری بحری بیڑے نے ان پر آتشی گولے پھینک کر صلیبی جہازوں کو آگ لگا دی۔ اب لوئی نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ وہ بحری بیڑے کی مدد کو جائے۔ لہٰذا صلیبی لشکریوں نے دریائے نیل پر پل بنانا شروع کیا۔ مصری شروع میں تو منجنیقوں سے ان صلیبیوں پر پتھر پھینکتے رہے

اس طرح بہت سے صلیبی مارے گئے اور زخمی ہو گئے۔ مگر جیسے ہی پُل کا خاصہ حصّہ بن گیا۔ تو مصری بحری بیڑے نے اس پُل پر آتشی گولے پھینک کر اُسے جلا کر راکھ کر دیا۔

مصری حملے کے جواب میں اب صلیبی لشکریوں نے اپنے جہازوں کو توڑ کر لکڑی کے بڑے بڑے مینار بنائے جن کو پہیّوں کی مدد سے مصری لشکر کی منجنیقوں کے قریب لا کر اُن کو برباد کرنا چاہا۔ مصریوں نے صبر و سکون سے ان میناروں کو بنتے دیکھا اور جیسے ہی صلیبی ان کو کھینچ کر فصیل کے قریب لائے تو مصری بحری بیڑہ آگے بڑھا اور اُنہوں نے آتشی گولوں سے ان میناروں کو جلا دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قسمت لوئی کے ساتھ ہے۔ کیونکہ ۲۳ نومبر ۱۲۴۹ء کو بمطابق شعبان ۶۴۷ھ کو سلطان الصالح کا انتقال ہو گیا۔

ملکہ شجرۃ الدّر نے حالات کی نزاکت کا جائزہ لے کر تمام امرا کو بُلا کر یہ مشورہ دیا کہ سلطان کی موت کو خفیہ رکھا جائے اور تمام اُمور سلطنت ایسے چلتے رہیں جیسے سلطان کی زندگی میں انجام پاتے تھے۔ اُس نے ایک دستاویز تیار کی جس پر سلطان کی مہر ثبت کی۔ اس میں توران شاہ وارث تخت اور سلطان کی علالت کے دوران میں فخر الدین کو نائب السلطنت اور سپہ سالار اعظم مقرر کئے جانے کی ہدایات تھیں۔ یہ طے کرنے کے بعد ملکہ نے سلطان کی لاش کو خفیہ طور سے قاہرہ بھیج دیا اور پوشیدہ طور پر وہاں دفن کر دیا۔ مصری لشکر کے پڑاؤ میں سلطان کیلئے ناشتہ اور کھانا برابر

دقتوں پر جاتا اور جو لوگ سلطان سے ملنے آتے۔ اُن کو یہ عذر کر کے ٹالا جاتا تھا۔ کہ سلطان کو حکیموں نے ملاقاتوں سے منع کر دیا ہے۔ اس طرح سے ملکہ نے وزیر اعظم فخر الدین کے تعاون سے تمام کاروبار کو نہایت قابلیت سے چلایا اور تمام احکام سلطان کے نام سے جاری ہوتے رہے۔ ان احکام پر سلطان کی مہر ثبت کر دی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں ملکہ نے شہزادہ توران شاہ کو جو شام گیا ہوا تھا۔ جلد مصر آنے کے لیے لکھا۔

مگر لوئی کو اس کے مخبروں نے سلطان کی موت کی خبر دے دی تھی۔ اس لیے لوئی اور بھی عجلت سے منصورہ کو فتح کر کے قاہرہ کی طرف بڑھنا چاہتا تھا۔ کمک پہنچنے پر اس نے حملے کو بڑے پیمانے پر شروع کر دیا۔

ملکہ تمام جنگی کارروائیوں کی نگرانی چھ ماہ سے خود کر رہی تھی۔ جیسے ہی صلیبی بیڑہ زد میں آجاتا۔ منجنیقوں اور آتشی گولوں سے اُسے تباہ کر دیا جاتا۔ اس طرح سے لوئی نے دُوراندیشی سے کام نہ لے کر اپنے بحری بیڑے کے بہت بڑے حصّے کو تباہ کر دیا اور بیڑے کا بڑا حصّہ توڑ کر لکڑی کے بیناروں میں تبدیل کر دیا۔

لوئی کی پیشقدمی

لوئی نے اپنے مخبروں کی مدد سے ایک مصری کو بہت کثیر رقم دے کر ایک ایسے پایاب حصّہ کا پتہ لگا لیا۔ جو کسی کو معلوم نہ تھا۔ اور جس کی جانب سے صلیبی لشکر منصورہ پر خشکی کے راستہ سے حملہ کر سکتا تھا۔

لوئی نے ۸ فروری ۱۲۵۰ء کو اپنے لشکر کو اس نظم سے آگے بڑھایا:-

ہراول ——— ٹمپلر نائٹ

بڑی فوج، جس کا سالار لوئی کا بھائی کاؤنٹ آرتوئی تھا۔

اس فوج میں ولیم کے ماتحت انگریزی دستہ بھی شامل تھا۔

عقب میں ——— شاہ لوئی ایک بڑے دستے کے ساتھ تھا۔

جو ریزرو فوج تھی۔

صلیبی کیمپ کا محافظ ——— ڈیوک آف برگنڈی۔

عرب رہبر کی مدد سے صلیبی لشکر نہایت آسانی سے دریا کے پار ہو گیا اور اب منصورہ کا اسلامی کیمپ اُن کے سامنے تھا۔ کاؤنٹ آرتوئی اس غیر معمولی کامیابی پر دُوراندیشی کھو بیٹھا اور اُس نے مسلمانوں پر فوری حملہ کا فیصلہ کر لیا تاکہ کامیابی کا سہرا اُس کے سر رہے۔ کیونکہ بادشاہ لوئی کی فوج ابھی کچھ فاصلے پر تھی اور وہ یہ چاہتا تھا کہ بادشاہ کی مدد کے بغیر مصری فوج کو ختم کر دے۔ ٹمپلر کے نائٹوں اور لارڈ ولیم سیلسبری نے کاؤنٹ آرتوئی کو جلد بازی سے روکا۔ اس بات پر کاؤنٹ غضبناک ہو گیا! اور پہلے اُس نے ٹمپلروں سے یُوں کہا "تمہیں طاقت کا توازن قائم رکھنے کی ہی فکر رہتی ہے۔ تاکہ ہمیشہ جنگ ہوتی رہے اور تم خود غرضی سے اپنی جیبوں کو صلیبیوں اور مسلمانوں کے زر و مال سے بھرتے رہو، تم سب اپنے نفس کے غلام ہو ...... وغیرہ وغیرہ۔"

اس کے بعد لارڈ ولیم سے مخاطب ہوا اور اس سے کہا:-

"انگریز تو پیدائشی طور سے بزدل واقع ہوئے ہیں۔ تم بھلا دشمن کے مقابلے میں کیوں جانا پسند کرو گے.... وغیرہ"

چونکہ کاؤنٹ نہ صرف سپہ سالار تھا بلکہ بادشاہ لوئی کا بھائی بھی تھا۔ اس لیئے سب کے سب فوراً حملہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔

ملکہ کی قیادت میں مصریوں کا کامیاب جوابی حملہ

ملکہ کو صلیبی لشکر کے حملے کی اس وقت خبر ملی۔ جب ارتوئی کا لشکر دریا کے پار آچکا تھا۔ یہ حملہ یکایک ہوا۔ لہٰذا ملکہ نے بہت عجلت میں فوج اور بحری بیڑے کو دشمن کے مقابلے میں جانے کے احکام دیئے۔ ملکہ نے فوج کے بڑے لشکر کی سپہ سالاری فخر الدین کو سونپی اور خود حلقہ (یعنی وہ مخصوص فوج جسے شاہی باڈی گارڈ اور وہ محفوظ دستہ کہا جا سکتا ہے۔ جسے بادشاہ خود اپنے حکم سے لڑاتا ہے) لے کر میدان جنگ میں ایک پہلو پر کھڑی ہو گئی۔ تاکہ حالات کا صحیح جائزہ لے سکے اور مناسب موقع پر دشمن پر حملہ آور ہو سکے۔

صلیبی لشکر تعداد میں زیادہ ہونے کے علاوہ بہترین اسلحہ سے مسلح تھا۔ لڑائی سخت ہوئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ صلیبیوں کا پانسہ بھاری ہے۔ فخر الدین مصری سپہ سالار مارا گیا اور صلیبی فوج اسلامی کیمپ پر قابض ہو گئی۔ مگر مملوک سالاروں نے ہمت نہ ہاری۔ انہوں نے فوراً رکن الدین بیبرس کو اپنا سردار منتخب کر لیا۔ اُس نے اپنی فوج کو شہر

کے اندر اہم مقامات پر متعین کر دیا۔ جونہی صلیبی لشکر شہر کی فصیل تک گیا۔ اُس کے پہلو اور عقب پر ملکہ کے محافظ دستے نے اس سختی سے اچانک حملہ کیا۔ کہ صلیبی لشکر کے حوصلے پست ہو گئے۔ ان میں افراتفری مچ گئی۔ ان کا عقب خالی تھا۔ شاہ لوئی کو دریا پار کرنے میں دیر ہو گئی تھی کیونکہ کاؤنٹ نے مناسب رہبر پایاب کے پاس نہ چھوڑے تھے۔ اچانک حملے کے باعث صلیبی لشکر ہمت ہار کر بھاگ نکلا۔ مگر ۲۹۰ ٹمپلروں میں سے صرف پانچ جان بچا کر بھاگ سکے۔ کچھ نائٹ تو لڑتے لڑتے مارے گئے اور جو بچ کر بھاگے دریائے نیل میں ڈوب کر مر گئے۔ اب مصری اُن پر غالب تھے۔ کاؤنٹ ارتوئی اور لارڈ ولیم سیلسبری مارے جا چکے تھے۔ صرف پیٹر آف برٹینی زخمی ہو کر بھاگ نکلا اور لوئی کو جا کر اطلاع دی۔ لوئی فوراً فوج لے کر صلیبی لشکر کے بچاؤ کو آ گیا۔

ملکہ شجرۃ الدّر نے اپنی فوج کو جمع کر لیا اور ان کو صلیبی لشکر کے تعاقب میں دریا کے پار جانے سے روک دیا۔ صلیبیوں کو شکست فاش ہوئی۔ گو لوئی اپنی کچھ فوج کو بچا کر اپنے کمپ میں واپس لے گیا اور ڈیڑھ ماہ تک منصورہ کے سامنے کمپ ڈالے مصری فوج کا مقابلہ کرتا رہا۔ ۲۸ فروری کو توران شاہ مصر کے بادشاہ کی حیثیت سے قاہرہ پہنچا اور وہ فوراً منصورہ پہنچ کر صلیبی فوج کے خلاف کارروائی شروع کر دی اور ایک بحری بیڑہ تیار کیا۔ اس بحری بیڑے نے آگے بڑھ کر صلیبی لشکر کا دمیاط سے سلسلہ آمد و رفت منقطع کر دیا۔ جس کی وجہ سے

اب دمیاط سے خوراک آنی بند ہو گئی۔ بیماری اور بھوک سے گھبرا کر
لوئی نے اس شرط پر صلح کرنی چاہی کہ سلطان اگر شام کو صلیبی لشکر کے حوالے
کر دے تو صلیبی دمیاط کو مصریوں کے حوالے کر کے مصر سے واپس چلے
جائیں گے۔ توران شاہ اور ملکہ نے ان شرائط کو رد کر دیا۔

شاہ لوئی ملکہ کی قید میں

جب رسد کی اور کمی ہوئی۔ تو لوئی نے
دمیاط جانے کی ٹھان لی۔ ملکہ بھی
غافل نہ تھی۔ اُس نے دریا کے بند کاٹ کر اس زمین کو جس پر صلیبی
اقامت پذیر تھے زیر آب کر دیا اور مصری بیڑے نے پیشقدمی کر کے صلیبی
لشکر کا دمیاط سے راستہ کاٹ دیا۔ اب صلیبی لشکر بہت پریشانی میں تھے۔
کشتیوں اور کیچڑ میں سے مصری جانباز ان پر حملہ کر کے ان کو مار رہے
تھے۔ صلیبی نائٹ اپنے زرہ بکتر کے وزن سے اس کیچڑ میں بے بس ہو گئے۔
اور ان میں سے شاید ہی کوئی بچا ہو۔ آخر کار صلیبی لشکر نے ہتھیار ڈال کر
امان طلب کر لی۔ شاہ لوئی جو بیمار تھا اور شرم شاہ کے ایک گاؤں میں
مقیم تھا قید کر لیا گیا۔ یہ جنگ ۶ اپریل ۱۲۵۰ء کو لڑی گئی۔

صلح کی گفت و شنید

سلطان توران شاہ نے لوئی سے دمیاط
کے علاوہ تمام شامی عیسائی مقبوضات
حوالہ کرنے کو کہا۔ لوئی نے جواب دیا کہ شاہی مقبوضات تو شاہ کانراڈ
کے پاس ہیں۔ وہ ان کو کس طرح دے سکتا ہے۔ ملکہ فرانس نے اپنے
خاوند کو چھڑانے کے لئے کوشش شروع کی اور سلطان سے ایک لاکھ

دینار کے عوض شاہ لوئی کو آزاد کرنے پر صلح ہو گئی۔ یہ طے ہوا کہ لوئی اور اُس کے سردار دمیاط جائیں گے اور ۳۰ اپریل کو شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے۔

سلطان توران شاہ کا قتل

توران شاہ ایک فاتح لشکر کا بادشاہ تھا۔ اُس نے دریائے نیل کے کنارے لکڑی کا ایک زبردست برج تعمیر کیا اور خود اُس کی حفاظت میں ایک کمپ لگا دیا اور وہاں پر عیش و طرب میں مشغول ہو گیا اور صلیبی لشکر کے فدیہ کا منتظر رہا۔ اس کے مشیروں نے ملکہ اور مملوک سرداروں کے خلاف اُس کے کان پہلے ہی بھر دئے تھے اس لئے اپنے مشیروں کے کہنے پر سب سے پہلے اُس نے ملکہ سے کہا کہ وہ اُس کے مرحوم باپ الصالح کا زر و جواہر اس کے حوالے کر دے۔ جب ملکہ نے اُس کے متعلق لاعلمی کا اظہار کیا۔ تو اُس نے ملکہ کو نظر بند کر دیا۔

توران شاہ کے مشیروں نے بحری مملوکوں کی غدّاری کا سلطان کو یقین دلا دیا تھا۔ اس لئے سلطان نے طے کیا۔ کہ اُن کو دعوت پر بُلا کر قتل کر دیا جائے۔ مگر ان سرداروں کو سلطان کی نیّت کی خبر مل گئی۔ لہٰذا انہوں نے ابھی جبکہ کھانا بھی ختم نہ ہونے پایا تھا۔ بادشاہ پر حملہ کر دیا۔ تلوار کا وار بادشاہ کے ہاتھ پر پڑا اور وہ کٹ گیا۔ مگر بادشاہ نے ہمت نہ ہاری اور بھاگ نکلنے کی کوشش کی۔

توران شاہ کے حمایتی جو مملوکی سرداروں کو قتل کرنے کے لئے

گھات میں بیٹھے تھے۔ اب پردے سے نکل آئے۔ اُدھر سے مملوک حلقہ کے سپاہی آموجود ہوئے۔ لڑائی ہونے لگی۔ توران شاہ کے حمایتی اسے مینار میں لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس پر مملوکوں نے مینار کو آگ لگا دی۔ سلطان نے مینار سے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ تاکہ تیر کر بھاگ جائے۔ مگر دریا میں بحری مملوکوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔

صلیبی قیدیوں نے سلطان کے قتل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ان کے قلمبند کئے ہوئے حالات بہت مفصل ہیں۔ بحری مملوک توران شاہ کی لاش کو کھینچ کر ساحل پر لے آئے اور یہ لاش تین دن وہیں پڑی سڑتی رہی۔ اس کے بعد بغیر کسی رسم و نماز جنازہ کے اُسے اُسی مقام پر دفن کر دیا گیا۔ جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ توران شاہ ۲ مئی سنہ ۱۲۵۰ء کو قتل ہوا۔

اب بحری مملوکوں نے ملکہ شجرۃ الدُّر کو قید خانے سے نکال کر تخت پر بٹھایا۔ ملکہ شجرۃ الدُّر نے لوئی کے فدیہ کی رقم کو بڑھا کر چار لاکھ دینار کر دیا۔

لوئی کا انتقامی جذبہ

لوئی کی ملکہ نے بہت محنت اور کوشش سے یہ رقم ادا کر کے اپنے خاوند کو قید سے رہائی دلائی۔ لوئی قید سے آزاد ہو کر عکا میں آیا اور قسم کھائی کہ وہ اُس وقت تک فرانس لوٹ کر نہ جائے گا۔ جب تک مسلمانوں سے

انتقام لے گا۔ سرزمین فلسطین کو ان سے پاک نہ کر دے گا۔ چنانچہ لوئی نے پوپ اعظم سے مالی مدد مانگی۔ مگر پوپ نے یہ عذر پیش کیا۔ کہ اُس کی ساری توجہ فریڈرک اور اُس کی اولاد کو تباہ کرنے پر لگی ہوئی ہے۔ تاکہ اُس بے دین کا نام و نشان مٹا دے۔ جولائی میں لوئی کے تمام ساتھی فرانسیسی کاؤنٹ واپس چلے گئے اور لوئی عکا کا بادشاہ مقرر ہو گیا کیونکہ یروشلم کے اصلی وارث کانراڈ نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ لوئی نے ۱۲۵۰ء سے ۱۲۵۴ء تک صبر سے انتظار کیا۔ مارچ ۱۲۵۴ء کو جب اُسے خبر ملی۔ کہ اُس کی والدہ کا اُنتقال ہو گیا ہے (لوئی کی والدہ اُس کی جانشین ملکہ تھی) اس لئے ۱۱ جولائی ۱۲۵۴ء کو لوئی فرانس کو لوٹا۔ مگر یہ اعلان کیا کہ وہ پھر لوٹ کر آئے گا۔

لوئی کی قسم

لوئی اپنی قسم کو نہ بھولا۔ اس لئے ۱۶ برس کے بعد یعنی ۱۲۷۰ء میں وہ دوبارہ کروسیڈ کے لئے فرانس سے چلا۔ لوئی کو اس بات کا رنج ہوا۔ کہ وہ لوگ جو اُس کے ساتھ پہلے کروسیڈ میں تھے۔ اور بچ کر فرانس آ گئے۔ اب اُس کے ساتھ دوبارہ جانے پر راضی نہ ہوئے

لوئی کے نئے صلیبی نائٹوں نے لوئی کو مشورہ دیا۔ کہ پہلے ٹیونس پر حملہ کر کے وہاں سے مال و متاع جمع کر لیا جائے۔ لہٰذا لوئی ٹیونس پہنچا اور اُسے فتح کر لیا۔ اس کے نائٹ لوٹ مار میں مشغول ہو گئے۔ یہ سلسلہ کئی مہینے جاری رہا۔ ۲۴ اگست ۱۲۷۰ء کو لوئی معمولی بیماری کے بعد

مر گیا۔

برطانوی کروسیڈی لشکر

اس زمانے میں انگلستان کے بادشاہ ہنری کا بڑا بیٹا ایڈورڈ کروسیڈ کی غرض سے انگلستان روانہ ہوا۔ اس کروسیڈ کا (بقول ٹی آر جی کے) اصلی مقصد یہ تھا کہ انگلستان کے تمام شوریدہ سر نائٹوں کو ملک سے باہر بھیج کر انگلستان میں امن قائم کیا جائے۔ لہٰذا کروسیڈ پر فلسطین بھیجنا ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق تھا۔

شہزادہ ایڈورڈ ۹ اکتوبر ۱۲۷۰ء کو ٹیونس پہنچا۔ فرانسیسی کروسیڈی لوئی کے ہمراہ وہاں آئے تھے۔ ابھی تک لوٹ اور غارتگری کے لئے وہاں موجود تھے۔ ایڈورڈ کے کہنے پر سب فرانسیسی نائٹ انگلستانی دستے کے ساتھ فلسطین کی طرف چل پڑے۔ جب یہ صلیبی دستہ سسلی کے جزیرے کے پاس پہنچا۔ تو زبردست سمندری طوفان آیا اور وہ جہاز جس میں ٹیونس سے لوٹ کا مال لائے تھے وہیں ڈوب گیا۔ فرانسیسی کروسیڈوں کو اس مالی نقصان کا اس قدر رنج ہوا کہ وہ فرانس کو لوٹ گئے۔ انگلستانی صلیبیوں نے ان فرانسیسی صلیبیوں کو آگے بڑھنے کے لئے بہت اُکسایا اور ان کے حلف یاد دلائے مگر فرانسیسیوں نے ایک نہ سُنی۔

۱۲۷۱ء میں اپریل کے مہینے میں شہزادہ ایڈورڈ عکا میں پہنچا۔ اس وقت عکا کو عربوں نے محصور کر رکھا تھا اور اگر ایڈورڈ نہ پہنچتا۔ تو عکا مسلمانوں کے قبضہ میں چلا جاتا۔ ایڈورڈ نے پہلے عکا اور صیدا کے ساحلی

شہروں کو فتح کیا اور لوٹ مار کی۔ ایڈورڈ کی کامیابی کا حال سُن کر قبرص کے نائٹ شہزادے کی مدد پر آ گئے۔

اب ایڈورڈ نے سیاسی حربے سے گرد و نواح کے عرب حکمرانوں کو مغلوب کرنا چاہا۔ ایک عرب امیر کا سفیر اس غرض سے ایڈورڈ کے پاس آیا۔ کہ مراسلہ پیش کرتے وقت جب برطانوی شہزادے کے سامنے آداب بجا لایا۔ تو اُس نے ایک دم خنجر نکال کر شہزادے پر حملہ کر دیا۔ شہزادے نے اس خنجر کے وار کو اپنے ہاتھ پر لیا اور وہ ہاتھ زخمی ہو گیا۔ شہزادے کے محافظ دستے نے اس عرب کو قتل کر دیا۔ جب زخم اچھا نہ ہوا۔ تو شاہی جراح نے شہزادے کا بازو کاٹ دیا۔ مگر اس علاج سے شہزادے کی جان بچ گئی انہی ایام میں ہنری نے اپنے بیٹے کو واپس بُلا بھیجا۔ کیونکہ بادشاہ کی صحت خراب ہو چکی تھی۔ ایڈورڈ نے مقامی حکمرانوں سے دس سال کے لئے ایک دوستانہ معاہدہ کیا اور واپس انگلستان لوٹ گیا۔

ساتویں صلیبی جنگ کے نتائج

ساتویں صلیبی جنگ دفاعی جنگ کی تاریخ میں خاصی اہمیت رکھتی ہے۔ اس سے مندرجہ ذیل اسباق حاصل ہوتے ہیں۔

جنگی چال دفاعی جنگ میں دارالحکومت کی حفاظت بہت ضروری ہوتی ہے۔ ملکہ نے جب دیکھا کہ دمیاط کے قلعہ پر صلیبیوں کا قبضہ آسانی سے ہو گیا ہے۔ تو وہ قاہرہ جانے کی بجائے منصورہ آ گئی۔

تا کہ جہاں تک ممکن ہو۔ لڑائی کو دارالخلافہ قاہرہ سے دُور رکھا جائے۔
اس منصوبہ سے ملکہ نے قاہرہ کو فوجی کمک اور رسد جمع کرنے کا مستقر
بنالیا۔ جب کسی حکومت کے دارالخلافے پر دشمن حملہ کرنے میں کامیاب
ہو جاتا ہے۔ تو اُس حکومت کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ نظام حکومت
کا انتشار ہی اس حکومت کی شکست کا موجب ہوتا ہے۔ لہٰذا ملکہ نے
منصورہ کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تا کہ دشمن
کے حملے کو منصورہ سے آگے بڑھنے نہ دیا جائے۔ شاہ لوئی کی غلطی تھی کہ
دمیاط کی فتح کے بعد وہ بیباکی سے آگے نہ بڑھا اور باقی فوج کے آنے
تک اُس نے کوئی نمایاں دفاعی نقل و حرکت نہ کی۔ علاوہ ازیں اُس نے
اپنے بحری بیڑے کو اپنی کوتاہ اندیشی سے تباہ کر دیا۔ ایسی ہی کوتاہی اتحادیوں
نے ۱۹۱۴ء کی لڑائی میں تُرکوں کے خلاف کی تھی اور غلط دفاعی منصوبے
کے تحت اپنے بحری بیڑے کو تنہا لڑا کر عظیم ترین نقصان پہنچایا۔ صلیبی
سالار نے چھ ماہ گزارنے کے باوجود دمیاط سے قاہرہ کے علاقے اور
اُس کے دریاؤں کے حالات سے پُوری پُوری واقفیت حاصل نہ کی۔
وہ چھ ماہ جو لوئی نے آرام طلبی میں گزارے۔ ان ایّام میں ملکہ نے اپنے
لشکر کو از سرِ نو منظّم کیا اور سیاسی حالات پر قابو پا لیا۔

جنگی تدبّر

دورانِ جنگ میں سپہ سالار کو بڑے صبر و تحمّل سے کام
لینا چاہیئے اور ناموافق حالات سے گھبرانا نہ چاہیئے۔
ملکہ اپنے دشمن کو گھیر کر ایسے مقام پر لائی۔ جہاں وہ اس پر کاری ضرب

دکھانا چاہتی تھی۔ لوئی نے مال و زر کا لالچ دے کر ایک مصری غدار کی خدمات حاصل کیں۔ ایسے واقعات اکثر ہوتے ہیں۔ مگر ملکہ کے عزم و استقلال نے اس غداری کو ناکام بنا دیا۔ وہ منصورہ کے میدان جنگ میں اپنی فوج کو صبر سے کٹتا اور پیچھے ہٹتا دیکھتی رہی۔ اُس کا جاں نثار ساتھی فخر الدین سپہ سالار مارا جا چکا تھا۔ مگر ملکہ مناسب موقع کی منتظر رہی۔ اس نے عجلت اور مایوسی کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دیا۔ جب ملکہ نے دیکھا کہ دشمن اپنی فتح کی اُمید میں اہم دفاعی اُصول کو بھول کر اپنے حفاظتی انتظامات کو نظر انداز کر چکا ہے۔ اور ملکہ کو یقین ہو گیا کہ اب اُس کے دشمن نے وہ مناسب موقع بہم پہنچا دیا ہے جس کی وہ منتظر تھی۔ تو وہ باز کی طرح اُس پر جھپٹی۔ دشمن اس برق رفتار حملہ کے لیے تیار نہ تھا۔ اس لیے اس کے حوصلے پست ہو گئے۔ اُس کے نامی سپہ سالار اور سردار مارے گئے اور صلیبی فوج میں وہ عزم و ثبات پھر کبھی پیدا نہ ہو سکا۔

ملکہ نے اس شکست خوردہ فوج کا تعاقب کیا۔ مگر فتح کے نشہ میں سرشار ہو کر اس نے اپنی عقل کو نہ کھویا۔ بلکہ وہ اس فوج کے تعاقب میں وہاں تک گئی جہاں تک اس کی تلوار دشمن پر غالب تھی یہ جنگی تدبر اپنی جگہ پر نہایت اہم ہے اور ملکہ کے فن حرب کی مہارت کا بہترین ثبوت ہے۔ اب ملکہ نے اپنے ملک کے جغرافیائی حالات سے فائدہ اٹھانے کا منصوبہ بنا کر اُس پر عملدرآمد شروع کر دیا۔ اس نے اپنے بحری حملوں کو استعمال کیا۔ دریائے نیل کے بندوں کو توڑ کر صلیبی کیمپ کو زیر آب

کر دیا۔ بحری مملوکوں اور مصری فوج نے اس ناکہ بندی سے صلیبی لشکر کا دمیاط سے سلسلہ آمد و رفت بند کر کے بھوت کو صلیبی فوج میں چھوڑ دیا۔ بالفاظ دیگر ملکہ نے بحری اور برّی دونوں طرف سے دشمن پر کاری ضرب لگائی۔

سیاسی حکمت عملی

ملکہ نے لوئی کو فدیہ پر رہا کرنے کے بعد تمام صلیبی لشکریوں کو برائے زیارت بیت المقدس جانے کے لیئے بہت سی سہولتیں مہیا کیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی عیسائی مسلمان ہو گئے اور جو مسلمان نہ ہوئے اور انہوں نے مسلمانوں میں خلط ملط ہونے سے جب اسلامی مساوات کو بچشم خود ملاحظہ کیا۔ تو ان میں ایک انقلابی جذبہ پیدا ہو گیا۔ کیا ملکہ ایک کنیز نہ تھی؟ کیا وہ ایک عورت ذات نہ تھی؟ صلیبی لشکری مسلمانوں میں ذات پات کے اختلافات کی بجائے اخوت و مساوات کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ لوئی کے صلیبی لشکری چار سال کے عرصے میں بہت سے اسلامی اثرات سے متأثر ہو گئے (ان اثرات کا تذکرہ آگے آئے گا)

ملکہ نے کوئی نئی بات نہ کی۔ بلکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صلح حدیبیہ کی حدیث پر عمل کر کے ایک اور یادگار مثال قائم کر دی۔

مسلمان سالار

ملکہ کی فوجی قابلیت نے پھر سے یہ ثابت کر دیا کہ مسلمان بہترین سالار پیدا کرتے رہے ہیں اور کر سکتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ مسلم خواتین بھی جب جہاد کے نشے یا جذبہ سے

سرشار ہوئیں ہیں۔ وہ کسی حالت میں بھی مسلم مردوں سے میدان جنگ میں کمتر ثابت نہیں ہوئیں اور انہوں نے کئی بار بہت عظیم معرکوں میں نامور اور آزمودہ جنگجو غیر مسلم سالاروں کو مات کیا ہے۔

ملکہ شجرۃ الدّر کے خلاف متحدہ یورپ کی بہت بڑی صلیبی فوج تھی۔ جو کہ تعداد، اسلحہ اور مال وزر میں مصری فوج سے کہیں فوقیت رکھتی تھی۔ صلیبی لشکر کا سپہ سالار بقول یورپی مورخین کے بہت بہادر، آزمودہ کار، قابل اور نامور بادشاہ لوئی نہم تھا۔ اس کے جھنڈے کے نیچے بہت نامور اور بہادر کاؤنٹ اور نائٹ تھے۔ ملکہ شجرۃ الدّر منصورہ کے معرکہ سے قبل ایک پردہ دار عورت تھی جس کا اوّلین فرض محل کو زینت دینا اور بادشاہ کی دلجوئی کرنا تھا۔

مسلم عورت اور جہاد

مگر جب جہاد نے ملکہ کے جذبات کو دعوت دی۔ تو ملکہ شجرۃ الدّر نے لبیک کہا اور صلیبی لشکریوں کو ایسی شکست دی۔ کہ طویل عرصے تک مغربی لشکر کو مصر کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی ہمّت نہ ہوئی۔

یہ زرّین کارنامہ سنہری چوڑیاں پہننے والی نازک کلائی کا ہے۔ یہ افسوس کا مقام ہے۔ کہ اسلامی مورّخین، مصنّفین اور دورِ حاضر کے فلم سازوں نے ان زبردست اسلامی روایات کو زندہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی ہے۔

مسلم خواتین کے لئے فلسفہ جہاد کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ مسلم خواتین

کے کارنامے یہ ثابت کرتے ہیں۔ کہ کئی بار اسلامی لشکریوں پر ایسا وقت آیا۔ کہ اسلام کی لاج ان نازک ہاتھوں نے رکھ لی۔ یہ وہی مستورات تھیں۔ جو وفادار مائیں، بہوئیں اور بیٹیاں تھیں اور گھر کی زینت بننا اپنا فرض اوّلین تصوّر کرتی تھیں وہ اپنے بزرگوں؛ شوہروں اور بھائیوں کی دل سے خدمت کرتی تھیں اور وُہ بھی بے لوث، بلا معاوضہ اور فی سبیل اللہ۔ کیا مسلم خواتین نے غزوۂ بدر، اُحد، خندق، معرکۂ یرموک اجنادین، فتح دمشق اور صلیبی جنگوں میں کارہائے نمایاں سرانجام نہیں دیئے؟ پھر کیوں ہم احسان فراموشی کرکے اسلامی تاریخ میں ان کو مناسب نمائندگی نہیں دے رہے ہیں۔ دورِ حاضر میں مسلمانوں کی پستی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ ہم نے سوسائٹی کے آدھے حصّے کو ناکارہ بنا دیا اور اُس کی صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں آنے دیتے۔ مسلمان عورت کی بیداری ثابت ہو سکتی ہے۔

ساتواں کروسیڈ کا نقشہ اگلے صفحہ پر

ملاحظہ کیجئے

ساتواں کروسیڈ
شمال
اسکندریہ
دمیاط
منصورہ
صنعا
ایلیہ
قاہرہ
دریائے نیل
صلیبی نیا پایاب ××××
پایاب اور راستے ......
صلیبی کیمپ
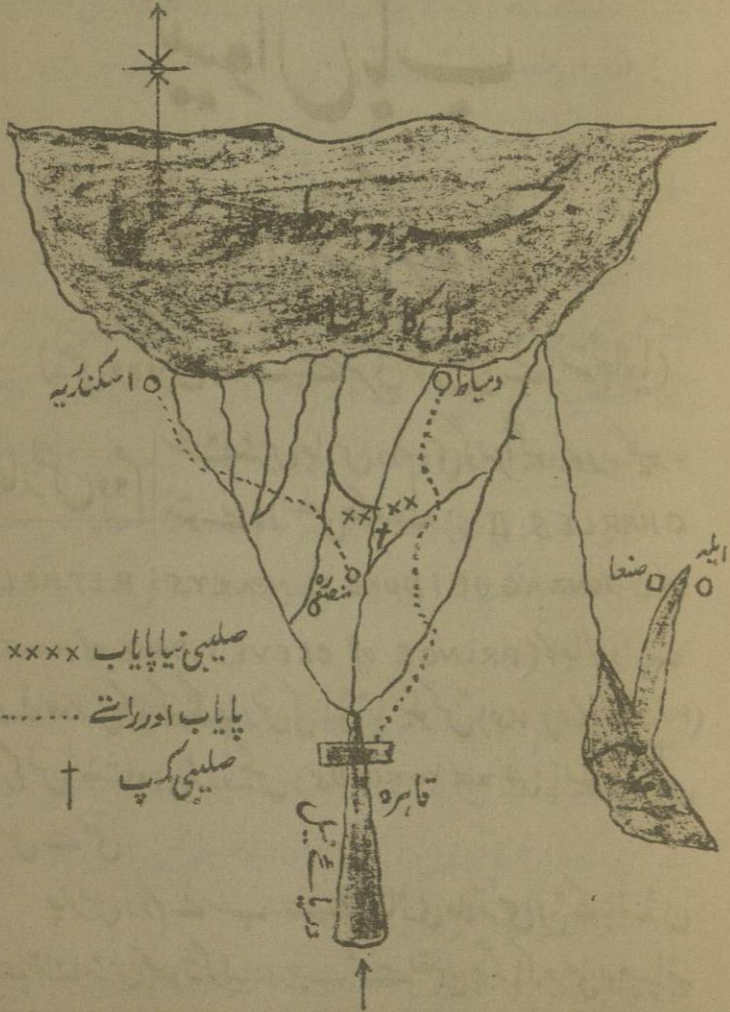
تیسواں باب

بھولا بسرا کروسیڈ

(یعنی وہ صلیبی جنگ جسے مغربی مورّخین نے دانستہ بھلادیا)

چارلس دوم ۱۶۱۵ء میں چارلس دوم دی گونزاگیو۔نیور۔کلیو۔منتونے بازنطینی حکومت (CHARLES II de GONZAGUE; DUKE of NEVERS; RETHEL PRINCE of CLEVES, DUKE of MANTUA) کا جائز وارث ہونے کا دعویٰ کیا۔کیونکہ چارلس کی نانی "پالیلوگس" (Palaeologus) مارکونس شہنشاہ اینڈرونیکس (Andronicus) پالیلوگس کی خاص نسل سے تھی۔

چارلس دوم نے سب سے پہلے پہاڑی علاقہ "ہی پن" کے باشندوں سے ۱۶۱۲ء میں سمجھوتہ کرلیا اور جب اُسے یقین ہوگیا کہ جرمنی اور ہسپانیہ

کے بادشاہ جنگ کی صورت میں اُس کی مدد کریں گے۔ تو اُس نے پہلے "موره" کے علاقے پر قابض ہونے کا ارادہ کیا اور پھر روما کی پرانی سلطنت کو دوبارہ زندہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ بلقان میں کروسیڈ کی اشاعت کے لئے روانہ ہو گیا اور صربستان، خروات ولائتی، ڈلمیشیا، ارناؤطلعہ اور مقدونیہ کے علاقوں میں خاص کر اُس نے جد وجہد کی۔

۸ ستمبر ۱۶۱۴ء کے دن کوچی کے کیتھولک قبائل نے ایک زبردست مجلس میں تمام ارناؤطی علاقوں کے بڑے بڑے سرداروں کو دعوت دی۔ جس میں صربستان کے "رئیس پادری" اور چند اور بڑے پادریوں نے بھی شمولیت کی اور تقریباً وہی زمانہ پلٹ آیا۔ جبکہ اُمرائے فرانس نے قسطنطنیہ میں لاطینی سلطنت قائم کی تھی۔ ان ایام میں بغداد کی خلافت کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا اور دولت عثمانیہ کی حالت نازک ہو رہی تھی خلیفہ کو عورتوں کے اثر کی وجہ سے عمدہ مشیر سلطنت نہ ملتے تھے۔ جس کے باعث انتظام مملکت نا اہلوں کے ہاتھ میں تھا اور ان کا صدر ایک حبشی خواجہ سرا تھا۔

خلیفہ مصطفیٰ

خلیفہ احمد کی وفات پر اُس کا بھائی مصطفےٰ چودہ سال کی قید سے رہائی کے بعد خلیفہ بنا۔ اس طویل قید نے اُس کے دماغ کا توازن بدل ڈالا تھا۔ یہ خلیفہ تین ماہ کی حکومت کے بعد قتل کر دیا گیا۔

لہسوان میں خلیفہ کی شکست

خلیفہ احمد کا چودہ سالہ لڑکا عثمان

اب خلیفہ بنا۔ عثمانیہ حکومت کے تعلقات فرانس سے خوشگوار نہ تھے۔
روس بھی عثمانیہ حکومت کو حرص بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُدھر
ٹرانسلونیا کے والی نے نجدان کے والی عزیز یانی کو الگ کر دیا تھا۔
عزیز یانی نے پولینڈ سے مدد مانگی جب لہسوان نے نجدان کے معاملے
میں دخل دیا تو خلیفہ نے لہسوان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ مگر
وہاں سے مُنہ کی کھائی۔ لہٰذا چارلس دوم نے عثمانی حکومت کی کمزوری
سے فائدہ اُٹھانا چاہا۔

صلیبی جنگ کا منصوبہ چارلس نے عثمانی خلیفہ کے خلاف عملی
قدم اُٹھانے کے لئے ایک مجلس مشاورت
بُلائی۔ اس مجلس نے یہ فیصلہ کیا کہ جبل اسود اور جبال خمیرہ کے خودمختار
قبیلوں تک وسیع پیمانے پر اسلحہ پہنچایا جائے اور پھر وہاں سے قبائل
دُوبجن (مرڈ سٹیٹس) پائیری، کوچی، سلیمنٹی اور بائلو پاوٹی میں تقسیم
کئے جاویں۔ یہ قبائل صربستان ہرزگونیا اور مقدونیہ کے صلیبی رضاکاروں
کی مدد سے بیالیس ہزار سپاہ بھیج سکتا تھا جس میں بارہ ہزار شہسوار
اور تیس ہزار پیادوں کا اندازہ تھا۔ طے کیا گیا تھا کہ جملہ مقامات پر
ایک متعین وقت میں بغاوت کا آغاز ہو جانا چاہیئے۔ تاکہ ترکوں کو
سنبھلنے کا موقع نہ مل سکے۔ اس منصوبہ میں مندرجہ ذیل طریقہ کار تھا:۔

۱۔ آٹھ ہزار تین سو خمیر لوطی ُافلونہ ُ پر حملہ کر کے اُس کو فتح کریں۔
۲۔ قبیلہ مرڈ سٹیٹس اور اُس کے ساتھی البانی قبائل کو گرد و بیال (اق حصار)

اور "اسقوورہ" کی فتح کریں۔

۳۔ مانٹینگرو والوں کو "گیٹلنوردو" پر قابض ہونے کا حکم تھا۔

۴۔ یہ تمام مقامات بغیر لڑے بھڑے فتح ہوئے تھے۔ کیونکہ سازش کرنے والوں نے پہلے ہی سے عیسائی علاقوں کو ملا رکھا تھا۔ منصوبے کے پہلے حصّے کی تکمیل کے بعد ترکوں کی ایک عام مجلس منعقد ہو سکتی تھی۔ اس وقت تک تمام باغی جماعتوں کے لئے ضروری تھا۔ کہ "اسقپ" میں سلیو (SLAV) والبانی افواج سے مل کر "ایڈریا نوپل" پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوں۔

۵۔ والیان "نجدان" و "اخلاق" کو اس سازش کی خبر اخلاق کے رئیس پادری (یونانی گرجا) سے مل گئی تھی۔ جو صربستان کے لاٹ پادری کا عزیز تھا اور انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ کہ وہ اپنی فوج کی معیّت میں دریائے "ڈینوب" پار کریں گے۔ تاکہ وہاں سے عیسائی افواج کی سرکردگی میں آگے بڑھیں۔

۶۔ بغاوت کی تاریخ ماہ اکتوبر میں قرار پائی تھی۔ اس کی وجہ سازشیوں کے دستور العمل سے یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ اس زمانہ میں ترک غیر مسلح رہتے تھے۔ اس وقت یورپ میں ان کی کوئی فوج ان کے فوجوں کے مقابلے کے لئے نہیں رہتی تھی۔ ایشیا سے ترکوں کی فوجیں ضرور آسکتی تھیں۔ لیکن ان کے آتے آتے چھ ماہ گذر جاتے۔ ترکوں میں چونکہ یہ دستور تھا کہ اپنے سپاہیوں کو میدان جنگ میں "مانہ

دُرو کے قبل ہی بھیجتے تھے۔ اس لئے ان کو ہر طرح سے اپنی
قوت بڑھانے کے لئے کامل آٹھ ماہ کی مہلت ہے۔

صرف ان دعدوں کے بھروسے پر ہی امیر نیور کو مشرق کی جانب
پیش قدمی کرنے کی جُرأت نہ ہوئی۔ بلکہ کیتھولک مذہب کے نامی رئیس
یا پادری "پیری جوزف" کی رائے سے جو عام طور پر "بھورے لاٹ پادری"
کے لقب سے مشہور تھا اور یورپ کی رضامندی سے اُس نے ایک
جماعت تیار کی تھی جس کا نام "عیسائی جنگی آدمی" تھا۔ یہ جماعت مریم عذرا
کی خاص حفاظت میں دی گئی تھی اور اس کا فرض اوّلین یہ قرار دیا گیا
تھا۔ کہ صلیبی جنگ میں ترکوں کے مقابلے میں سپاہیوں کی مدد کرے۔

اس کے علاوہ ایک اور رنگروٹ فوج تیار کر رہا تھا اور ذاتی
مصارف سے پانچ جنگی جہازوں کا ایک بیڑا تیار کرا رہا تھا جس میں
ساز و سامان اور فوج کی فراہمی بھی شامل تھی۔

پوپ "شاہ ہسپانیہ" اور "بہادران مالٹہ" نے فوج اور روپے سے
اس کی مدد کی۔ پوپ نے دو لاکھ پونڈ اور دس مسلح اور مکمل جنگی جہاز مہیا
کرنے کا ذمّہ لیا۔ یہ جہاز دو ہزار آدمی لے جانے والے تھے۔ شاہ ہسپانیہ
نے چھ لاکھ پونڈ اور بیس جہازوں کا اور بہادران مالٹہ نے چھ جہازوں
کا ذمّہ لیا۔

خلاصہ یہ کہ اٹھارہ ہزار منتخب نائٹ (سپاہی) امیر نیور کی مدد کو
آنے والے تھے۔ یہ طے پایا کہ جمعیت موریہ میں خشکی پر اترے اور متوتیوں

اور پلیپونسیوں کو جمع کر کے مقدونیہ کی راہ لے۔

امیر کے مصاحب ایم۔ ڈی چیٹور نیا ریناﷲ نے تمام ُفضی کا سفر کیا۔ ُفضی کے تمام سرداروں نے ایک سپاسنامہ پر دستخط کئے جو جلیل القدر امیر نیور کے حضور میں پیش کیا گیا۔ لیسیذ بوسنیا ' اور ملوڈ نیری کے رئیس پادری نے پالیلوگس کے جانشین کے لئے وفاداری کا حلف اُٹھایا اس کے ساتھ ایک۔ اور قاصد ُجین کلمر نامی آرنا وطلعہ پہنچا تاکہ وہاں "ڈورازو" کے بڑے لاٹ "پادری ایم چرٹین" سے ملے۔ جس نے اس سازش میں آرنا اور جنیہ کے استقفوں اور "ٹرنودو" دارالریاست بلغاریہ کے استقف اعظم کو شریک کر لیا تھا۔ فرانس کے عوام الناس ترکوں کے خلاف متحد تھے اور صلیبیوں کو اُن کی زبردست تائید حاصل تھی ان کے نزدیک کافروں کی مخالفت میں یہ مقدس جنگ لڑی جا رہی تھی اور اس لئے بلاشبہ قابل ستائش تھی۔

"سواری دی برو" سابق سفیر ترکی نے ۱۶۱۹ء میں ایک کتاب شائع کی۔ جس کا نام "شاہانِ عثمانیہ کی سلطنت کو تباہ و برباد کرنے کے یقینی ذرائع" تھا۔ یکم نومبر بروز عید جوزف پادری نے نیور کے کلیسا میں پوپ کے کمشنر جنرل کی حیثیت سے کروسیڈ پر وعظ کہا اور صلیبی سپاہیوں کے حلف کے موقع پر آسٹریا کے دارالسلطنت "وائنا" میں کروسیڈ پر وعظ کہا گیا۔ امیر "میکس لائن برگ" اور امیر بوکیں اور ریڈزیوں امیر لہستان (پولینڈ) نے صلیب اُٹھائی اور وہ سرفروش جنہیں امیر نیور نے کروسیڈ

کے لئے بھرتی کیا تھا۔ اب مشرق کی طرف کوچ کرنے والے تھے کہ اس کا بیڑا ایک دم جل گیا۔ اس بلائے ناگہانی سے چارلس دوم امیر نیور کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ یہ ۱۶۲۰ء کا واقعہ ہے۔

شاید ترکی معاصر مؤرخین کے سوا تمام مؤرخ اس واقع کی تفصیل کے موقع پر خاموش ہیں۔۔۔ ۔۔ ۔۔ (از دلا ڑول کبیر)

خاموش کیوں نہ ہوتے کیونکہ مغرب کے زبردست کروسیڈی منصوبہ کی تباہی اور ناکامی کا حال لکھ کر وہ مغرب کو کمتری کا احساس دلانا نہ چاہتے تھے اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا کا محافظ ہے۔ صرف عیسائیوں کا ہی نہیں۔ یہاں پر یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ مسلم مؤرخین اس طرف کس لئے متوجہ نہ ہوئے اور اسے "بھولا بسرا کروسیڈ" کیوں بنا دیا۔ جبکہ اس کے پڑھنے سے ہم بہت سے اہم اسباق حاصل کر سکتے ہیں۔

اس صلیبی جنگ سے حاصل شدہ اسباق

(۱) عیسائی رئیس پادری تو کیا بلکہ تمام چھوٹے بڑے پادری کس طرح اسلامی حکومت کو تباہ کرنے کے منصوبے تیار کرنے میں تندہی سے کام کرتے رہے ہیں۔

۲۔ عیسائی حکمران لفظ کروسیڈ سے متأثر ہو کر جان و مال کے علاوہ اپنے لاؤ لشکر سے بھی فرضی حقدار کی مدد کے لئے تیار ہوتے رہے ہیں۔

۳۔ غیر ملکی عیسائی سفراء نے جب بھی موقع ملا۔ مسلمانوں کے خلاف ایک محاذ بنانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔

۴۔ عثمانی حکومت کی بدترین کمزوری نااہل خلفاء کے تخت نشین ہونے میں مضمر تھی۔ اس کمزوری کو اسلامی اُمرا نے طمع، نفس پرستی، حرص اور آرام طلبی میں ڈوب کر ایک تباہ کن سانحہ بنا دیا۔ نفاق، باہمی عناد اور بغض نے اس تباہی کی رفتار کو اور بھی تیز تر کر دیا۔

کیا یہ اسباق دورِ جدید میں ہمارے لئے مشعلِ راہ کا کام نہیں دے سکتے؟ کیا ہماری موجودہ روش ہمیں بربادی اور تباہی کے غار کی طرف نہایت سرعت سے نہیں لے جا رہی ہے؟ کیا ہم اس تباہی سے بچ سکتے ہیں؟
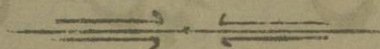
اکتیسواں باب

صلیبی جنگوں پر اجمالی تبصرہ

پہلا کروسیڈ

گیارہویں صدی کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پاپائے رُوم پادریوں اور سلاطین یورپ میں خفیہ سمجھوتہ ہوا۔ اس منصوبے کا وفاعی سیاسی اور مذہبی نام کروسیڈ رکھا گیا۔ اس منصوبے میں پوپ اور سلاطین کے اغراض و مقاصد گو مختلف تھے۔ مگر ان دونوں نے اپنے اپنے اصلی اغراض و مقاصد کو مخفی رکھا۔

صلیبی جنگ مذہبی نقطۂ نظر سے

پوپ یہ چاہتا تھا کہ:۔ (۱) عیسائی دُنیا کی نظریں یُونانی چرچ کے مرکز قسطنطنیہ سے ہٹ کر اٹلی کے شہر رُوم پر مرکوز

ہو جائیں۔ واضح ہو کہ اٹلی طوائف الملوکی کی وجہ سے کئی حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ پوپ یہاں کا نہ صرف مذہبی پیشوا بلکہ بادشاہ بننا چاہتا تھا یا یوں کہیئے کہ وہ بھی ہندوستان کی طرح پیشواؤں کی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح مشرق اور مغرب کے آریاؤں برہمنوں کا نظریہ یکساں تھا۔

(ب) علاوہ ازیں پوپ کی یہ بھی خواہش تھی کہ ہولی سی (HOLY SEE) کا چرچ اقتصادی حیثیت سے یورپ کا سب سے بڑا مرکزی بینک ہو اور یورپ کے حصوں مثلاً فرانس، جرمنی، انگلستان وغیرہ میں اس بنک کی شاخیں ہوں۔ جن کو وہاں کے مقامی اسقف چلائیں۔ اس اقتصادی طاقت کے بعد پوپ کے لئے سیاسی اقتدار کا حاصل کرنا دشوار نہ ہوگا۔

(پ) پوپ اپنی مرکزی اور صوبائی طاقت اسی وقت قائم کر سکتا تھا۔ جس وقت یورپ سے طوائف الملوکی دور ہو جائے اور لوگوں میں ایسے مذہبی جذبات پیدا ہو جائیں اور کوئی ایسا منصوبہ تیار کیا جائے۔ جس کی مدد سے شاہ و گدا پوپ کے غلام بن جائیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پوپ نے سلاطین سے سمجھوتہ کر لیا۔

(ج) پوپ کو خوب معلوم تھا کہ جرمنی کے ایک طاقتور ڈیوک نے اپنے آپ کو قدیم سلطنت روما کا جائز وارث قرار دے کر اپنے لئے قیصر جرمنی کا لقب تجویز کیا ہے۔ اس بارہ میں مغربی مبصرین دو رائیں رکھتے ہیں:۔

(i) کروسیڈوں کو وہ پوپ کی خارجی سیاست کے لقب سے پکارتے ہیں۔

(ii) دُوسرے مؤرخین کروسیڈ کو پوپ کی سخت حماقت تصوّر کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کی وجہ سے عیسائی مذہب میں انقلاب پیدا ہوا اور پوپ کا وقار و اقتدار پہلے سے کم ہو گیا۔

صلیبی جنگ کے سیاسی نتائج

یورپ کے طاقتور اُمراء میں سے جرمنی اور فرانس کے ڈیوک نے اپنے دُوسرے ہمعصروں سے پہلے اپنے علاقوں کو وسیع کر کے بادشاہ کہلانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے یہی لوگ پوپ سے ملے۔ ان کو کامل وثوق تھا کہ اگر سب بڑے بڑے ڈیوک اور کاؤنٹ اور جھگڑالو نائٹ ملک سے نکل گئے۔ تو اُن کو اپنی حکومتوں کی توسیع کا موقع آسانی سے مل جائے گا۔ علاوہ ازیں اُن کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ بہت کم کروسیڈی اپنے وطن کو واپس لوٹ کر آئیں گے۔ کیونکہ مشرق میں بے انتہا دولت و ثروت آسانی سے مل سکتی ہے۔

پہلے کروسیڈ میں سب سے نمایاں بات یہ ہے کہ بادشاہوں نے اس میں بہت دلچسپی لی۔ وہ خود پیچھے رہے اور سب نائٹ اور طاقتور امراء کو کروسیڈ پر بھیج دیا۔ کروسیڈ پر جانے کے لئے چونکہ اُمراء کو روپیہ کی ضرورت تھی۔ لہٰذا وہ بادشاہ یا مقامی پادریوں کے ہاتھوں اپنی جائیداد بیچ کر چلے گئے۔ مثلاً فرانس کے بادشاہ کا علاقہ پہلے صرف شہر پیرس

اور اُس کے قرب و جوار کے مفصلات تک محدود تھا۔ مگر پہلی کروسیڈ کے بعد یہ بادشاہ تقریباً سارے فرانس کا مالک بن گیا جرمنی کے قیصر نے بھی جرمنی اٹلی اور دیگر مقبوضات پر جو کبھی سلطنت روما کے تحت تھے اپنا حق جتایا۔ بہر حال وہ بھی جرمنی کا واحد مالک بن بیٹھا اور اپنے آپ کو قیصر کا لقب دیا۔

صلیبی جنگوں سے یورپ میں طوائف الملوکی کا زوال شروع ہو گیا اور اب یورپ بڑی بڑی سلطنتوں میں تقسیم ہو گیا۔

گو بظاہر کروسیڈ کا مقصد یورپ کو متحد کرنا تھا۔ مگر درحقیقت یورپ نسلی بنیادوں پر تقسیم ہو گیا۔ پادریوں نے کروسیڈ کا تقدس اور فضیلت ظاہر کرنے کی غرض سے کئی فرضی معجزات گھڑ لیے۔ یہ معجزات بعد ازاں نسلی جھگڑے اور تنازعے کی مضبوط بنیادیں بن گئے۔ مثلاً مقدس نیزے پر جرمنی اور فرانسیسی مذہبی علماء اور صلیبیوں میں سخت جھگڑا اور فساد رونما ہوا۔

صلیبی جنگ کے اقتصادی اثرات

اٹلی کی بندرگاہیں صلیبیوں کی آمد و رفت کی وجہ سے بہت ترقی کر گئیں۔ اس لیے یورپ کی دولت وہاں سمٹ کر آ گئی۔ اور یورپ کی مالی و سیاسی طاقت بہت بڑھ گئی یہی نہیں بلکہ تمام یورپ کے پادریوں کو بھی سیاسی لیڈروں اور اُمراء پر فوقیت حاصل ہو گئی۔ کیونکہ کروسیڈ پر جانے کے لیے انہیں کی اجازت

حاصل کرنا پڑتی تھی۔ یورپ میں اقتصادی لحاظ سے صرف پادریوں کے پاس فنڈ موجود تھے۔ جس کے عوض وہ کروسیڈیوں کی جاگیریں یا زیورات وغیرہ خریدتے تھے یا رہن رکھ لیتے تھے۔ گویا تمام یورپ کی حکومت سیاسی اعتبار سے اب پوپ کے قبضہ میں چلی گئی۔

صلیبی جنگ دفاعی نقطہ نظر سے

پہلے پہل صلیبی دستوں کو اسلامی جہاد کے نمونہ پر ترتیب دیا گیا۔ مگر کروسیڈی نائٹوں کو سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی فوقیت دی گئی۔ کروسیڈ دراصل جہاد کی انتہائی بھونڈی نقل تھی کیونکہ جب جہاد فی سبیل اللہ ہوتا ہے تو جملہ مجاہدین میں کامل مساوات ہوتی ہے اور سالاری کا انحصار ذاتی قابلیت پر ہوتا ہے مگر کروسیڈی نائٹوں میں اُس کو نسلی حق بنا دیا گیا۔ ابتدا ہی سے نائٹوں میں نسلی امتیاز نے خوفناک صورت اختیار کر لی تھی اور آخر کار یہی نسلی امتیاز انتہائی بغض و عناد کا موجب ہوا۔ کروسیڈی نائٹوں نے اسلام کی دفاعی تاریخ کا ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔ جا بجا کتب خانے قائم کیے اور اسلامی کتب کے ترجمے کی تحریک پیرس میں شروع کر دی۔ غالباً یہی وہ کتابیں تھیں۔ جن کا مطالعہ کر کے نپولین اس قدر نامور سالار بن گیا۔ کیونکہ نپولین کا دفاعی نظریہ آنحضرت صلعم اور دیگر نامور اسلامی سالاروں کی فوجی حکمت عملی کے بہت قریب تھا۔ یورپ نے اسے نپولین کا نظریہ اس لیے مشہور کیا۔ تاکہ یورپی اقوام میں احساس کمتری پیدا نہ ہو جائے۔

تو عربی شاعری نے ان کے دلوں پر بہت اثر کیا اور یورپ میں شاعری عربی طرز پر مقبول ہوگئی۔ یورپ کے لوگوں کا مسلمانوں سے میل جول بڑھا تو یورپ میں ادبی تحریک کا آغاز ہوا۔ ان میں مساوات کا جذبہ ابھرا اسلامی عقیدے سے فیضیاب ہو کر انہوں نے من گھڑت معجزات کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ غرضیکہ عیسائی مذہب نے ایک نیا روپ دھارا جسے پروٹسٹنٹ چرچ کے لقب سے پکارا گیا۔ پہلے کروسیڈ کے بعد اس نئے مذہبی انقلاب کی بنیاد پڑ چکی تھی۔

دوسرا کروسیڈ

بظاہر یہ کروسیڈ الرہا (ایڈیسہ) کے ہاتھ سے چلے جانے کی وجہ سے لڑا گیا۔ مگر ہم اسے پوپ کے منصوبے کا دوسرا پہلو (PHASE) قرار دیتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ ذکر مناسب ہوگا۔ کہ پوپ برناڈ فلسطین کے طاقتور گروہ ٹمپلر نائٹوں کے سالار اعظم کا بھتیجا تھا۔ یہ برناڈ وہی تھا۔ جس نے اسلامی دستور میں ترمیم واضافہ کر کے ٹمپلر نائٹوں کے نظم وضبط کے قواعد بنائے تھے۔ برناڈ کا جوانی کا زمانہ فلسطین میں گذرا تھا۔ پوپ برناڈ نے سمجھ لیا تھا کہ اب یورپ کی طوائف الملوکی ختم ہو چکی ہے اس نے پادریوں پر لگان بڑھا کر اپنے خزانے کو بھر لیا اور اپنی رضا کار فوج

کا طاقتور دستہ بنا لیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ پوپ یورپ کا شہنشاہ بننا چاہتا تھا۔ اس کروسیڈ سے وہ یورپی سلاطین جنہوں نے اس میں حصّہ لیا تھا بدنام ہو گئے اور ان کی مالی حالت بھی کمزور ہو گئی۔ چنانچہ پوپ کا منصوبہ کامیاب رہا۔ یورپ کے سلاطین ان کی فوج اور فلسطین کے نائٹوں میں سخت کش مکش ہونے لگی۔ آخر کار یہی امر سلاطین کی شکست کا موجب ہوا۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب کچھ پوپ نے دانستہ کیا تھا؟ حالات سے پتہ چلتا ہے کہ غالباً ایسا ہی ہوا۔ کیونکہ اب پوپ اور قیصر جرمنی میں سیاسی اقتدار کے حصول پر چل گئی۔ مزید براں پوپ کی غلطی سے اس کروسیڈ میں مغربی اور مشرقی نائٹوں میں بغض وعناد اور بے اعتمادی پیدا ہو گئی تھی۔ جو آخر کار مشرق میں صلیبی حکومت کی تباہی کا موجب ہوئی اور اس طرح پوپ کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

اس کروسیڈ کے باعث اسلامی اقتدار برقرار رہا اور اُسے کوئی نقصان نہ پہنچا۔ یہ پہلی بار تھی کہ کروسیڈیوں نے فلسطین کی بجائے مصر پر قبضہ کرنا چاہا۔ جہاں شروع میں کروسیڈیوں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر آخر کار صلاح الدین جو ۲۳ مارچ ۱۱۶۹ء کو اپنے چچا شیر کوہ کا جانشین بنا تھا اس کے ہاتھوں کروسیڈیوں کو مصر میں شکست فاش ہوئی۔ بالفاظ دیگر اس کروسیڈ نے صلاح الدین کو عیسائی منصوبے کے

خطرات سے آگاہ کر دیا جس کے تدارک کے لئے اُس نے انتہائی غور و فکر سے کام لیا اور اُس پر عمل کر کے کروسیڈیوں کو اسلامی ممالک سے بے دخل کر دیا۔ صلاح الدین کی کامیابی تیسرے کروسیڈ کے باعث سمجھی جاتی ہے۔ مگر اسلامی زاویہ نگاہ سے دوسرا کروسیڈ بہت اہم ہے۔ کیونکہ اسلامی ممالک میں ایثار اور جہاد کا جذبہ پھر سے جاگ اٹھا مسلمانوں میں خود اعتمادی کا جذبہ اُبھرا۔ کہ ایک چھوٹی سی مسلم فوج اپنے سے کہیں بڑی کروسیڈی فوج کو شکست دے سکتی ہے۔ ۱۱۴۱ء میں ایک انگریز کروسیڈی رابرٹ نے قرآن مجید کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔ یہی زمانہ تھا جبکہ عربی کی مستند کتابوں کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوا۔ کیونکہ اس دور میں فرانسیسی زبان ہی عام فہم تھی اور تمام یورپ کی زبان سمجھی جاتی تھی۔ اس طرح اسلام کا پیغام مغرب میں پہنچا۔ یہ ضرور ہے کہ یہ ترجمے کلیتہً صحت کے حامل نہ تھے۔ مگر پھر بھی اپنا اثر کر گئے۔

تیسرا کروسیڈ

یہ کروسیڈ ایک عجیب افسانہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اگرچہ اس جنگ میں دفاعی نقطہ نظر سے یورپ کے متحدہ سلاطین اور اُن کے صلیبی لشکروں کو شکست فاش ہوئی۔ مگر مغربی مورخین اور دیگر مصنفین نے اسے عیسائی افواج کی 'فتحیابی' لکھا ہے اور رچرڈ کے متعلق اس قدر افسانے لکھے ہیں۔ کہ بقول ہٹلر کے کہ اگر ایک جھوٹی بات کو بار بار دُہرایا

جائے۔ تو آخرکار لوگ اُسے سچ تسلیم کر لیتے ہیں۔ اس کروسیڈ کے حالات
پڑھنے سے اس اُصول کی تائید ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے عیسائی دنیا کے
علاوہ ہمارے مسلم نوجوان بھی ان افسانوں کو پڑھ کر رچرڈ کے شیدائی بن
گئے ہیں۔

(۲) یہ کروسیڈ اس لئے عجیب تھا کہ ایک طرف تو ایک مرد مجاہد تھا۔
جو ابھی چند سال ہوئے یعنی ۱۱۷۴ء میں ایک سے ترقی کر کے خود مختار
بادشاہ بنا تھا۔ تاکہ اسلامی ممالک کو عیسائی اثرات سے پاک کر دے
اس وعدے کو اُس نے پورا کر کے دکھایا۔ اُس نے ۱۱۸۷ء میں بیت المقدس
کو فتح کیا اور ابھی ارادوں کو مکمل کرنے کی فکر میں تھا کہ ۱۱۸۹ء میں تمام
یورپ صلاح کو ختم کرنے کی غرض سے اُمنڈ آیا۔ یعنی ایک طرف تو ایک چھوٹی
سی سلطنت کا بادشاہ تھا۔ جو محدود فوج اور بہت کم مال و زر رکھتا تھا اور
دُوسری طرف کے سلاطین، پوپ اور پادریوں کی بے انتہا دولت اور
تمام یورپ کے باشندے اور مشرقی عیسائی حکومتیں اور اُمرا تھے۔ مگر
یہ سب نامُراد اور ناکام ہو کر اپنے وطن کو لوٹ جاتے ہیں اور کم تعداد
اور کمزور لشکر جم غفیر پر فتحیاب ہوتا ہے۔ یعنی جہاد کو کروسیڈ پر غلبہ حاصل ہوا۔

صلاح الدین کے بالمقابل جرمنی کا قیصر فریڈرک، انگلستان کا شیر
دل رچرڈ، فرانس کا فلپ، آسٹریا کا بادشاہ اور آرمینیا کا بادشاہ، قیصر
روما، شاہ فلسطین، شاہ سسلی اور کئی ڈیوک اور نائٹ تھے۔ مگر اکیلا
مجاہد اعظم صلاح الدین فتحیاب ہو گیا۔ یا یوں کہیے کہ قرآن مجید کے بیان

کے مطابق چھوٹے سے گروہ کو ایک بہت بڑے گروہ پر فتح حاصل ہوئی کیونکہ وہ حق کے لئے جنگ کر رہا تھا۔

یہ باعث حیرت واستعجاب ہے کہ مملکت پاکستان اور بہت سے ممالک میں جہاں کہیں انگریزی نصاب تعلیم جاری ہے۔ وہاں صلاح الدین کو بے دین، عہد شکن وغیرہ الفاظ سے یاد کیا ہے اور رچرڈ اور اُس کے شکست خوردہ ساتھیوں کو فاتح، بلند خیال، بہادر، فیاض، جانباز وغیرہ کے القاب سے نوازا گیا ہے۔ لہٰذا یہ کذب بیانی قابل داد و رچہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد کی مصداق ہے اور اس پر طرہ یہ کہ ہم نے اس کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھائی اور اپنے بچوں میں کمتری کے احساسات پیدا کرتے جا رہے ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ تعلیمی نصاب کے لئے ایسی کتابیں لکھی جائیں جو راست گوئی پر مبنی ہوں۔

تیسری صلیبی جنگ سیاسی و دفاعی نقطۂ نظر سے

سب سے عجیب و غریب یہ امر واقعہ ہے کہ مسلمانوں کے علماء رہنما اور مصنفین یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں اور خاموش ہیں اور مجاہد اعظم صلاح الدین کی عظیم فوجی صلاحیتوں پر کسی مسلم مصنف نے قلم نہیں اٹھایا۔ گو بہت سے افسانے لکھے گئے ہیں اور لکھے جا رہے ہیں مگر دفاعی یا سیاسی نقطۂ نظر ان میں کہیں نہیں پایا جاتا۔ تیسرا کروسیڈ ان

لئے بھی نہایت اہم ہے۔کہ اس کروسیڈ میں پہلی بار سارا یورپ متفقہ طور سے اسلام کو ختم کرنے کے لئے نکلا اور اس کے مقابلے کے لئے اکیلا سلطان صلاح الدین تھا اور یورپ کی متحدہ فوج اور اسلامی فوج میں فیصلہ کن لڑائیاں لڑی گئیں۔

ملٹری سائنس کے طلبا کے لئے وہ عظیم فوجی حکمت عملی جو مجاہد اعظم سلطان صلاح الدین نے کروسیڈوں کے خلاف استعمال کی ایک سنگ میل کا کام دے گی۔ یہ مدافعانہ جنگوں کی بہترین مثالوں میں سے ایک ہے۔ جس میں ایک سپہ سالار نے اپنی چھوٹی سی فوج کو جہاں چاہا اور جب چاہا کامیابی سے لڑایا۔ سلطان صلاح الدین کے نظم و نسق کی یہ قابل تقلید مثال ہے کہ اس نے کسی بھی محاذ پر اپنی فوج کو فاقہ مست نہ ہونے دیا اور اسی لئے ہر محاذ پر کامیاب رہا کیونکہ سلطان نے آنحضرتؐ کی دفاعی حدیث کا اتباع کیا۔ اسلامی فوج کی سخت جانی اور نقل و حرکت کی اہلیت بھی حیرت انگیز تھی۔ جہاں نپولین مات کھا گیا اور ہٹلر بھی ہار گیا۔ وہاں سلطان صلاح الدین اور اُس کے سپہ سالار اور معاون اپنے سے کہیں زبردست دشمن کے خلاف جیت گئے۔ کیونکہ ان سب میں یکجہتی اور کامل اتحاد تھا اور اپنے سپہ سالار سلطان صلاح الدین کے احکام پر سختی سے عمل کرنا وہ اپنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے۔

سلطان صلاح الدین نے ملٹری سائنس کے طلبا کو بتا دیا ہے کہ نئی بھرتی شدہ فوج کو تجربہ کار اور کثیر تعداد فوج کے خلاف کیسے نہایت

کامیابی سے لڑایا جا سکتا ہے اور جب یہ نئی بھرتی شدہ فوج حرص کا شکار ہو کر فتح کو شکست میں بدل دے۔ تو کس طرح اُس میں جرأت و جلاوت کی رُوح پھونک کر از سرِ نو اسے فاتح بنایا جا سکتا ہے مثلاً جافہ کی لڑائی زرّیں الفاظ میں لکھنے کے قابل ہے۔ اس لڑائی کے حالات پڑھنے سے سلطان صلاح الدین کی بلند شخصیت اور عظمت کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی آجاگر ہوتا ہے۔ کہ سلطان کس قدر دقیقہ شناس مجاہد تھا۔ جو بدترین حالات میں بھی صبر و سکون سے کام لیتا تھا اور ہمت و استقلال کو کبھی ہاتھ سے نہ دیتا تھا۔

یورپ کے لشکر کی شکست سے بھی ہم بہت سے اہم اور قیمتی سبق سیکھ سکتے ہیں۔ کہ نامور سالار، جنگجو نائٹ، بیباک سپاہی۔ لاتعداد دولت، بہترین ہتھیار، باہمی عناد، بداعتمادی اور حرص و طمع جیسے نقائص کے باعث اکارت ہو کر رہ جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں میدان جنگ میں تمام متحدہ افواج کا صرف ایک سپہ سالار ہونا چاہیئے تھا۔ جس پر متحدہ لشکروں کے سالاروں کو پُورا اعتماد ہو اور اس سپہ سالار کو بھی یقین ہو کہ اُس کے احکام پر بلا شک و شبہ عمل درآمد ہوگا۔ صلیبی لشکر میں یہ نعمت عنقا تھی۔ سب کے سب اپنی قابلیت کے گھمنڈ سے مخمور تھے۔ اسلامی لشکر میں سلطان صلاح الدین اس دولت سے مالا مال تھا۔ کیونکہ اُس کے معاون اور ماتحت اُس کے جاں نثار اور رفیق تھے۔ اسی لیے صلیبی ہار گئے۔ جہاں رچرڈ میں سیاسی جوڑ توڑ کی

صلاحیت تھی - وہاں اُس کے معاون کورے تھے - مگر صلاح الدین کے سب معاون سالار اپنے سپہ سالار کے ہر اشارہ کو اچھی طرح سے سمجھتے تھے - جہاں رچرڈ کی سیاسی چالوں پر عدم اعتماد اور نکتہ چینی ہوتی تھی - اس کے علی الرغم سلطان کے ہر مشورے کو بجالانا اس کے سالار اپنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے - یہی وہ فرق ہے - جس نے صلاح الدین کو فاتح اور رچرڈ اُس کے ساتھیوں کو نامُراد و ناکام فلسطین سے ہمیشہ کے لئے واپس لوٹایا -

سلطان حدیث و فارغ کے اُصولوں کے بموجب جنگ پر صلح کو ترجیح دیتا تھا - وہ سخت دل ہونا بھی جانتا تھا اور مناسب وقت پر سلطان سے زیادہ شاید ہی کوئی نرم دل، فیاض اور خدا ترس انسان ہوگا - یہ صلاحیتیں بہت اُونچے درجہ کے سپہ سالار میں ہوتی ہیں - سلطان کے اخلاق و اطوار نے یہ ظاہر کر دیا - کہ سپہ سالار کے لئے ہر دلعزیز ہونا کس قدر لازمی اور مفید ثابت ہوتا ہے جب وہ اپنے سپاہیوں سے جفاکشی کا مطالبہ کرتا تھا وہ خود بھی ان ہی حالات میں رہتا تھا - سلطان سمجھتا تھا کہ خطرناک حالات میں سپہ سالار کی موجودگی سپاہیوں کے عزم کو آہنی بنا دیتی ہے -

مگر سلطان جذبات کا غلام نہ تھا - عسقلان، لد، رملہ کے مشہور اور اہم شہروں کو برباد کرنے کا فیصلہ کرنا آسان نہ تھا - خصوصاً جبکہ حالات جنگ سلطان کے موافق نہ تھے - سنہ ۱۹۳۹-۴۵ء میں کئی بار ایسا ہوا کہ فرانسیسیوں

اور جرمنوں وغیرہ نے اپنے بڑھتے ہوئے دشمن کے خوف یا روپے کے لالچ
سے ان اہم ٹیلوں یا اہم دفاعی اڈوں کو برباد نہ کر کے اپنے دشمن کی بہت
قیمتی مدد کی۔ مگر سلطان نے یہ کام نہ صرف مسلم رعایا سے بلکہ عیسائی رعایا
سے بھی اس خاموشی سے کروایا۔ کہ دشمن کو یقینی طور سے یہ علم نہ ہوا۔ کہ
درحقیقت ایسا ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے۔ سلطان اپنے مصاحبوں کے
مشورے کی قدر کرتا تھا اور ان کو اظہار خیال کی اجازت دے کر ان
کی حوصلہ افزائی کرتا۔ مگر وہ فیصلہ خود کرتا تھا۔

درحقیقت سلطان صلاح الدین کے حالات زندگی ملٹری سائنس
کا ایک نہایت اہم اور سبق آموز باب ہے۔

چوتھا کروسیڈ

چوتھے کروسیڈ میں پوپ اعظم نے یونانی حکومت اور یونانی چرچ
کو کئی صدیوں کے اقتدار کے بعد اکھاڑ کر پھینک دیا۔ یا یوں کہیئے کہ یورپ
کے برہمن نے اپنے حریف پر ایک کامیاب اور کاری وار کیا۔ یہ وار
بالکل ویسا ہی تھا جیسا ہند کے آریہ برہمن نے بدھ مت پر کیا تھا۔

یہ کروسیڈ یونانی چرچ پر پوپ کی عظیم الشان فتح تھی۔ بالفاظ دیگر
روم کے پوپ کی حرص بہت حد تک پوری ہو گئی۔ دفاعی نظریہ کے لحاظ
سے مغربی مبصرین نے اس کروسیڈ کے متعلق لکھا ہے کہ قیصر روما کے چلے
جانے سے اب مسلم حکمرانوں کے لئے ساز باز کرنے کے لیے کوئی حکمران

نہ رہا جو اندرونی طور سے صلیبی لشکریوں کی مخالفت کرتا اور ان کے ارادوں سے مسلم بادشاہوں کو خبردار کر سکتا تھا۔

مگر آئندہ کے حالات اس بات کی تائید نہیں کرتے۔ یہ عذرِ گناہ بدتر از عذرِ گناہ تصوّر کیا جا سکتا ہے۔ دُوسرے کروسیڈ کے ایّام میں کروسیڈیوں نے مقدّس مقامات کو آزاد کرانے کی بجائے مصر میں دریائے نیل کی وادی پر قبضہ کرنے کو ترجیح دی تھی۔ کروسیڈ کے ڈھونگ کا پول گو پہلے کروسیڈ کے ایّام میں کھل چکا تھا۔ مگر اس کروسیڈ سے بالکل عیاں ہو گیا کہ کروسیڈوں کا مقصد درحقیقت حرص کی غلامی تھا اور مقدّس مقامات کی آزادی سے اسے کوئی واسطہ نہ تھا۔ یہی حرص و آز صلیبی لشکروں کی تباہی کا موجب ہوئی۔

پانچواں کروسیڈ

اس کروسیڈ سے صلیبی لشکریوں کی ذہنی شکست کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ اب کروسیڈی مقدّس مقامات تو آزاد کرانے کی بجائے مصر کی طرف بڑھے۔ ان کا یہ بہانہ کہ مصر کے فتح ہونے سے فلسطین کا فتح کرنا آسان ہو جائے گا۔ ایک کمزور دلیل ہے کیونکہ سلطان اعظم کی وفات کے بعد اسلامی سلطنت کئی حصّوں میں بٹ گئی تھی اور سب کو معلوم تھا کہ دمشق کا بادشاہ کمزور ہے۔ لیکن مصر میں چونکہ قیمتی سامان کے ملنے کا امکان تھا۔ اُن کے خیال میں مصر کی فتح اس لیے آسان تھی۔ کہ مصر کے اکثر شہر سُمندر

کے ساحل پر آباد تھے۔ جہاں یورپ کا بحری بیڑہ آسانی سے جا سکتا تھا اور صلیبیوں کو صحرا کی تکالیف کا سامنا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر وہ اپنے مقاصد میں بُری طرح ناکام ہوئے۔ کیونکہ صلیبیوں کے باہمی عناد، حرص اور طمع نے ان میں نسلی امتیاز کے جذبہ کو خوفناک حد تک بھڑکا دیا تھا۔ لہٰذا یہ لاتعداد بحری بیڑہ اور لشکر دونوں مات کھا گئے چونکہ مسلمان حکومتوں میں اتحاد و اتفاق نہ تھا۔ اس لئے وہ شکست خوردہ صلیبی لشکر کا تعاقب کر کے اس شکست کو فیصلہ کُن ہزیمت میں تبدیل نہ کر سکے۔

چھٹا کروسیڈ

یہ اُس بگولے کی طرح تھا جو طوفان باد و باراں لے کر نمودار ہوتا ہے۔ بہت سی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ مکانات گر جاتے ہیں۔ درخت جڑ سے اُکھڑ کر زمین پر آ گرتے ہیں۔ مگر یہ بگولہ جب جلد ہی غائب ہو جاتا ہے۔ تو اکثر اوقات بارش ہو جاتی ہے۔ گرمی کی شدت کم ہو جاتی ہے۔ خُوب ٹھنڈک اور ہر طرف سکون ہو جاتا ہے۔ اسی باد رفتاری سے یہ صلیبی لشکر آیا۔ کچھ شہر اس نے فتح کئے۔ مگر پھر جب وہ خود بخود واپس لوٹ گئے تو مسلم فوجوں نے سب مقامات پر پھر سے قبضہ کر لیا۔

بہر حال یہ مدافعانہ جنگ کی ایک اور کامیاب مثال ہے۔ جس میں قلیل التعداد فوج صبر و استقلال کے بل بوتے پر نہایت طاقتور حریف کو زبردست شکست دیتی ہے۔ پیغمبر اسلام کی حیات مقدس میں غزوہ

خندق کامیاب دفاعی جنگ کی عمدہ ترین مثال ہے مدینہ کے قلیل التعداد جانبازوں نے کفار کے لشکر جرار کو جو اسلام کا استیصال کرنے کے لئے سارے عرب سے اُمنڈ کر آیا تھا بے نیل و مرام لوٹ جانے پر مجبور کیا۔ مغرب نے اس بیش قیمت اُصول کو پہلی جنگ عظیم میں استعمال کیا اور اُسے جدید ترین مغربی دفاعی اُصول کے نام سے پکارا۔

ساتواں کروسیڈ

مُسلم خواتین کا جذبہ جہاد

پہلے کروسیڈوں نے یہ ثابت کردیا کہ مسلم دُنیا نے یورپ کے جرنیلوں سے کہیں بہتر جرنیل پیدا کئے ہیں۔ لیکن اس جنگ نے یہ واضح کردیا۔ کہ مسلم خواتین بھی مشہور ترین غیر مسلم جرنیلوں سے کہیں زیادہ فوجی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھیں اور میدان جنگ میں نہایت جانباز، بیباک، مستقل مزاج اور قابل سالار بن کر دکھلا سکتی تھیں۔

اس کروسیڈ میں ایک مسلم خاتون نے فقط مصر کو نہیں، بلکہ تمام اسلامی دُنیا کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کروسیڈی حملوں سے نجات دلوادی اس قابل فخر خاتون شجرۃ الدر نے میدان جنگ میں اس وقت قدم رکھا۔ جبکہ حالات نہایت ناسازگار تھے۔ خوف و ہراس نے مصری فوج کو بزدل بنا دیا تھا۔ مگر اس مسلم خاتون نے عزم و استقلال، ذہانت اور دُوراندیشی سے تمام دشواریوں پر پورا پورا قابو پالیا۔

وہ میدان جنگ میں شیرنی کی طرح جھپٹی اور اپنے حریفوں کو سیاسی میدان میں مات کر دیا۔ دمیاط کی لڑائی سے قبل مصری امراء و زراء فقط یہ جانتے تھے۔ کہ وہ ایک نہایت ہی حسین کنیز ہے۔ جس نے اپنے حسن و جمال اپنی ذہانت اور خدمت سے مصر کے بادشاہ کے دل پر قبضہ کر کے اپنے تئیں ملکہ بنا لیا تھا۔ البتہ چند وزرا کو معلوم تھا۔ کہ سلطان کو سیاسی معاملات میں بھی ملکہ پر بہت اعتماد ہے اور اسی بنا پر وہ اکثر امور میں ملکہ سے سیاسی مشورہ لیتا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ دمیاط کی بڑی شکست کے بعد مصر کے سپہ سالار اور وزیر اعظم نے نہ صرف ملکہ سے مشورہ لیا بلکہ اس پر عمل بھی کیا۔

صلح کو جنگ پر ترجیح

ملکہ نے فن حرب کو سلطان کے ساتھ رہ کر میدان جنگ میں سیکھا۔ مرحوم سلطان کی زندگی کا بیشتر حصہ میدان جنگ میں گزرا اور میدان جنگ میں شہید ہو کر اس جہان فانی سے کوچ کیا۔ جب ملکہ کو امور سلطنت تفویض ہوئے تو اس نے صلح کو جنگ پر ترجیح دی۔ کروسیڈیوں کے سپہ سالار شاہ فرانس نے صلح کی درخواست کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ وہ گھمنڈ اور غرور کا شکار ہو چکا تھا۔ وہ دمیاط جس پر چھٹے کروسیڈ والے ناکام لوٹے تھے اب یہ شہر بلا کسی مزاحمت کے کروسیڈیوں کے ہاتھ لگ چکا تھا۔ جب ملکہ نے محسوس کیا کہ جنگ اب ناگزیر ہے تو اس نے نہایت سرگرمی سے اس کا آغاز کیا۔ ملکہ نے اسلام کے دفاعی اصول کے مطابق لڑائی کو صرف اس وقت تک جاری رکھنے کا فیصلہ کیا جب تک دشمن جذبات، مروت اور انسانیت سے آشنا ہو کر صلح پر راضی نہ ہو جائے۔ ملکہ

اقتدار کی حریص نہ تھی۔ ورنہ شہزادے کو سلطان بننے کے لئے فلسطین سے جلد از جلد کیوں نہ بلا لیتی۔ اس کا اصلی نصب العین اسلام کی بے لوث خدمت تھی۔ وہ مخلص مجاہد تھی اور اس کے لئے اپنی زندگی وقف کر چکی تھی۔ ملکہ کے جنگی کارناموں سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُصول جہاد اور دفاعی کارناموں سے بخوبی آگاہ تھی۔ اور دوران جنگ میں ان کو پیش نظر رکھتی تھی۔

ملکہ کی فن حرب میں مہارت

ملکہ نے آنحضرت صلعم کے ایک اور دفاعی اُصول پر عمل کیا اور وہ یہ کہ اُس نے کثیر التعداد فوج جمع کرنے کی کبھی کوشش نہ کی۔ بلکہ اپنی فوج کو منظم کرنے کے بعد اس میں دفاعی نقل وحرکت کی صلاحیت کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ تاکہ اس طریقہ سے وُہ جب چاہے اور جہاں چاہے اپنی فوج سے دشمن پر اچانک کارگر حملہ کر سکے۔ ملکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دفاعی اُصول کی بھی پیروی کی۔ جو فن حرب کا اصل اور اُصول ہے۔ کامیاب اسٹرٹیجی کا مقصد یہ ہے کہ کم سے کم لڑائی لڑ کر اپنے دُشمن کو زیر کر لیا جائے یعنی وہ اُصول جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے موقع پر استعمال کئے تھے۔ اسی اُصول کی پیروی کرتے ہوئے ملکہ بجلی کی سی سُرعت کے ساتھ ہر بار اپنی فوج کو اچانک ایسی جگہ لے گئی۔ کہ دشمن حیران و ششدر رہ کر شکست کھا گیا۔ المنصورہ کی لڑائی سے قبل ملکہ نے بحری ملوکوں سے دریائے نیل ہی میں صلیبی

بحری بیڑے کو تباہ کر دیا۔ المنصورہ کی لڑائی ملکہ کی بیباکی، دُور اندیشی اور استقلال کی بہترین مثال ہے۔

اس کے بعد ملکہ سٹرٹیجی کے اُصول کے تحت دُشمن کا محاصرہ کر لیا۔ دُشمن کو نہ تو اب دمیاط سے مدد مل سکتی تھی نہ ہی اُس کے پاس وہاں ٹھہر کر لڑنے کی ہمت تھی۔ کیوں کہ اُن کا سامان رسد ختم ہو چکا تھا۔ اُدھر ملکہ نے دریائے نیل کے بند توڑ کر دشمن کے پڑاؤ کو زیر آب کر دیا۔ جب کہ صلیبی بحری بیڑہ مرعوب ہونے کی وجہ سے دمیاط سے باہر نکلنے کی ہمت وجرأت نہ کر سکتا تھا۔

لیکن جو امر قابل ذکر ہے۔ وہ ملکہ کا اپنے ملک کے باشندوں میں جذبہ جہاد کا پیدا کرنا ہے۔ اُس نے نئی بھرتی شدہ مصریوں کو اس طرح منظم کیا اور ہر شخص کو وہ کام سپرد کیا جس کا وہ اہل تھا۔ مثلاً دریائے نیل کے تمام ملاحوں کو ایک بحری جانباز (کمانڈو) (COMMANDOS) دستے میں منظم کیا۔ اس کے ان جانباز ملاحوں کو نفطہ (GREEKFIRE) کا صحیح استعمال ہی نہ سکھلایا۔ بلکہ اس کو مصر کے لئے ایک مقدس راز بنا دیا۔ اس طرح صلیبی بحری بیڑے، صلیبی فوج اور ان کے میناروں کو روغن نفطہ کو مختلف آلہ جات سے استعمال کر کے تباہ کر دیا اور اس طرح دشمن کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کر دیا۔

مغربی مبصرین نے اس جگہ بھی نسلی تعصب سے کام لیا ہے اور روغن نفطہ کو "یونانی آگ" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ تاکہ عربوں کی ایجاد کے نام

سے کوئی اسلحہ مغربی عوام تک نہ پہنچے اور اس طرح سے مغربی عوام کمتری کے احساسات سے بچے رہیں۔

سلسلۂ نقل وحمل (LINES OF COMMUNICATIONS) :-

روغن نفط کے آتشین گولوں سے ملکہ نے جنگی پالیسی کے اس اُصول پر عمل کیا۔ جسے دُشمن کے سلسلۂ نقل وحمل کو منقطع کرنا کہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر اب صلیبی لشکر دو حصّوں میں منقسم ہو گیا اور یہ دونوں حصّے محصور تھے اور ایک دُوسرے کی کسی قسم کی مدد نہ کر سکتے تھے۔ گو حالات جنگ کو سرسری نظر سے مشاہدہ کرنے والے ملکہ کی بعض دفاعی چالوں کو بیباک اور پُر خطر خیال کرتے ہونگے۔ مگر جب تمام واقعات کو گہری نظر سے دیکھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ ملکہ کے دفاعی منصوبے کی ہر چال بہت ہی صائب تھی، اور جنگی اُصولوں کے صحیح استعمال کی بہترین مثال تھی۔ ملکہ کے اس جنگ کے صدیوں بعد جب نپولین نے اسٹریا کی فتح کے حالات قلمبند کیئے تو اُس نے یہ فخریہ لکھا ہے کہ "میں نے بہت سی اہم لڑائیاں محض نقل وحمل کی خوبی سے جیت لی ہیں۔ اور قابل اور دُور اندیش جرنیل وُہی ہے جو بغیر لڑائی لڑے محض اپنے لشکر کے دفاعی نقل وحرکت سے دشمن کو ایسا مرعوب کر دے۔ کہ وہ بلا لڑے ہتھیار ڈال دے"۔ نپولین کی فتوحات عارضی تھیں۔ مگر ملکہ کی فتوحات فیصلہ کن ثابت ہوئیں۔

مغربی دُنیا ان دفاعی اُصولوں کو نپولین اور پھر امریکی جرنل شرمن

کی اسٹرٹیجی کے نام سے پکارتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ دفاعی اُصول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے وقت استعمال کیا۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ معرکے نپولین اور شرمن سے پہلے وقوع پذیر ہوئے۔ لہٰذا وہ اصل ہیں۔ مغرب نے دفاعی سیاسی اُصولوں (GRAND STRATEGY) کی وہیں سے نقل کی ہے۔ مگر ان کی دیدہ دلیری کا یہ عالم ہے۔ کہ ہماری نقل کرنے کے بعد ہمیں ہی جاہل اور نا اہل کہتے ہیں۔

دفاعی حالات کے جائزے کی اہمیت

ملکہ نے اس کروسیڈ میں یہ ثابت کر دیا۔ کہ ایک قابل اور دُور بین سالار کے لئے جنگ کے حالات کا صحیح اندازہ لگانا ممکن ہے اور اس جائزہ کے بعد عزم، دُور اندیشی، مستقل مزاجی اور بیباکی سے دفاعی منصوبے پر عمل کرنا ضروری ہے۔ ملکہ نے صحیح طور سے دُشمن کے دفاعی منصوبے کو بھانپ لینے کے بعد اپنی دُور بینی سے مصری فوج کے لئے دفاعی منصوبہ بنایا۔ علاوہ ازیں ہر ذمہ دار جرنل کو اس بات کا یقین کر لینا چاہیئے۔ کہ اُس کی فوج ایثار کے جذبہ کے ساتھ جفاکش بھی ہے یا نہیں اور کم سے کم خوراک پر اکتفا کر کے کامیابی سے جنگ کر سکتی ہے یا نہیں۔ لیکن اس بیان سے یہ مُراد نہیں ہے۔ کہ وہ جرنیل کسی وقت بھی اپنی فوج کے خورد و نوش اور دیگر سہولتوں کے مہیا کرنے سے اپنے تئیں بری الذمہ کر سکتا ہے۔ آنحضرتؐ اگرچہ مجاہدین کی رفاقت میں ہر طرح

کی تکلیف اُٹھاتے رہے۔ مگر آپ کا سب سے پہلے یہ کام ہوتا تھا کہ کیا مجاہدین کو خورد و نوش کا سامان مل گیا ہے یا نہیں۔

ملکہ نے اپنے بحری بیڑے اور بری فوج کے گوریلا دستوں کو صلیبیوں کے چاروں طرف پھیلا دیا۔ مگر اُس نے ان کے آرام و آسائش کا پورا پورا انتظام کیا۔ یہ بھی اسلام کے زرّیں اُصول جہاد میں سے ایک ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ یا مہم پر جانے سے پہلے مجاہدوں اور جانوروں کی خوراک کا مکمل انتظام فرماتے تھے جسے نپولین نے ان الفاظ میں دُہرایا ہے" فوج اپنے پیٹ کے بل چلتی ہے" یا یُوں کہیئے کہ بھوکا سپاہی کامیابی سے نہیں لڑ سکتا۔

بہر حال ملکہ شجرۃ الدر کی قابلیت اور شخصیت کا اس امر سے صحیح اندازہ لگ سکتا ہے۔ کہ وہ میدان جنگ میں سخت دل اور سخت جان تھی۔ اُسے ہر مسئلہ کو صحیح دلائل سے جائزہ لینے کا ملکہ تھا۔ وہ انسانی جذبات و احساسات کو سمجھتی تھی۔ مگر جنگ کے بعد پھر اس کا دل نرم ہو جاتا تھا۔ کیونکہ وہ حدیث دفاع کے اُصول کے بموجب" صلح کو جنگ" پر ترجیح دیتی تھی۔ اس لئے ملکہ نے غزوہ بدر کے قیدیوں کی طرح سے اس کروسیڈ کے شاہی قیدیوں کو بھی گراں بہا فدیہ کے بعد رہا کر دیا۔

مشرقی مورّخین کا اعتراض

بعض مشرقی مورّخین نے ملکہ کے اس طرز عمل پر اعتراض کیا ہے مگر یہ اعتراض ان کی نادانی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ جنگی قیدیوں کو قتل کر کے یورپ کو مزید اشتعال دلانا جنگی نقطۂ نظر سے ضرر رساں ہے۔

صلیبی لشکر ذہنی شکست سے دوچار تھا۔ لہٰذا اب نرم اور فیاضانہ سلوک سے اسے ہمیشہ کے لئے تابع بنایا جاسکتا تھا۔ ملکہ نے اسی اصول پر عمل کر کے صلیبی لشکروں کے سیلاب کا مُنہ کم از کم کئی صدیوں کے لئے مصر سے موڑ دیا۔ آج کی اسلامی دُنیا کو بھی ملکہ شجرۃ الدر ایسی خواتین کی ضرورت ہے۔ جب ہی اسلامی دُنیا آزادی سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔

صلیبی سپہ سالار

صلیبی سپہ سالار اعظم شاہ فرانس نیک، ہر دلعزیز اور اپنے مذہب کا بہت پابند تھا۔ مگر اس میں کئی کمزوریاں نمایاں طور سے موجود تھیں:۔

(۱) وُہ اپنے لشکر میں نظم کو قائم نہ رکھ سکتا تھا۔ شاہ فرانس کا لارڈ لانگ سورڈ کی عرضداشت پر اُس کے ساتھ ہمدردی کرنا مگر اپنے لشکریوں سے انگلستانی لشکر کے چھینے ہوئے سامان کی واپسی پر معذرت ظاہر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے سالاروں پر قابو نہ رکھ سکتا تھا۔

(۲) منصورہ پر پیشقدمی کرتے وقت شاہ فرانس کو اپنی فوج پر پُورا اقتدار نہ تھا۔ کاؤنٹ آف ارتوئی نے بلا سوچے سمجھے اور سپہ سالار سے مشورہ کئے بغیر مصری فوج پر ہلّہ بول دیا اور شکست فاش کھائی۔ یہ لوئی کا بڑا قصور تھا کہ اس نے اپنی ہراول کے ساتھ لگاؤ نہ رکھا اور اسے کچھ معلوم نہ ہوا۔ کہ کاؤنٹ کیا کر رہا ہے۔ یہ محض اتفاق کہیئے کہ صلیبی سپہ سالار ایسے وقت میں آپہنچا اور اپنے لشکر کے تھوڑے سے حصے کو بچا کر لے گیا۔ مگر اس عجلت میں صلیبی اپنا بہت سا سامان مصریوں کے ہاتھ چھوڑ کر بھاگ

گئے۔ سامان رسد صلیبیوں کے لئے نہایت نایاب چیز تھی اور اُس کا بہت بڑا حصّہ مصریوں نے چھین لیا۔

(۳) اس جنگ سے عیاں ہوتا ہے کہ سپہ سالار کو میدان جنگ کے قریب رہنا چاہیئے۔ تاکہ وہ حالات کا مشاہدہ کرتا رہے۔ ۴۵-۱۹۳۹ء کے جنگ عظیم میں انگلستانی فوج ڈنکرک سے اسی لئے جان بچا کر چلی گئی۔ کیونکہ ہٹلر اپنی فوج سے بہت دُور تھا اور اُسے صحیح حالات کا پتہ نہ تھا۔ لہٰذا اُس نے غلط احکامات دئے۔ رُوس سے بھی ہٹلر کو اسی وجہ سے شکست فاش کھانا پڑی کیونکہ وُہ جرمن حملہ آور فوج کی صحیح طور پر رہنمائی نہ کر سکا تھا۔

شاہ لوئی بھی ہمیشہ میدان جنگ سے دُور رہا۔ اسی لئے اُس نے بحری بیڑے اور بری فوج کو مصری اگنی گولوں کی نذر کر دیا۔ اگر وہ خود حالات کا جائزہ لیتا تو بہت ممکن ہے اس جنگ کے نتائج کچھ اور ہوتے۔

(۴) دمیاط کے صلیبی سالار نے اپنے بادشاہ اور اُس کی فوج کی عزم و استقلال سے مدد کرنے کی کوشش نہ کی۔ دمیاط میں صلیبی فوج ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہی۔ اس صلیبی فوج کا عکا کے اسلامی دستے سے مقابلہ کیجئے جو ہر بار سلطان صلاح الدین اعظم کی مدد کرنے کے لئے آگے بڑھا اور اُس نے صلیبیوں کے عقب پر کئی بار کارگر وار کئے۔ دوسری جنگِ عظیم میں رُوسی جانبازوں نے یہی وطیرہ جرمن کی حملہ آور فوج کے خلاف اختیار کیا اور متواتر حملہ کر کے اُسے شدید نقصان پہنچاتے رہے اور آخر کار اس فاتح جرمن فوج کو ایک بھگوڑا فوج بنا دیا ؂

بتیسواں باب

صلیبی افواج کا نظم و نسق

صلیبی لشکر کاؤنٹوں، نائٹوں اور سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ اُن میں سب سے نمایاں کردار نائٹوں کا تھا۔

نائٹ اور اُن کے ضروری اوصاف

نائٹ کون تھے؟ اُن کی نسبی اور معاشرتی تاریخ کیا ہے؟ اس کا جواب سمجھنے کے لئے برصغیر "پاک و ہند" کی تاریخ کا عمیق مطالعہ ناگزیر ہے۔ پاک و ہند میں عرصہ تک راجے مہاراجے حکومت کرتے رہے۔ ہر راجہ کے تحت سردار ہوتے تھے اور ان سرداروں کے اقتدار کا انحصار ان اوصاف پر ہوتا تھا:۔

(۱) "تلوار کا دھنی ہونا۔ شہسواری اُس کا لازمی جزو تھا اور دلیری، عزم، بیباکی، محنت کشی اور جوانمری کے بغیر کوئی تلوار کا دھنی نہ بن سکتا تھا۔

۲- خاندانی شرافت- اس کے ثبوت کے لئے موروثی اراضی یا ایسی زمین کا ہونا ضروری تھا- جو دوسروں سے بزور شمشیر غصب کی گئی ہو، بسا اوقات غیر خاندانی لوگ بھی اپنی تلوار کی طاقت سے برسر اقتدار آجاتے مگر اپنے اقتدار کو قائم رکھنے یا خاندانی کہلانے کے لئے اچھے خاندان میں شادی کرنا ضروری ہوتا تھا- مثلاً راجہ داہر نے مقتول راجہ کی رانی سے شادی کی اور پھر اپنی نسل کو برہمنوں کی مدد سے اونچی ذات کا بنا لیا-

یہی حال یورپ کی آرین اقوام کا تھا- وہ زمانہ جسے قرون وسطیٰ کہتے ہیں- یعنی چوتھی صدی عیسوی سے دسویں صدی تک یورپ میں طوائف الملوکی کا زمانہ تھا- ان چھوٹے چھوٹے علاقوں کے امراء کو اپنے عیش وطرب کے لئے یا ملکی حدود کو بڑھانے کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوتی تھی- لہٰذا یہ ضروری تھا کہ روپیہ جب ضرورت ہو عوام مہیّا کریں- اس روپیہ کی فراہمی کے لئے فوج کی ضرورت ہوتی تھی چونکہ چھوٹے علاقے میں بڑی فوج کا رکھنا مشکل تھا- اس لئے یہ امراء اپنے اپنے اقارب و اعزّہ کو اعلیٰ قسم کے ہتھیار اور زرہ بکتر دیتے تھے تا کہ یہ شاہی ملازم جب کہیں جائے تو اُس کی جان سلامت رہے اور لوگ اُس سے خوفزدہ ہو کر اُسے مُنہ مانگا روپیہ دے دیں- زرہ بکتر نہ صرف ان ملازمین کی اپنی جان کی حفاظت کے لئے ہوتے بلکہ اُن کے گھوڑے بھی سر سے پاؤں تک لوہے میں مستور ہوتے تھے- یعنی جہاں کاری زخم لگنے کا خطرہ ہے- جسم کے اُس حصّے کو فولادی چادر یا زنجیر سے محفوظ کر

دیا جاتا تھا۔ اس طرح سوار اور اُس کا گھوڑا سر سے پاؤں تک ایک چلتا پھرتا فولادی قلعہ تھا۔ لہٰذا ایک ایسا مسلح جوان متعدد بے زرہ بکتر جوانوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اُن کو نائٹ کہا جاتا تھا اور عوام ان کی شکل اور نام سے کانپتے تھے۔

نائٹ اور جنوبی یورپ

نائٹ اپنے آقا کاؤنٹ، ڈیوک وغیرہ وغیرہ کی جیبیں بھرتے تھے اور یہ لوگ نائٹوں کی بہت ہی خاطر و مدارات کرتے تھے۔ شاہ فرانس لوئی ہفتم پہلا بادشاہ تھا جسے پوپ رُوم نے اپنی سیاسی چال کو کامیاب بنانے کے لئے استعمال کیا۔ پوپ نے اُسے ایک طرف تو اسلامی خطرے سے ڈرایا۔ نیز کہا کہ بہت ممکن ہے جو اس کی سلطنت کے قیام کی وجہ سے بے روزگار ہو گئے ہیں۔ اس کے خلاف تلوار اُٹھائیں۔ لہٰذا ان جنگجو لوگوں کو ایسے ممالک میں بھیج دیا جائے۔ جہاں اگر یہ کامیاب ہو جائیں تو نئی حکومتیں قائم کرینگے۔ اور بصورت ناکامی شاہ لوئی اندرُونی خطرے سے محفوظ ہو جائے گا۔ ان نائٹوں کے ساتھ پادری بھی جنوبی یورپ میں آ گئے۔ جہاں کہ اسلامی حکومت قائم تھی۔ جنوبی یورپ کو تو اُنہوں نے اسلامی حکومت کی کمزوری اور طوائف الملوکی کے باعث پہلے فتح کیا اور پھر بتدریج آگے بڑھتے گئے۔ مصر کی علوی حکومت نے یورپ کے اس خطرے کا مُنہ شام اور بغداد کی طرف موڑ دیا۔ پوپ رُوم نے ایک طرف تو یورپ کے بادشاہوں کو یہ مشورہ دیا اور دُوسری طرف اُنہوں نے نائٹوں کو چرچ یعنی مذہبی علما کے

زیر اثر کرنے کا ایک زبردست منصوبہ تیار کیا اور اسکی منظوری بادشاہوں سے لے لی۔

نائٹ اور ان کے فرائض و واجبات

پیشتر اس کے کہ کوئی شخص جو حسب و نسب کے لحاظ سے اچھا ہو۔ اپنے تئیں نائٹ کہلا سکے۔ اُسے ان اوصاف سے متصّف ہونا لازمی تھا۔

(۱) سب سے مقدم امر یہ تھا۔ کہ وہ اپنی شہسواری، شمشیر زنی وغیرہ کے جوہر دکھلا کر یہ اطمینان دلا دے۔ کہ وہ نائٹ کہلانے کا حقدار ہے۔ یہ آزمائش سالانہ کھیل کے میدان یا کسی جنگ کے دوران میں ہوتی تھی۔

(۲) اس آزمائش کے بعد اس اُمیدوار نائٹ کو پوپ یا اُس کے نمائندے کے احکام کے بموجب روزے رکھنے پڑتے تھے۔

(۳) اس کے بعد وہ غسل کر کے ایک خاص نمونے کا کوٹ پہن کر گرجے میں ایک رات اندھیرے میں غور و فکر اور عبادت میں گذارتا۔

(۴) دوسرے دن وہ گرجے کے منبر پر مقدس صلیب کے سامنے ان امور کی قسم کھاتا کہ وہ سچ بولے گا۔ سچائی کی پاسداری کرے گا۔ بیکسوں کی مدد کرے گا۔ رحمدل ہوگا اور اس کا ہر کس و ناکس سے برتاؤ بھدّا نہ ہوگا۔ مذہب کے دشمنوں کے خلاف تلوار اُٹھائے گا۔ آرام طلبی و عیاشی سے پرہیز کرے گا اور اپنے مذہب کی حفاظت کی خاطر بڑے سے بڑے خطرے کا مقابلہ کرے گا۔

(۵) یہ قسم کھانے کے بعد پادری اُمیدوار کے کندھے پر صلیبی دستے والی تلوار سے نشان لگاتا۔ جس سے مُراد یہ ہوتی کہ اس کے ماضی کے گناہ معاف کردئے گئے ہیں۔ ان رُسومات کے بعد وہ شخص منبر پر سے پادری کے ہاتھ سے تلوار اور کانٹے حاصل کرتا۔ پوپ نے بعدازاں یہ رسم بادشاہوں کے لئے بھی لازمی کردی۔ مثلاً بادشاہ اپنی شہزادگی میں پہلے ایک خاصہ بردار (PAGE) مقرر کیا جاتا۔ پھر اسے شاہی نائٹ کے اُمیدوار کا درجہ دیا جاتا اور جب وہ مذکورہ بالا پانچوں شرطیں پوری کرلیتا تو اُسے تلوار اور سونے کے بنے ہوئے کانٹے ملتے۔ یعنی عام اپنے جُوتوں پر لوہے کے بنے ہُوئے کانٹے پہنتے اور سُنہری کانٹے صرف شاہی خاندان کے لئے مخصوص تھے اور خاص خاص افراد اس کے پہننے کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ یہ سب اللہ تعالےٰ سینٹ مائیکل اور سینٹ جارج کے نائٹ کہلاتے تھے اور اب بھی کہلاتے ہیں۔

معاشرہ پر نائٹوں کے اثرات

اب سوال یہ ہے کہ اس نئے فرقے کا سوسائٹی پر کیا اثر ہوا؟

اس نئے طبقے نے یورپ کے آریہ لوگوں میں برہمن (پادری) اور چھتری پیدا کردئے۔ اس نئے فرقہ کے لوگ جو کہ مختلف اقوام پر مشتمل تھے مختلف حکومتوں میں ایک دُوسرے کے خلاف مقابلہ کے لئے نکلتے۔ ان مقابلوں کو دیکھنے کے لئے یورپ کی حسین لڑکیاں جمع ہوتیں اور ہندوستان کی طرح یہاں بھی سوئمبر کی رسم قدرے مختلف صورت میں قائم ہوگئی۔ شروع

شروع میں اپنی محبوبہ کا نام لے کر اکھاڑے میں آتے۔ مگر پادریوں نے
اسے منع کر دیا اور پھر وہ خاموشی سے آنے لگے۔ البتہ اپنی محبوبہ کے
نشانات مثلاً اس کے نسلی نشان کا نمونہ اپنی خود پر لگا کر آتے۔ تاکہ
حاضرین یا اگر وہ حسینہ موجود ہو تو اپنے کے کمالات سے محفوظ ہو سکے
مگر پادریوں نے ان سب رسومات کو بدل کر سب سے مقدس اور
قابل احترام صلیبی نشان کو قرار دیا اور اس طرح یورپ کے نائٹوں
کو کلیسا کا خادم بنا کر ان کی مدد سے بہت زبردست اقتدار حاصل کر لیا۔
جب یہ سینٹ مائیکل اور سینٹ جارج کے نائٹ یورپ سے
چل کر بیت المقدس پہنچے تو وہاں ٹمپلر اور ہاسپٹلر نائٹ تھے جو نائٹوں
میں افضلیت کے دعوی دار تھے۔ لہٰذا مجلس بیٹھی اور اس نے یہ طے کیا
کہ سب سے مقدم ہاسپٹلرز ہیں۔ پھر کے بعد دیگرے ٹمپلر، سینٹ
مائیکل اور سینٹ جارج کے نائٹ ہیں۔ یہ امتیازی درجہ بندی آئندہ
چل کر عناد، حسد اور فساد کا باعث بنی۔
نائٹوں کے فرقہ نے صلیبی جنگوں میں عیسائی مذہب کی نمایاں خدمت
کی۔ مگر واقعات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ پوپ اربن نے مونٹ کلیر مونٹ
کی مجلس عظماء میں جو تقریر کی اُس سے متأثر ہو کر نائٹوں نے مقدس
صلیب کے سامنے بیکسوں کی مدد اور وعدہ کو ایفا کرنے کی قسم کو محض
رسمی قرار دے دیا اور اُنہوں نے آخر کار تحریراً اور تقریراً یہ کہہ دیا۔ کہ
عیسائی کا وعدہ جو کہ وہ بے دینوں سے کرے وقتی ہے اور اس کی پاسداری

کرنا بے سُود اور خام خیالی ہے۔ بہر حال مختصراً نائٹ کے فرائض یہ تھے:۔

(۱) مذہب کی خدمت

(۲) ممالک کی فتوحات اپنے حاکم کے لئے یا اپنی ذات کے لئے۔

نائٹ کو یقین دلایا گیا۔ کہ مذہب کی خدمت قرب خداوندی کا موجب ہے اور بے دینوں کے خلاف لُوٹ مار غارتگری جائز قرار دے دی گئی۔ اسے بتایا گیا کہ موت کے بعد بہشت اور جیتے جی عیش و مسرّت۔

نائٹ بننے کی قسم اور اس میں مذہبی رُسومات کی پابندی نائٹ ہیو دی پیین کی اختراع تھی۔ اس نے علوی خلیفۂ مصر سے ۱۰۸۳ء میں زائرین کے لئے ایک ہسپتال کھولنے کی اجازت لے لی۔ جس کا نام سینٹ جان دی بپٹسٹ تجویز کیا۔ اور پہلے صلیبی جنگ کے دوران ۱۱۱۳ء میں جیرڈ نامی شخص اُس وقت کے نائٹوں کا ماسٹر تھا۔ اُس نے ہاسپٹلرز کے نائٹوں کو منظّم کیا۔ اُس کی تنظیم ان اُمور پر مشتمل تھی۔

نائٹوں کی درجہ بندی

(۱) ماسٹر (MASTER) جو کہ نائٹوں کا سرکردہ لیڈر تھا۔ اُسے بعض معاملات میں مجلس شوریٰ کا مشورہ لینا پڑتا تھا۔

(۲) سنیشل (SENESCHAL) ماسٹر کا نائب تھا۔

(۳) مارشل (MARSHAL) اس کا فرض ہتھیاروں، سامان حرب اور گھوڑوں کی نگرانی تھا۔

(۴) ان تینوں کے بعد مختلف حکومتوں یا صوبوں کے سالار یا امیر تھے۔ جو تت و

احترام کے لحاظ سے فلسطین کا سالار اور حکمران سب سے افضل تھا۔ جو کہ خزانچی بھی تھا اور عکہ بندرگاہ کا حاکم بھی تھا۔ کیونکہ صلیبی نائٹوں کی سب سے اہم بندرگاہ یہی تھی۔

(۵) بیت المقدس شہر کا سالار ہاسپٹلرز نائٹ ہوتا تھا۔ کہ وہ زائرین کی خدمت کرے اور اُن کو ہر قسم کی آسانیاں بہم پہنچائے۔

(۶) طرابلس اور انطاکیہ کے سالار نائٹوں کا رتبہ اُس کے بعد تھا۔ ان کے بعد اسی حلقے میں فرانس، انگلستان، پائٹو، آیرگان، پرتگال، آپولیا اور ہنگری کے نائٹوں کے سالار تھے۔

(۷) ان کے بعد درجہ میں ڈریپیئر (DRAPIER) ہوتا تھا۔ جس کا فرض یہ تھا۔ کہ تمام نائٹ مناسب اور صحیح لباس پہنیں۔

(۸) ان کے درجہ دار ماتحت افسر یہ تھے:۔

(i) مختلف نائٹوں کے اپنے اپنے حلقوں کے سردار اعلیٰ۔

(ii) سالاروں کے نائبٹ اعلیٰ۔

(۹) بڑے حکام نائٹوں کے لئے نہایت وسیع اور آرام دہ محلّات مہیّا کئے جاتے تھے اور بہت فیّاضی سے ملازمین ان کو دئے جاتے اور ہر بڑے افسر کے لئے چار عدد سواری کے گھوڑے ہوتے تھے۔

ہر نائٹ کو تین عدد سواری کے گھوڑے اور ایک سائیس ملتا تھا۔

(۱۰) اُمیدوار نائٹ یعنی جنہوں نے قسم نہ کھائی تھی۔ رُتبہ میں اُن کے بعد آتے تھے۔ مثلاً کاؤنٹ فلک آف آنجو بھی اسی زمرے میں تھا۔ مگر بادشاہ بننے پر اُسے باقاعدہ طور سے رسم اور قسم کے بعد نائٹ بنایا گیا۔

(۱۱) اس امتیازی درجہ بندی کے نچلے درجہ میں سارجنٹ اور خُدّام وغیرہ تھے۔

لباس نائٹوں کی بلموں کے جھنڈوں پر سُرخ رنگ کی صلیب تھی اور سارجنٹوں کے لئے سیاہ صلیب اور خادموں کے لئے بادامی رنگ کی صلیب ہوتی تھی ——— مگر ہر صلیبی ایک بڑا نمایاں سُرخ صلیبی نشان اپنے لباس پر آویزاں کرتا تھا۔

تینتیسواں باب

جہاد اور صلیبی جنگوں کا موازنہ

قبل ازیں تحریر کیا جا چکا ہے کہ کروسیڈ درخقیقت جہاد کے فلسفہ کی بھونڈی نقل تھی۔ بالفاظ دیگر مسیحی ترتیب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کروسیڈ یا ایسے احکام کا کہیں اعلان نہیں کیا اور درخقیقت یہ نظریہ فلسفہ جہاد کی طرح ارشادِ ربانی نہیں ہے۔ بلکہ مسیح علیہ السلام کی وفات کے صدیوں بعد کروسیڈ کا فلسفہ ظہور میں آیا۔ اس کے برعکس اصل مسیحی مذہب میں ترکِ جنگ اور قیام امن کے پُرزور احکام ملتے ہیں۔

مسیحی مذہب حضرت میکاہ، اور حضرت یسعیاہ کی تعلیم سات سو برس تک بہرے کانوں سے ٹکرا کر واپس آتی رہی اور بنی اسرائیل کی حالت نہایت سرعت سے بگڑتی چلی

گئی۔ کیونکہ ان میں اخلاقی بُرائیاں جڑ پکڑ گئی تھیں۔ اس لئے انہیں دُور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السّلام کو مبعوث فرمایا۔ حضرت مسیح علیہ السّلام انجیل میں یُوں فرماتے ہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ میں توراۃ یا سابقہ نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں بلکہ منسوخ کرنے کی بجائے ان کو پُورا کرنے آیا ہوں۔ مَیں تم سے سچ کہتا ہوں۔ کہ جب تک زمین و آسمان نہ ٹل جائیں۔ توراۃ کا ایک نقطہ یا شوشہ بھی پُورا ہوئے بغیر نہ ٹلے گا۔ پس جو کوئی ان چھوٹے چھوٹے حکموں میں سے کسی کو توڑے گا اور آدمیوں کو ایسا کرنے کی ہدایت کرے گا۔ وُہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائیگا۔ .....(متی)

پس دینِ مسیحی ایک الگ دین نہیں ہے۔ بلکہ درحقیقت وُہ یہودی مذہب کا ایک جزو یا زیادہ صحیح الفاظ میں اُس کا تتمہ ہے۔ لہٰذا مسیحیت میں جنگ، صلح، حکومت، سیاست، تعزیرات وغیرہ کے متعلق وُہی احکام دیئے گئے جو توراۃ میں مذکور تھے۔ مندرجہ ذیل وجوہ و اسباب کی بنا پر توراۃ کے ان احکام پر عمل نہ کیا گیا:۔

(۱) حضرت مسیح علیہ السّلام کو صرف چند سال اپنے مشن کو پُورا کرنے کے لئے ملے اور یہ سارا زمانہ حضرت مسیح علیہ السّلام نے بنی اسرائیل کی اخلاقی اصلاح میں صرف کیا۔ کیونکہ اُس کی سخت ضرورت تھی۔

(۲) یہودی، صبر، حلم، عفو، دیانت، زُہد و قناعت، راستبازی، سیر چشمی، خدا ترسی اور ایثار جیسے اہم اخلاقی مذہب سے نا آشنا

ہو چکے تھے۔ یہ فضائل اخلاق دینداری کی رُوح ہیں اور دیندار
بذاتِ خود انسانیت کی جان ہے۔ اس لئے مسیح علیہ السّلام نے
اپنی پُوری طاقت انہی نقائص کو دُور کرنے میں صرف کر دی۔ لیکن
مسیح علیہ السّلام کے اس دُنیا سے اُٹھ جانے کے چند سال بعد ان
تمام اُصول و قواعد کو یک لخت منہدم کر دیا گیا۔ جن پر اُنہوں نے
اپنی تجدید اور اصلاح کی بنیاد رکھی تھی۔ دراصل مسیحی مذہب ایسا
بدل گیا۔ کہ دُنیا میں اصل مذہب کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

اصل مسیحی مذہب کو یکسر بدل دینے والا پولوس (سینٹ پال)
تھا۔ پولوس حضرت مسیح علیہ السّلام کی زندگی میں اور ان کے انتقال
کے کم از کم چھ برس بعد تک حضرت مسیح علیہ السّلام کی دعوت کا شدید
دُشمن تھا اور چونکہ سینٹ پال حضرت مسیح علیہ السّلام کا صحبت یافتہ
بھی نہ تھا۔ اس لئے ان کی صُحبت میں رہ کر تعلیماتِ مسیح کی اصل رُوح
کو سمجھنے کا اُسے کوئی موقع نہ ملا۔ علاوہ ازیں سینٹ پال نے سینٹ
پیٹر (پطرس) اور سینٹ برناباس جیسے جلیل القدر حواریوں کی
بہت مخالفت کی اور مسیح علیہ السّلام کے دین کی تعبیر و تاویل
بالکل نئے پیرائے سے کی۔ سینٹ پال کی نیت کے متعلق کچھ نہیں
کہا جا سکتا ہے۔ بہرحال حضرت مسیح علیہ السّلام کے دُنیا سے چلے
جانے کے بعد وہ سچے دل سے ان کا پیرو اور مبلغ بن گیا۔

بقول ہنی حضرت مسیح علیہ السّلام نے اپنی زندگی میں صاف

طور سے یہ حکم دیا تھا کہ :-

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کی بھٹکی ہوئی بھیڑوں کے پاس رہنا"

حضرت مسیح علیہ السّلام کی زندگی میں ان کے مبلّغ اور مخاطب سب اسرائیلی تھے۔ لیکن سینٹ پال نے مسیحی دعوت کی حقیقت مسیح علیہ السّلام کی تصریحات اور حواریوں کے علم ویقین وغیرہ سب کو نظرانداز کر دیا اور فیصلہ کیا کہ مسیح علیہ السّلام کی دعوت جملہ اقوام عالم کے لئے ہے اور اس فیصلے کو حق بجانب قرار دینے کی غرض سے یہ دعویٰ کیا کہ مسیح علیہ السّلام کے صلیب پر چڑھنے اور آسمان پر چلے جانے کے بعد آپ نے اپنے شاگردوں کے پاس آکر یہ حکم دیا تھا کہ :-

"تم سب قوموں کے پاس جا کر دعوتِ مسیح دو اور ان کو اپنا شاگرد بناؤ"۔

اس طرح سے مسیحیت شریعت سے الگ ہو گئی۔ تمدّن، معاشرت، سیاست اور اجتماعی انفرادی زندگی کے متعلق تقریباً تمام قوانین منسوخ ہو گئے اور صرف چند رُوحانی اور اخلاقی تعلیمات کے ایک نامکمل مجموعہ کو جو ایک خاص قوم کی اخلاقی حالت دُرست کرنے کی غرض سے وضع کیا گیا تھا۔ اب ایک عالمگیر مذہب بنا دیا گیا۔ جسے پھر مستقل اور دائمی صورت دے دی گئی۔

سینٹ پال نے اس خود ساختہ مذہب کو رُوما اور یونان کی آزاد قوموں میں پھیلانا شروع کیا۔ ابتدا میں اس مذہب کو بہت ترقی ہوئی۔

کیونکہ حکمرانوں کو ایسی رعایا کی ضرورت تھی جو مظالم کو صبر سے جھیلے اور ظالم کا مقابلہ نہ کرے۔ نیرو پہلا حکمران تھا جس نے عیسائیوں پر بہت شاریار ظلم ڈھائے۔ نیرو کے کئی جانشینوں نے بھی بہت ظلم و تشدد سے کام لیا اور بہت سے عیسائیوں کو قتل کیا۔ مگر انہوں نے کوئی مخالفت نہ کی۔

ان حالات کا مسلمانوں کے حالات سے موازنہ

اب ان حالات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے مقابلہ کیجئے۔ عیسائی نیرو کے زمانے میں کئی ہزار کی تعداد میں تھے۔ مگر مقابلہ نہ کیا مگر مسلمان جنگِ بدر میں تین سو تیرہ تھے اور انہوں نے قریش کے خلاف جہاد کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام منجانب اللہ کروسیڈ کے لئے مامور نہ تھے۔ لہٰذا لڑائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے جہاد کا حکم مل چکا تھا۔ اس لئے آپ نے جہاد کا حکم دیا۔

مسیحیت کو اس وقت عروج ہوا۔ جب قیصر روما قسطنطین اعظم نے اس مذہب کو قبول کر لیا اور رومن سینٹ نے یہ قرارداد حسب ضابطہ منظور کی۔ کہ "رومیوں کا مذہب جوپیٹر (JUPITER) کی عبادت نہیں ہے بلکہ مسیح علیہ السلام کی عبادت ہے۔"

گبن کی "تاریخ روم اور اس کے عروج و زوال" اور دیگر مغربی

مورخین کی کتابیں پڑھنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ رُوما کی سلطنت کی سرپرستی سے قبل یہ مذہب تین سو برس تک حد سے زیادہ نرم ہونے کے باعث ظلم و ستم برداشت کرتا رہا۔ مگر حکومت کا مذہب بننے سے مسیحی مذہب نے ایسا رُوپ دھارا جس میں دوسرے مذہب والوں پر اُس نے بے انتہا ظلم و ستم روا رکھا اور اس طرح مسیحیت کے بنیادی اُصولوں کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا اور اب یہ خُداوندی مذہب انسانی تصوّرات کا شکار بن گیا۔ غالباً انہی روایات کی بنا پر پوپ اعظم نے کروسیڈ کو ہر عیسائی کے لئے واجب و لازم قرار دیا۔ دسویں صدی میں مسیحیّت میں ظلم و ستم کے ساتھ حرص و نفس پرستی کو بھی شامل کر دیا گیا۔ یعنی جن انسانی کمزوریوں کو دُور کرنے کی غرض سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دُنیا میں بھیجا گیا تھا۔ وہی مفاسد پھر اُبھرنے لگے۔

اسلامی جہاد

اس میں شک نہیں۔ کہ مسلم بادشاہوں نے مذہب کے نام پر غیر مذہبی جنگیں لڑی ہیں اور ان جنگوں میں مسلم بادشاہوں نے ظلم و ستم بھی کئے۔ مگر ان مسلم سلاطین کے فعل کی ذمّہ داری اسلام پر عائد نہیں ہوتی۔ کیونکہ اسلام کے جُملہ قوانین فطری ہیں۔ اور ان مسلم سلاطین کے فعل کی ذمّہ داری اسلام پر عائد نہیں ہوتی۔ کیونکہ اسلام کے جملہ قوانین فطری ہیں اور ان کی تشریح حدیث میں موجود ہے۔ ان اسلامی قوانین جنگ میں نہ تو غیر طبعی حدود و قیود ہیں جن

کی پابندی ناممکن ہو اور نہ ہی ایسی کھلی آزادی ہے۔ کہ انسان جو چاہے کرے۔ اس لئے پیروانِ اسلام سے جو غیر اسلامی حرکات سرزد ہوئیں وہ دراصل قانون شکنی کی تعریف میں آتی ہیں۔ جنکی ذمہ داری قانون پر عائد نہیں ہوتی۔

مثلاً دمشق کی فتح کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جرنیل لوقا کو جو دمشق کا گورنر تھا۔ سات روز کے لئے امان دی۔ مگر چونکہ لوقا نے عیاری اور شرارت کی تھی۔ اس لئے خالدؓ نے امان کے ایام گذرنے کے بعد اس کی شرارت کی بنا پر اُسے سزا دینا چاہی اور اُسے اس مقام پر جا گھیرا جہاں وہ قیصر ہرقل سے صرف دو فرسنگ دُور تھا۔ خالدؓ نے لوقا اور جرنیل ہربیس اور اُس کے ساتھیوں کو سخت سزا دی۔ مگر جب خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر ملی۔ تو خالدؓ جیسے جلیل القدر جرنیل کو اسلامی لشکر کی سپہ سالاری کے عہدے سے علیٰحدہ کر دیا۔ کیونکہ خالدؓ کا جرم یہ تھا۔ کہ آپ نے انتقام کے جذبے میں مجاہدین کو نہایت سخت خطرے میں ڈالا۔ خالد رضی اللہ عنہ کی خوش قسمتی تھی۔ کہ وہ اس مہم سے نہایت کامیاب لوٹے ورنہ معلوم نہیں اور کیا سزا ملتی۔ جب تک خلفا قوت و شوکت کے حامل رہے۔ اسلامی قوانین جنگ کی سختی سے پابندی کی جاتی رہی اور خلاف ورزی کرنے والوں کو بلا امتیاز عہدہ، نسل، اور رنگ قانونی سزا دی گئی۔

مغربی مبصرین کے افکار و آراء

اب مغرب کے مشہور دفاعی مبصرین کے بیانات درج کرنا ضروری ہے۔ تاکہ واضح ہو کہ کیا کروسیڈ کے لفظ کو وہ بھی ایسا ہی کامیاب اور مفید سمجھتے ہیں۔ جیسا ہمارے بہت سے لیڈر سمجھتے ہیں۔

"جرنل ڈوگر اپنی مشہور کتاب "پیٹرن آف وار" میں یوں رقمطراز ہے:-

فوجی مستقر کی اہمیت

اگر صلیبی لشکر دمشق پر قبضہ کر لیتے تو یقیناً وہ نہ صرف اپنی طاقت کو مضبوط بنا لیتے بلکہ دشمن کی قوت کو بھی ایک کاری ضرب لگاتے اور دشمن کی طاقت میں نمایاں کمزوری کے باوجود کے میدان جنگ میں صلیبی لشکر کو شکست فاش کا سانحہ پیش نہ آتا اور تمام دنیا کی تاریخ آج بہت ہی مختلف ہوتی۔ اسلام اپنے مشرقی صحراؤں میں محدود ہو کر مفلسی اور ناداری کے باعث خود بخود مٹ جاتا۔"

"ایک قلعہ کو جو فوجی نقطہ نظر سے بہت اہم ہو اور اُسے آسانی سے فتح کیا جا سکتا ہو نظر انداز کر دینا یا ایسے مفتوح قلعہ کو اپنے ہاتھ سے کھو دینا سیاسی اعتبار سے انتہائی ضرر رسان ہے۔" دراصل یہ دفاعی غلطی قیصر ایلکسیس۔ کاؤنٹ بوہیمانڈ اور ریمانڈ آف تولوش کے باہمی حسد کی وجہ سے ہوئی۔ کیونکہ ہر ایک کو یہ خوف لاحق تھا۔ کہ جو شخص دمشق پر قابض ہو گیا وہ دُوسروں سے بہت زیادہ طاقتور ہو

جائے گا۔ یہ سیاسی رسّہ کشی اور اعتماد کا فقدان بہت ہی مہنگا ثابت ہوا۔

مورّخ گبن کے افکار و خیالات

سلطنت رُوما کے مشہور مورّخ ایڈورڈ گبن نے صلیبی جنگوں (کروسیڈ) پر حسب ذیل خیال آرائی کی ہے۔ "صلیبی جنگوں کی تہ میں ایک وحشیانہ مذہبی جنون کارفرما تھا"۔ اور اس بنیادی اُصول کے اہم ترین اثرات، اسباب و وجوہ اور اُس کے نتائج عین اُس کے مطابق تھے۔ ہر صلیبی لشکری یُونان سے تبرکات اور فلسطین سے مال و زر جمع کر کے واپس لوٹنے کا متمنی تھا۔ لُوٹ کی ہر چیز کو تبرک قرار دے کر ان کے متعلق معجزات اور الہامات کے قصّے گھڑ لئے گئے تھے۔ تاکہ کروسیڈ سے واپس جا کر ان اشیاء کی تجارت سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کیا جا سکے۔

اس طرح عیسائیوں کے عقائد ان نئے نئے افسانوں کی وجہ سے فاسد ہو گئے تھے اور ان کی عملی زندگی میں اوہام پرستی شامل ہو چکی تھی۔ بھیک مانگنے والے پادریوں کے فرقوں، نفس پرستی اور بُت پرستی کی انتہا نے ادارۂ تحقیق قائم کر دیا۔ یہ سب صلیبی جنگوں کے اثرات و نتائج تھے۔ لاطینیوں کی عملی رُوح کے اثرات نے عیسائی مذہب اور ان کی قوتِ ارادی کو بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا۔ ان اثرات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اگر ہم نویں اور دسویں صدی کو تاریکی کا زمانہ کہتے ہیں۔ تو تیرھویں اور چودھویں صدی کو ہم بجا طور پر دروغ باقی، جہالت،

فضولیات اور توہم پرستی کا زمانہ کہنے میں حق بجانب ہیں۔

جرنل فلر اور کرو سیڈ

جرنل فلر حکومت برطانیہ کے بہت ہی مشہور اور قابل جرنیل ہیں۔ جنہوں نے نہ صرف ٹینک کے ایجاد کرنے میں حصہ لیا بلکہ ۱۹۱۸ء میں اُس نے ٹینکوں کو جرمنوں کے خلاف کامیابی سے لڑایا۔ دیگر ایجادات اور خاص کر ٹینکوں کا طریق جنگ فلر کا مرہونِ منت ہے۔ یہ جرنل برطانیہ کے بہترین دفاعی مبصرین و مورخین میں سے ہیں۔

عالمگیر جنگ ثانی میں جب فلر اور چرچل میں جنگ کے دفاعی منصوبے خاص کر ٹینکوں کے استعمال پر چل گئی تو فلر کو مجبوراً پنشن پر آنا پڑا اور پنشن پا کر فلر نے بہت سے مغربی جرنلوں کی طرح سے فوجی پالیسی اور طریق جنگ پر قلم کو حرکت دی اور اس طرح اپنے قومی جذبات و احساسات کی ترجمانی کی۔ ان کی کتاب عالمگیر جنگ ثانی سے چند فقرے قلمبند کئے جاتے ہیں۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۴۸ء میں چھپی تھی۔ فلر تحریر کرتے ہیں:۔

”آجکل سائنس کا دور دورہ ہے۔ اخلاق پست ہو چکے ہیں حکمت عملی کا دیوالہ نکل چکا ہے اور اس کی جگہ افراط و تفریط نے لے لی ہے جو تمام دُنیا کو ایک اور ہولناک ترین جنگ کی طرف دھکیل رہی ہے اسلحہ میں کمی کی بجائے اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ مہلک آلات اور تباہی کی تلاش و تحقیق کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے۔

جو اس بات کا یقینی ثبوت ہے۔ کہ قیام امن کے لئے ہم نے ابھی تک کوئی بھی نتیجہ خیز قدم نہیں اُٹھایا ہے۔"

فرانسس نیلیس اور کروسیڈ

مسٹر فرانسس نیلیس اپنے روزنامچے مکتوبہ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۳۵ء میں لکھتے ہیں۔ "اس دفعہ ہمیں حقیقی کروسیڈ کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ ۱۹۱۴ء کے صلیبی جنگ (مقدس) سے کافی حد تک مختلف ہو گی۔ وہ جنگ مقابلتاً آسان تھی۔ کیونکہ جرمن فوجوں کی شکست کے ساتھ اس حکومت کے نظریہ کا بھی خاتمہ ہو گیا تھا۔ اس جنگ کے بنیادی اسباب و محرکات سب کو معلوم ہیں۔ مگر ہٹلر کو منانے کے لئے یہ جنگ اس وقت تک یقیناً جاری رہے گی۔ جب تک نازیت کے آمرانہ نظریات رکھنے والا ایک شخص بھی زندہ ہے۔

جب پہلی کروسیڈ کے لیڈر گاڈفری نے بے دینوں (مسلمانوں) کو ذبح کرنے کا عزم کیا تو بہت سے لوگوں کو یقین تھا۔ کہ مسلمان پر غلبہ پانا نہایت آسان ہو گا۔ کیونکہ رضائے الٰہی تو ہر حال میں عیسائیوں ہی کے ساتھ ہو گی۔ مگر عیسائیوں کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور نتیجہ یہ نکلا کہ ایک نہیں بلکہ کئی صلیبی جنگ لڑنے پڑے اور بقول ارنسٹ بکر وہ صلیبی جنگیں بحیثیت مجموعی ناکام ثابت ہوئیں اور ان کے نتائج خاطر خواہ نہیں نکلے۔ کیونکہ بجائے اس کے کہ مغربی عیسائیت مشرق پر قابض ہوتی۔ اُلٹا اسلامی مشرق نے مغرب پر اقتدار حاصل کر لیا۔

گو دورِ حاضر کے صلیبیوں کے لئے (مذکورہ بالا بیان) بہت مایوس کُن ثابت ہوگا۔ لیکن بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ ٹیوٹینک سلطان صلاح الدین (یعنی ہٹلر) کے خلاف چیمبرلین اور دلادیر نے جو کروسیڈ شروع کر رکھی ہے۔ وہ پہلے کروسیڈ سے کہیں لمبا عرصہ لینے کے باوجود انتہائی مہلک اور تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے اور شاید یہ عظیم قربانی آمریت پسند ڈکٹیٹروں کی حرص و آز کو مٹانے میں ذرّہ بھر بھی کامیاب نہ ہوگی۔ یہاں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے۔ کہ بارہویں صدی میں صلاح الدین کے نمودار ہونے سے پیشتر بھی دُنیا کو اسی قسم کے انسانوں سے سابقہ پڑ چکا تھا اور صلاح الدین اس طرز کا اکیلا انسان نہ تھا۔

صلیبی جنگوں کا تاریک پہلو کروسیڈ کا بدترین پہلو یہ ہے۔ کہ ان کے نظریاتی اغراض و مقاصد کی وجہ سے ہر اُس قدم کو جو حصول مقصد کے لئے اٹھایا جائے خواہ وہ کتنا ہی ظالمانہ اور وحشیانہ ہو۔ حق بجانب قرار دے دیا جاتا ہے مثلاً ۱۱۹۳ء میں لاطینی کونسل نے کانٹے دار تیر و کمان کو ایسا ہتھیار قرار دیا تھا۔ جو خدا کو ناپسند اور عیسائیوں کے قابل نہ تھا۔ اس کے استعمال کی سزا مذہب سے اخراج تھا۔ لیکن مسلمانوں کے خلاف اسے استعمال کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اس لئے تیس ۳۰ سالہ جنگ میں جس میں عام لوگوں کو شدید مذہبی پروپیگنڈے سے متأثر کر کے

لڑائی میں حصّہ لینے پر تیار کیا گیا تھا۔ صلیبی جانبازوں کو تاکید اً کہا گیا تھا۔ کہ وُہ اپنے حریفوں کو زیادہ سے زیادہ اذیّت ناک طریقے سے ہلاک کرنے کو اپنا مقدّس فرض اور مذہب کے بقاو دوام کے لئے ضروری تصوّر کریں ——— تقریباً یہی نقطہ نظر ہمیں جنگِ عظیم ثانی میں ملتا ہے۔ کیونکہ یہ عالمگیر جنگ اور اُس کے مخالف اُصولوں کے درمیان لڑی گئی۔ لہٰذا ایک گروہ کے فرقہ دارانہ نظریات کے تحت رُوسیوں نے شہر کیش میں دس ہزار سے کہیں زیادہ پولش افسروں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اور دوسرے مقبوضہ علاقوں کے ہزاروں باشندوں کو تباہی اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ اسی طرح جرمنوں نے نسلی امتیاز کے نظریے کی بنا پر لاکھوں یہودیوں کو نیست و نابود کر دیا اور کئی ہزار قید خانوں میں سڑنے کے لئے بھیج دئے۔

حسب عادت چرچل نے سالہا سال تک اسٹالن اور اُس کے نظریات کے خلاف آواز بلند کرنے کے باوجود جنگ عظیم ثانی میں اپنی عظیم شخصیت اور قوت کو اسٹالن کے طاقتور دشمن ہٹلر کے مٹانے میں صرف کر دیا۔ اور اس طرح امریکی امداد سے چرچل نے رُوس کے لئے مشرقی یورپ کے دروازے کھول دئے ——— اس سے ہم کو یہ سبق ملتا ہے۔ کہ اگر ہم جنگ کی بُنیاد ایسے نصب العین پر نہیں رکھتے۔ جو کہ سیاسی حکمت عملی کے لحاظ سے دانش مندانہ صائب و قابلِ عمل ہو تو ہم ایک ایسے غار میں گرتے ہیں۔ جس کی بنیاد دیوانگی

اور حماقت وسفاکیت پر رکھی ہوئی ہوتی ہے۔

لہٰذا ایسے سیاسی نظریات جو ان اوصاف کے حامل نہ ہوں۔ کسی طرح قابلِ التفات نہیں ہیں۔ ہٹلر کے مقاصد دانشمندانہ صائب اور قابلِ عمل تھے۔ جاپان کے مقاصد صائب اور دانشمندانہ تو تھے۔ مگر قابلِ عمل نہ تھے۔ مگر دونوں نہایت ہی غیر منصفانہ تھے۔ مگر با ایں ہمہ وہ ماضی کے آمریت پسند بادشاہوں اور دوسری اقوام کے غاصبانہ خواہشات سے زیادہ ظلم وجور پر مشتمل نہ تھے۔

اس میں شک نہیں کہ دانش مندی پر مبنی مقاصد و منصوبے کے حصول میں بعض اوقات وحشیانہ ذرائع اختیار کرنے پڑتے ہیں مگر جذباتی ومجنونانہ مقاصد کے حصول کے لئے ہمیشہ شدید بربریت کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔ انہی وجوہات کے باعث کروسیڈ اور سیاسی خانہ جنگی اخلاق کے لئے تباہ کن اور جان ومال کے لئے بربادی کا موجب بنیں۔ اسی لحاظ سے دوسری جنگِ عظیم بھی کروسیڈ اور سیاسی خانہ جنگیوں کا درجہ رکھتی ہے۔"

فرانسیسی مورخ ڈلاڑون کبیر کی کتاب "تاریخ دولت عثمانیہ" سے ہم کچھ اقتباس پیش کر رہے ہیں۔ تاکہ آپ مفصلہ بالا افکار و نظریات کو ایک فرانسیسی مورخ کے قلم سے پڑھیں۔ اس کا ترجمہ مکرمہ ڈیوک پکتھال نے کیا تھا۔

۱۰۹۶ء۔ صلیبی لڑائیاں | یہی وہ زمانہ تھا۔ جبکہ مشرق و

مغرب میں از سر نو کشمکش کا آغاز ہوا۔ لیکن اس مرتبہ اسلام کو اپنی مدافعت کرنی پڑی، اور "خدا کی یہی مرضی ہے" (DEUS VULT) کا نعرہ لگا کر صلیبی سپہ سالاروں نے عیسائی لشکریوں کو اسلامی غازیوں کے دوبدو لا کھڑا کیا۔ ہارون الرشید نے رومی بادشاہ شارلمین اعظم کو بیت المقدس کی کنجیاں تحفے کے طور پر عطا کی تھیں۔ شام کے عیسائیوں کے نزدیک اس کا سبب خلیفہ بغداد کی خوش اخلاقی نہ تھا۔ بلکہ وہ رومی بادشاہوں کو اپنا حقیقی محافظ سمجھتے تھے ان بادشاہوں کے سامنے وہ اپنی تمام شکائتیں پیش کرتے تھے اور اپنے کلیساؤں کو واگذاشت کرانے اور زائرین کی حفاظت کیلئے انہی سے مدد مانگتے تھے۔

جب شام نے قاہرہ کے سامنے سر خم کر دیا تو اس وقت ہارون الرشید کا تحفہ اور شارلمین سے اس نے جو جو معاہدے کئے تھے وہ سب منسوخ ہو گئے۔

پوپ سلویسٹر ثانی کا مراسلہ

سنہ ۱۰۰۲ء میں پوپ سلویسٹر ثانی نے تمام عیسائی بادشاہوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کی دعوت دی اور ترکوں کے قسطنطنیہ کی فصیلوں تک پہنچ جانے پر گریگوری ہفتم نے عیسائیوں کو "مقدس جنگ" کے لئے مدعو کیا تھا۔ اور یورپ کے بادشاہوں کے نام یہ مراسلہ بھیجا تھا:۔ "عیسائیوں نے سمندر پار سے مجھے مدد کیلئے کہلا بھیجا ہے کہ عیسائی مذہب ان کے ملکوں میں بالکل نیست و نابود نہ ہو جائے۔ میرا غم و غصہ اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ میں اپنی موت کی دعائیں مانگتا ہوں۔ اسلئے میں ان لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ

دینے پر مر جانے کو ترجیح دیتا ہوں اور میں تمام عیسائیوں کو قسم دیتا ہوں۔ کہ وہ مسیح ابن مریم کے مذہب کی مدافعت کریں اور اپنے دینی بھائیوں کے لئے جانیں قربان کر دیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرانسیسیوں اور اطالویوں کو میرا مشورہ ماننے پر آمادہ کر دیا ہے اور پچاس ہزار سے زیادہ عیسائی اس شرط کے ساتھ ہتھیار سنبھالنے پر بالکل تیار ہیں۔ کہ اس مہم میں مَیں ان کا سپہ سالار بنوں۔ لیکن پوپ کو صلیبی لڑائیوں کے شروع کرنے اور کروسیڈیوں کی سپہ سالاری کا فخر حاصل نہیں ہوا۔ جب مقدس جنگ کے خیال نے لوگوں کے دلوں میں جگہ کر لی اور جب ہر شخص کو یقین ہو گیا کہ مشرق میں جا کر لڑنا ان کا فرض ہے تو صرف ایک راہب کی آواز ایشیائی علاقوں پر جنگ و جدال کے دروازے کھول دینے کے لئے کافی تھی۔

مقدس جنگ اور سیاست عوام الناس کے لیے صلیبی لڑائیاں صرف مذہبی لڑائیوں کی حیثیت رکھتی تھیں لیکن بادشاہوں کے لئے وہ جتنی مذہبی تھیں اُسی قدر سیاسی بھی تھیں۔ وُہ اچھی طرح سے سمجھتے تھے۔ کہ مغرب کو مسلمانوں کے حملے سے بچانے کے لئے مشرق کے ایک حصّہ کو فتح کر لینا اشد ضروری ہے۔

پوپ اربن ثانی پوپ اربن ثانی کلیرماؤنٹ کی کونسل میں فرانسیسی اُمراء (ڈیوک اور نائٹ) کو مخاطب کر کے تقریر کرتے ہُوئے چلا اُٹھا تھا:۔ "اے پہاڑوں کے اُس پار کی اقوام! اے خدا

کے پیارے اور نوازے ہُوئے لوگو! جس کا ثبوت تمہارے کارہائے نمایاں ہیں۔ تم اپنے مذہبی جذبہ اور عقیدت کے باعث کلیسا کو محفوظ کئے ہو۔ تمام قوموں میں سب سے زیادہ ممتاز قوم! خدا کرے تمہارے دلوں میں تمہارے آباؤ اجداد کی یاد تازہ ہو جائے۔

مسلمانوں نے تمہارے قدیم ممالک پر حملہ کیا۔ اگر تمہارے آباؤ اجداد اس موقع پر شجاعت و بہادری کے جوہر نہ دکھاتے۔ تو آج یورپ میں اسلامی شریعت کے پھریرے اُڑتے ہوتے۔ ان کی فضیلت و عظمت کو مت بھولو۔ اُنہوں نے مغرب کو غلامی سے بچا لیا۔ اب تم ایشیا والوں کے ساتھ یورپ والوں کو بھی بچاؤ گے"۔

یونانی اقوام کا لاطینی لشکریوں سے سلوک

فاتح صلیبیوں نے فلسطین میں عیسائی ریاستیں قائم کر لی تھیں۔ یروشلم اور انطاکیہ کے علاقے اور اڈیسہ اور طرابلس کے اضلاع بھی انہیں میں داخل تھے۔ لیکن ان کی حیات چند روزہ تھی۔ اگرچہ ان کی تباہی اور بربادی کے متعدد وجوہ و اسباب ہیں۔ مگر سب سے بڑی وجہ بازنطینی حکومت کی غداری اور بیوفائی ہے۔

الیکسیس کومنیس نے متواتر مغربی محاربین سے امداد کی درخواست کی تھی اور کاؤنٹ آف فلانڈرس کو جو مراسلات اُس نے بھیجے تھے۔ اُس میں سیاسی اور مذہبی مباحث کے علاوہ اور دلیلیں بھی پیش کی گئی تھیں۔ جن کی نسبت اُس کو یقین تھا کہ لاطینی سرداروں کے عزم و ارادہ

پران کا قطعی اور یقینی اثر پڑے گا۔ وہ یہ تھیں :۔
(۱) ان ملکوں میں شہد برستا ہے۔ (۲) وہاں سونے کی نہریں بہتی ہیں۔
(۳) تم وہاں یونانی عورتوں کو اپنے تصرف میں لا سکو گے۔ جو دنیا میں
سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت ہیں اور جو تمہارے کارہائے
نمایاں کا بہترین صلہ ہونگی۔
لاطینی اقوام کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ رومی (یونانی) کس حد تک فریب،
جھوٹ اور مکاری سے کام لے سکتے ہیں۔ اس کا اندازہ ان کو اس
وقت ہوا۔ جب پانی سر سے گذر گیا۔ مرکزی اتحادی فوج نے جس میں
صرف فرانس اور اطالیہ کے نارمن لوگ تھے۔ مقدونیہ اور اپیرس
(EFIRUS) میں بزور شمشیر اپنا راستہ پیدا کیا۔ لیکن جب ایلکسیس (قیصر
روما) نے ان ہیبت ناک بہادروں کو اپنے دارالحکومت کی دیواروں کے
نیچے خیمہ زن دیکھا تو اس نے دوستی اور شکر گزاری کی نمائش شروع کر
دی۔ نائٹوں پر تحفے تحائف کی بھرمار کر دی گئی اور یہ لوگ آسانی کے
ساتھ اس مکار قیصر کے فریب میں آ گئے۔

روما کے یونانیوں کی دغابازی

سنہ ۱۱۲۲ء میں جب کروسیڈی
عیسائیوں نے عمادالدین زنگی
کے علاقے پر حملہ کیا تو عمادالدین نے ان کو شکست دے کر ڈیسہ کو تباہ کر دیا۔
دوسرا صلیبی حملہ جس کی کمان پر لوئی ہفتم شاہ فرانس اور کانراڈ شاہ
جرمنی تھے۔ روما والوں کی بد اخلاقی کی وجہ سے ناکام رہا۔ اس ذلیل قوم

کا اخلاقی معیار اس قدر پست ہو گیا تھا۔ کہ ایک رومی مورّخ نے اپنی قوم کی اخلاقی گراوٹ کی ان فخریہ الفاظ میں تعریف کی ہے۔ کوئی ایسا فعل شنیع نہ تھا جس کو بادشاہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے ایک نظیر قائم کرنے کی غرض سے خود نہ کرتا ہو یا صلیبیوں کو اس کے کرنے پر مجبور نہ کرتا ہو۔

مغلوں کا حملہ اور خلافت بغداد کی تباہی کے یورپ پر اثرات

مغلوں کے حملے اور غارتگری کی مصیبتوں نے فلپ آغسطوس اور رچرڈ شیر دل کے زیر سایہ ایک تیسری صلیبی لڑائی کا راستہ صاف کر دیا۔ لیکن صلیبیوں نے اب انہی یونانیوں کو اپنے مقصد میں سدّ راہ پایا۔ رومیوں کی غدّاری کے باعث جرمنی کی ایک فوج جس کا سپہ سالار شاہ فریڈرک باربروسا پر تھا۔ ایشیائے کوچک میں بالکل تباہ ہو گئی۔

اس واقعہ سے پہلے قسطنطنیہ میں جو لاطینی باشندے آباد ہو گئے تھے۔ ان کو بلوائیوں کے ایک گروہ نے جن کے سرغنہ پادری لوگ تھے ہلاک کر دیا تھا۔ عورتیں اور بچے بھی ان کے ہاتھ سے جانبر نہ ہو سکے اور جو بد قسمت لوگ بچ کر بھاگ نکلے تھے اور جن کی تعداد چار ہزار تھی۔ ان کو بھی گرفتار کر کے ترکوں کے ہاتھ بیچ دیا گیا۔ (سنہ ۱۱۸۲ء) ——— شاتوبریاں کا قول ہے کہ:۔ دنیا میں ایسے بادشاہ پائے جاتے ہیں۔ جو اپنی حرکات سے بادشاہی کو شرما دیتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بادشاہوں کی اس ناخلف اولاد کے متعلق جو عیسائیت یونان و روما کے نام پر بٹہ لگا رہی تھی۔

اس سے زیادہ صادق الحال کوئی فقرہ کبھی نہیں کہا گیا تھا۔

وہ ناقابل بیان برائیوں اور اخلاقی خرابیوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ اور اس پر طرّہ یہ ہے۔ کہ یہ بادشاہ جو مرنا نہیں جانتے تھے وہ یہ بھی نہ جانتے تھے۔ کہ حکومت کیسے کی جاتی ہے۔ ان کی سیاست و حکمرانی، ذلت و بداخلاقی پر مبنی تھی۔ ان کے ذرائع مدافعت فریب و دغا اور قتل و غارت پر مشتمل تھے۔ اپنے کو مشرق کا شہنشاہ اور قیصر روما کہتے تھے اور ان کے غرور کا سبب صرف اُن کی حماقت و بزدلی تھی ؂

چونتیسواں باب

اسلام اور دورِ حاضر

آج تیرہ سو برس گذرنے کے بعد بھی اسلام ایک زندہ حقیقت اور طاقت ہے۔ اور یہ بات ببانگ دہل کہی جا سکتی ہے۔ کہ اگر دنیا میں کبھی بھی رُوحانی اور اخلاقی انقلاب آیا۔ تو وہ اسلام کے ہی ہمہ گیر اُصولوں اور مسلمانوں کے لئے ذریعہ آئے گا۔ اس میں شک نہیں ہے۔ کہ دورِ حاضر میں مسلمانوں کا طرزِ عمل اور اطوار ایسے ہیں۔ جن کو دیکھ کر ہماری نظریں شرم سے زمین میں گڑ جاتی ہیں۔

مسلمانوں کے مخالفین دورِ جدید کے مسلمانوں کی اخلاقی کمزوریوں، عناد، نفاق اور طمع اور احساسِ کمتری کو دیکھ کر ان کی جانب سے مُنہ پھیر لیتے ہیں۔ وہ اُن کی ابتری اور تنزل کو اسلامی عقیدے کی کمزوری پر محمول کرتے ہیں۔ اُن کا یہ طرزِ عمل نہایت حیرت انگیز یا یُوس کُن ہے۔

کیونکہ یہ لوگ ایک طرف تو فاضل ہونے کے مدّعی ہیں۔ مگر دوسری طرف دراصل ان کا علم ناقص ہے۔ وہ فن کی اظہار کی جرأت نہیں رکھتے ہیں۔ دورِ جدید کے مسلمانوں کا انتشار اسلامی عقائد کی کمزوری کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ مسلمانوں کی اپنی اخلاقی کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔ ہم یہ بھی تسلیم نہیں کر سکتے ہیں کہ عیسائیوں اور یہودیوں کو جو خوشحالی و اقتدار موجودہ دَور میں حاصل ہے۔ وُہ پادریوں راہبوں یا اسی قسم کے مذہبی راہنماؤں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

اس ضمن میں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اٹھارویں صدی سے قبل کا زمانہ جبکہ یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہبی راہنما برسرِ اقتدار تھے مغربی مورخین اور علما کی نظر میں جہالت و تاریکی کا دور کہلاتا ہے۔ مگر اس کے برعکس مسلمان آنحضرتؐ اور خلفائے راشدین کے عہد کو زرّیں زمانہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس نظریاتی تباین کی وجہ یہ ہے۔ کہ جن ایّام میں مثلاً پادری بااقتدار و باوقار تھے۔ ان کے ہم مذہبوں (عیسائیوں) کو مذہبی آزادی حاصل نہ تھی۔ عیسائیوں میں نہ تو مساوات تھی اور نہ ہی پادریوں کو طمع یا اقتدار کے بھوکے ہونے کے الزام سے بری کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی امامت و بزرگی مگر مسلمانوں کے زرّیں عہد میں ہر مسلم مساوات اخوت اور اخلاقی اطوار سے مالا مال تھا۔ مسلمانوں میں پادریوں کی طرح سے پیشہ ور مُلّا یا بزرگ نہ تھے۔ امامت کسی خاص فرقے یا نسل کے لئے وقف نہ تھی۔ فضیلت و شرافت کا انحصار

نسلی بُنیادوں پر نہ تھا۔ کسی مسلمان کو بہشت کا وعدہ رنگ و نسل بنا پر نہیں دیا جاتا تھا بلکہ وُہ ذاتی قابلیت کی بنا پر اُس کا مستحق ہو سکتا تھا۔ خلیفہ عبدالملک سے ایک دوست نے جو کچھ عرصہ کے بعد آپ سے ملا۔ کہا: "کہ آپ نے بہت جلد ڈاڑھی کے بال سفید کر لئے"۔ اس کے جواب میں خلیفہ عبدالملک نے کہا: "جب سے خلافت کی وجہ سے امامت نصیب ہوئی، اس فکر میں رہتا ہوں کہ کہیں قرآن مجید کی تفسیر میں غلطی نہ کر بیٹھوں۔ اسی فکر کا یہ عطیہ ہے"۔

آیات قرآنی کی رُو سے صرف وُہی شخص امامت کا حقدار سمجھا جاتا تھا۔ جو علم و عمل میں دُوسروں پر فضیلت رکھتا ہو۔ چاہے وُہ مسجد میں نماز کے لئے ہو یا امیر لشکر بننے کے لئے یا پھر خلافت کے لئے۔ اس کی دلیل میں ہم حضرت ابوبکرؓ خلیفہ رسول اللہ وسلّم کا وُہ خطبۂ قلمبند کرتے ہیں۔ جو کہ آپ نے خلافت کے عہدہ کو قبول کرنے کے بعد فرمایا تھا:۔

حضرت ابوبکرؓ کا خطبہ

اَے لوگو! مَیں بھی تمہارے جیسا انسان ہُوں۔ مَیں نہیں جانتا کہ مجھ سے انہی باتوں کی توقع رکھتے ہو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم آسانی سے پُورا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ اللہ نے محمدؐ کو تمام اہلِ عالم کے لئے انتخاب کیا تھا۔ اس لئے اُن کو آفات سے محفوظ رکھا۔ مَیں صرف پیرو ہوں۔ ہادی نہیں۔ اگر مَیں راہِ راست پر گامزن ہُوں تو تم میری اتباع کرنا اگر بھٹک جاؤں تو مجھے سیدھا کرنا،

رُسولِ پاکؐ کی وفات ہوگئی ہے۔ اس اُمّت میں کوئی ایسا نہیں ہے۔ جس کا ذرا سا حق اُن کے ذمّے ہو۔

سُن لو، میرا شیطان مجھے بھٹکانے کے درپے ہے۔ ایسی صُورت میں اگر اُس کے بھرّے میں آجاؤں۔ تو مجھ سے علیحدہ ہو جانا۔ اُس وقت میرا تم پر کوئی حق نہ رہے گا۔ تم ہر وقت موت کے سایہ میں چلتے پھرتے ہو۔ مگر اُس کا وقت تمہیں معلوم نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہ محدُود زندگی نیک کاموں میں بسر ہو۔ مگر یہ بات توفیقِ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔ لہٰذا تم کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ قبل اس کے کہ موت عمل کے مواقع ختم کر دے تم نیک اعمال کر لو۔ بعض قوموں نے اپنی زندگی میں کچھ نہیں کیا اور وُہ دُوسروں کو عمل صالح کے لئے پوری کوشش کرو۔ موت سے ڈرو اور نجات کے طالب بنو۔ موت تمہارا تعاقب کر رہی ہے اور معلوم نہیں کہ وُہ اچانک کب آجائے اُس سے ڈرتے رہو۔ اپنے بزرگوں۔ اولاد اور بھائیوں کی موت سے عبرت حاصل کرو۔ زندوں پر حسد مت کرو۔ بلکہ مرنے والوں سے عبرت حاصل کرو۔ اللہ صرف اُن اعمال کو قبول کرتا ہے۔ جو صرف اُس کے لئے کئے جائیں۔ لہٰذا تم صرف اللہ کے لئے عمل کرو اور سمجھ لو کہ جو کام تم محض اللہ کے لئے کرو گے۔ وُہ اُس کی حقیقی طاعت ہوگی۔ وہ حقیقی کامیابی کی طرف قدم ہوگا اور اصلی متاع ہوگی جو اس دُنیائے فانی میں تم آخرت باقی کے لئے مہیا کرو گے۔ جو تمہاری ضرورت کے وقت کام آئے گی۔

اے اللہ کے بندو! تم میں سے جو مر گئے ہیں۔ اُن سے عبرت حاصل کرو۔ اور جو تم سے پہلے تھے۔ ان پر غور کرو۔ کہ وہ کل کہاں تھے اور آج کہاں ہیں۔ وُہ جابر فرمان روا کہاں ہیں۔ وہ سُورما جن کی شجاعت اور فتحمندی کی داستانیں مشہور ہیں اور جن سے عالم میں تھلکہ مچ گیا تھا ـــــ آج وُہ خاک ہو چکے ہیں اور ان کے متعلق صرف باتیں ہی رہ گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ بُروں کی بُرائیاں ہی مذکور ہیں۔ وُہ بادشاہ کہاں گئے۔ جنہوں نے زمین کو جوتا اور آباد کیا وُہ چل بسے اور آج کوئی اُن کا نام تک نہیں لیتا۔ گویا وہ کبھی تھے ہی نہیں؟ اللہ نے ان کی بداعمالیوں کی سزا میں اُن کو برباد کر دیا۔ اور ان کی تمام لذّتیں ختم ہو گئیں۔ وُہ چل بسے ان کی بُرائیاں باقی رہ گئیں اور ان کی دنیا دُوسروں کے قبضے میں چلی گئی۔ ہم اُن کے جانشین ہوئے۔ اگر ہم اُن کی کامیاب دُنیاوی زندگی سے دھوکے میں آ گئے تو ہماری بھی وہی درگت ہو گی جو اُن کی ہُوئی اور صرف اُن کی بداعمالیوں کی حسرت ان کی دامنگیر رہ گئی ہے

وُہ لوگ کہاں گئے جنہوں نے شہر بسائے اور ان کے گرد فصیلیں بنائیں اور دُنیا کے عجائبات ان شہروں میں جمع کئے۔ وُہ ان سب کو اپنے بعد والوں کے لئے چھوڑ گئے۔ آج اُن کے محل برباد ہیں اور وہ قبر کی تاریکی میں بے نام و نشان پڑے سو رہے ہیں۔ خود تمہاری اولاد اور تمہارے دوست اور اعزّہ کہاں ہیں۔ جن کو موت آ گئی اور اب اُن کو اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی پڑی ہو گی؟

سُن لو! اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وُہ اپنی مخلوقات کے ساتھ بلا سبب بھلائی کرتا ہے۔ اُس کی اطاعت اور حُکم کے اتباع کے بغیر اُس کی مخلوق سے کوئی ضرر دُور نہیں ہوتا اور سمجھ لو۔ کہ تم مقروض غلام ہو اور بغیر اُس کی اطاعت کے تم آزادی حاصل نہیں کر سکتے۔ کوئی بھلائی بھلائی نہیں جس کا نتیجہ دوزخ ہو اور کوئی بُرائی بُرائی نہیں جس کا نتیجہ جنّت ہو۔"

یہ خطبہ ایسا ہے۔ جسے ہر مُسلم حکمران آب زر سے لکھ کر ہر آن اپنے پیش نظر رکھے اور عمل کرے۔ درحقیقت جب سے مسلمانوں نے شرعی عقائد سے دلچسپی لینی چھوڑ دی۔ طمع اور تن آسانی کے باعث علوم اسلامی کو پیشہ ور علماء کے ہاتھوں میں سونپ دیا۔ تو اسلامی دُنیا کا زوال شروع ہوا۔ مسجد کی امامت تک بِک گئی۔ بزرگی مجاوروں کے ہاتھ بیع ہو گئی۔ اجتماعی مفاد کی جگہ شخصی مفاد نے لے لی۔ خُدا فراموشی کے ساتھ جب خود فراموشی بھی مل گئی۔ تو جہاد فی سبیل اللہ کو مسلمان بھُول گئے۔ خلافت تک بِک گئی۔ اور ایک ہی وقت میں تین خلیفہ بن بیٹھے یعنی ایک بغداد میں دُوسرا قاہرہ میں اور تیسرا اُندلس میں ——— مگر یہ خلفا محض نام کے تھے اور مسلمانوں کے لئے باعثِ ننگ و عار۔

شاعر گاتھے (GOETHE) جرمنی کے مشہور و معروف شاعر گاتھے نے جب قرآن مجید کا ترجمہ پہلی بار پڑھا۔ تو بیساختہ پکار اُٹھا:۔ "اگر اسلام یہی ہے تو ہم میں سے ہر ذی شعور انسان

مسلمان ہے۔"

فاضل گبن اور اسلام

مغربی فاضل گبن نے ہمیشہ اسلام کے خلاف قلم اٹھایا۔ لیکن وہ قرآن مجید کی اہمیت سے انکار نہ کر سکا اور یوں (گو بادلِ ناخواستہ) رقمطراز ہوا:۔ "سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کوئی خدا نہیں ہے اور محمدؐ اس کے پیغمبر ہیں یہ ایک ایسی دائمی سچائی ہے جسے اسلام نے ایک نہایت ہی مؤثر حقیقت کی صورت میں پیش کیا ہے۔"

گویا یہ زبردست منکر بھی اللہ کی وحدانیت اور قرآن مجید کی اہمیت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ اس عظیم اعتراف پر اس لئے مجبور ہوا کہ مورخ ہونے کے لحاظ سے تاریخی حقائق کی بنا پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی۔ کہ قرآنی تعلیمات اور ارشادات رسول حق و صداقت کے آئینہ دار ہیں۔ علاوہ ازیں مغربی مبصرین صرف ان احکام کو الہامات الہٰی تسلیم کرتے ہیں۔ جو ثبوت عقلی پر مبنی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مغربی سیاستدانوں کا مقولہ ہے۔ "کہ سیاسی امور میں مذہب کا کوئی دخل نہیں ہے۔" یہی وجہ ہے کہ بہت سے مغربی سیاست دانوں کا مقولہ ہے۔ "کہ سیاسی امور میں مذہب کا کوئی دخل نہیں ہے۔" یہی وجہ ہے کہ جب یہ لوگ ذرا بھی انصاف سے قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو وہ مجبوراً یہ کہہ اٹھتے ہیں۔ کہ قرآن مجید سیاسی، تمدنی اور اخلاقی قوانین کا بہترین مجموعہ ہے۔ اسی بنا پر مسلمان شروع شروع میں جب تک علم و عمل میں ثابت قدم رہے۔ ہر میدان

میں کامیاب رہے۔

مذہب میں جبر جائز نہیں

غیر مسلم مبصرین یہ سُن کر ورطۂ حیرتُ استعجاب میں ڈوب جاتے ہیں کہ اسلام جبر و تشدد کی اجازت نہیں دیتا اور جب وُہ دیکھتے ہیں کہ احکام جہاد بجالاتے ہوئے ہر مسلم خلوص و ایثار کی مجسّم تصویر ہوتا ہے اور اُس کا ہر فعل خالصتاً للہ ہوتا ہے۔ تو وُہ کروسیڈی فلسفہ کے خلاف احتجاج کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ فرانسیسی مورّخ دُلاڑوں کیبیرٗ نے دانستہ خلیفہ ہارون الرشید کے اُس فرمان کو شائع نہیں کیا۔ جس کی بنا پر پہلے اہل یورپ اور پھر اُس نے اسلامی سلطنتوں کے خلاف مقدّس جنگ لڑنا لازم اور صحیح قرار دیا اور زارِ رُوس اپنے آپ کو ایشیا کے عیسائیوں کا جائز محافظ کہلانے لگا۔ مناسب ہوگا کہ چند اور مغربی اصحاب کے خیالات درج کر دیے جائیں۔

لارڈ لوتھین اور مذہب (LORD LOTHIAN)

لارڈ لوتھین نے ۱۹۳۸ء میں علیگڑھ یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:۔

"آجکل مذہب نہ محض شخصی تخیّل کی بنا پر محبوب بن سکتا ہے اور نہ ہی جذبات مذہب کو برقرار رکھ سکتے ہیں اور اب ایسے مذہب کی بھی دُنیا کو ضرورت نہیں رہی۔ جو انسان کو محض اخلاقی بنا پر اطمینان دلاتا ہے۔ کہ فلاں فلاں عمل سے اُس کی رُوح کو نجات ملے گی۔ کیونکہ مرنے کے بعد کسی کا کیا حشر ہوا

کون بتا سکتا ہے؟"

مذاہب عالم کا نظریۂ جنت

موجودہ سائنٹیفک دور میں ہر مذہب پسند شخص کی انتہائی آرزو یہ ہوتی ہے کہ اُس کا مذہب سائنس کے اُصولوں کے مطابق ہو اور ان سے کسی طرح متصادم نہ ہو۔ اور وُہ یہ کہتا ہے کہ اگر اُسے کوئی مذہب اختیار کرنا ہے۔ تو اُسے ایسے مذہب کی ضرورت ہے۔ جو زمانے کی اُلجھنوں سے نجات حاصل کرنے میں اُس کی دستگیری کرے اور وہ "نروان" کے وعدے وعید جو اُسے کئی بار مرگ اور جنم کے بعد حاصل ہو سکیں گے ہرگز نہیں چاہتا۔ اور نہ ہی وہ ایسے "سُورگ" کا متلاشی ہے۔ جس کی متعلقہ معلومات مہمل سی ہوں اور جسے وہ صرف مرنے کے بعد ہی پا سکتا ہے۔ بلکہ وُہ ایک ایسے مذہب کا متلاشی ہے۔ جو دُنیاوی زندگی میں بھی اُس کی رہنمائی کر سکے اور صحیح طور سے سچّے نتائج سے باخبر کر سکے۔ بالفاظ دیگر مذہب اُس کو یہ بتائے کہ ان اثرات کا جو کہ انسان کو بلندی کی بجائے تباہی کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ کامیاب مقابلہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ وُہ اُسے عالمی تعطّل و جمود کا علاج بتا سکے۔ ظلم و تشدّد، لُوٹ کھسوٹ، غیر ضروری امتیاز، درجہ بندی جنگ اور رُسوم قبیحہ کو ختم کرنے کا ذریعہ بن سکے۔ شخصی اور خاندانی گھریلو معمّوں کو سُلجھانے میں اُس کا مذہب۔ اُس کی رہنمائی کرے۔

ہم اس مغربی مفکر لارڈ لوتھین کو اُس کے ہم وطن پروفیسر گیب (H.A.R.GIBB)

لندن یونیورسٹی کا وُہ بیان دکھانا چاہتے ہیں جو اُس نے اپنی کتاب "وِدھر اسلام" (WHITHER ISLAM) میں لکھا ہے:- "اسلام اپنے بنیادی اُصولوں سے منحرف ہو کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ اسلام مغربی تمدّن کا ایک اہم اور کامل جزو ہے۔ یہ یورپی تمدّن کا وُہ پہلو ہے۔ جو اس کا توازن قائم رکھ رہا ہے۔ کیونکہ ان دونوں کا منبع بھی ایک ہی ہے۔ اور دونوں نے ایک ہی فضا میں نشوونما پائی ہے اگر تاریخ کا وُسعت نظری سے مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آجکل جو اختلافات یورپ اور اسلامی نظریہ میں نمایاں ہو رہے ہیں۔ وُہ درحقیقت اسلام اور عیسائیت میں اُس تفاوت و نزاع کا نتیجہ ہیں جو ہمیں چودھویں صدی سے سولھویں صدی تک نئے چرچ کے جنم لینے کے وقت وقوع پذیر ہوا۔"

یورپین تمدّن اور اسلام

تاریخ کا ہر طالب علم ان مثالوں کو بیان کرتے وقت اس طرزِ عمل کی کمزوریوں سے آشنا ہے۔ بہرحال اُس کو بخوبی سمجھنے کے لئے ماضی کے دو تاریخی واقعات کا مطالعہ ضروری ہے۔ جبکہ دُنیا کے دو حصّوں (ایشیا اور یورپ) میں باہمی مصالحت کے قیام کے لئے جد و جہد شروع ہوئی تھی۔ رُوما کی حکومت نے اپنے اقتدار اور عظمت کے بل بوتے پر دُنیا کے ان دونوں حصّوں کو یکجا کیا اور اس ملاپ سے یورپ کے اس دُنیوی اخلاق نے جنم لیا۔ جس نے دُنیا کے تاریخی واقعات کی رو کو آج تک ایک ہی سانچے میں ڈھال دیا ہوا ہے۔ اُس قدیم زمانے اور دورِ جدید کے نصف ایام میں پہلی بار

اسلام نے اپنا دُہ باشعور و بافہم جہد شروع کیا۔ جس نے ابتدا میں پہلے یُونانی تمدّن اور پھر یہودی اور عیسائی تمدّن و اخلاق کو اپنے میں جذب کیا۔ اور پھر اُس میں سے ایک نیا پھول پیدا ہوا۔ جس کی مہک کے اثرات کے باعث یورپ کے عیسائیوں کا "نیا چرچ" قائم ہوا۔

اسلامی اُصولوں کے اثرات یہاں نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ ان اثرات کا پیدا کردہ تدریجی انقلاب آجکل بھی ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ جو بہت وسیع اور عالمگیر پیمانے پر ہو رہا ہے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اسلامی دُنیا کی پستی کے مقابلے میں یورپ کی عظیم ترین صنعتی ترقی نے ہماری آنکھوں کو چندھیا دیا ہے۔ لہٰذا ہم اصلیت کا صحیح توازن نہیں کر سکے ہیں۔ کیونکہ مغرب کی حیرت انگیز سائنسی ترقی جس نے دین و دُنیا کے نظام کو تہ و بالا کر دیا ہے۔ اس مغربی انتشار کو دوبارہ پابند اُصول بنانے کے لئے پھر اُسی طرح سے میدانِ عمل میں آئی ہے۔ جیسے آج سے تقریباً چودہ سو برس قبل تھا۔

وُہ اسلام جو موجودہ انتشار میں یورپ کا راہنما و معاون ہے۔ اس اسلام سے مختلف ہے۔ جو کہ ہندوستان اور مشرق بعید میں رائج ہے۔ یہ حقیقی اسلام پُرانے دقیانوسی خیالات و رُسوم سے قطعی طور پر مبرّا ہے۔

اسلام کو اپنی معاشی و معاشرتی زندگی میں پھر سے جان ڈالنے کے لئے یورپی سوسائٹی کے تعاون کی ضرورت ہے اور اس ملاپ کے بغیر اسلام زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح سے یورپ کی اخلاقی زندگی بالعموم اور

دنیوی زندگی بالخصوص صرف اُسی وقت ترقی میں کمال درجہ حاصل کر سکتی ہے جبکہ وہ اُن تمدنی اور اخلاقی اُصولوں سے فیضیاب ہو جائے جو کہ اسلام میں موجود ہیں۔ موجودہ دور میں اسلام دو نہایت ہی متضاد گروہوں کے درمیان توازن قائم کئے ہوئے ہے۔ کیونکہ یہ اسلام ہی ہے۔ جو یورپین نیشنل ازم اور روس کے اشترا کی نظام کے مقابلہ میں ڈٹا ہوا ہے اور اُس نے ابھی تک یورپ اور روس کے باشندوں کی مانند معاشی مشکلات کے سامنے ہتھیار نہیں ڈال دئے ہیں۔

اسلام کے بنیادی اُصول

اسلام کے دنیوی اُصول پر پروفیسر میسگنان (MASSIGNON) نے نہایت فاضلانہ طریقے سے یوں لکھے ہیں:۔ "اسلام نے ہر مسلم کیلئے اپنی آمدنی کا دسواں حصہ بیت المال کیلئے وقف کر کے نہایت زبردست فضیلت حاصل کر لی ہے۔ اسلام کثیر منافع کے حصول کے خلاف ہے اور وہ حکومت کے قرضوں اور بنکوں سے سود لینے کے جواز کا بھی قائل نہیں۔ اسلام نے انسانی ضرورت کی چیزوں پر ٹیکس لگانے کی حد قائم کر دی ہیں وہ والدین اور زوجین کے حقوق کو واضح کرتا ہے۔ نجی جائدادوں اور تجارتی مال کے متعلق احکام صادر کرتا ہے یا یوں کہیئے کہ وہ سرمایہ داروں اور اشتراکیوں کے باہمی تنازعوں کو حل کرنے کیلئے اپنے مبنی بر اعتدال قوانین سے ان دونوں کی راہبری و راہنمائی کرتا ہے۔

اسلام خلق خدا کی ایک اور اہم خدمت انجام دے رہا ہے۔ اسلام نے یورپ سے کہیں زیادہ گہرائی اور بُردباری سے مشرقی عوام کے جذبات کی ترجمانی کی ہے مثلاً نسلی عصبیت کا استیصال کر کے عالمی اخوت کے قیام سے اسلام نے اپنی عالمگیر فوقیت

کے جھنڈے گاڑ دئے ہیں۔

اقوام عالم میں کامل یگانگت اور اتحاد پیدا کرکے اسلام نے جو مساوات قائم کی ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کوئی دوسرا مذہب آج تک مختلف ادیان و ملل کے لوگوں کو شیر و شکر کرنے میں کامیاب نہیں ہوا مسلم کائنات ارضی کے جس خطہ میں بھی اقامت پذیر ہوں۔ وہاں کے عوام اور ماحول سے خوشگوار تعلقات استوار کر سکتے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ وہ وہاں اقلیت میں ہوں یا اکثریت میں اور وہاں کے حالات ان کیلئے ساز گار ہوں یا نہ ہوں۔ کیونکہ اسلام کے فطری اور عالمگیر اصول ان کو اس تمدن اور ماحول سے متصادم نہیں ہونے دیتے۔

اگر کبھی بھی مغرب اور مشرق کی با اقتدار اقوام جذبات، بغض وعناد کو خیرباد کہہ کر صلح و آشتی کی جانب مائل ہوئیں تو اس کام کی تکمیل کیلئے اسلام کو ثالث بنانا لازمی ہوگا اور اس طرز عمل سے گریز ناممکن ہے ——— صرف اسلام ہی کے ہاتھ میں ان مشکلات کو حل کرنے کی کنجی ہے اور اسی ثالث کی مدد سے یورپ مشرقی اقوام سے خوشگوار تعلقات قائم کر سکتا ہے اگر یورپ اور اسلام میں کامل توافق و تعاون پیدا ہو جائے تو دنیا میں دائمی امن قائم ہونیکے بہت بڑے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر یورپ نے اسلام سے دوستی کا ہاتھ نہ بڑھایا تو وہ یقیناً اپنے دشمنوں کے قدموں پر گرنے کیلئے مجبور ہو جائیگا اور اس طرح دونوں تباہ و برباد ہو جائینگے

مسٹر گیب کی یہ فاضلانہ اپیل نہایت سنجیدگی سے غور کی محتاج ہے۔ ہم اس اپیل سے متفق ہیں کیونکہ گیب صاحب نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ قرآن مجید کے احکام کی صداقت پر ان کو یقین ہے اور یہ کہ آنحضرت صلعم نبی آخرالزماں ہونیکے لحاظ سے اہم

سابقہ کو حق و صداقت پر چلنے کی دعوت دیتے تھے۔ گیب صاحب بھی مسلمانوں کی طرح محمد صلعم پر نازل شدہ وحی الٰہی کو تسلیم کرتے ہیں اور اسلامی جہاد کو عیسائیوں کا نجات دہندہ تصور کرتے ہیں۔ انکی یہ تمنا ہے اور اپنی قوم سے انہوں نے نہایت پُرزور اپیل کی ہے کہ مسلمانوں کا اعتماد اور تعاون حاصل کرکے بربادی سے نجات حاصل کریں۔

مغربی علماء کی تصریحات کے ساتھ ہم آپکی توجہ چیمسفورڈ کے پادری ڈاکٹر ہنری ڈسن کے بیان کی طرف مبذول کراتے ہیں جو آپنے دی سنڈے ٹائمز ۱۹۳۸ء میں دیا تھا:۔ "یورپ اور انگلستان میں بہت بڑی تعداد میں عیسائی آباد ہیں۔ مگر ہم ان ممالک کو صحیح طور سے عیسائی ممالک قرار نہیں دے سکتے۔ کیونکہ مغربی تمدن نے عیسائیت کو ٹھکرا دیا ہے۔"

آرچ بشپ آف کنٹربری نے بھی ۱۹۴۳ء میں اس قسم کے الفاظ سے مغربی ممالک میں عیسائیت کے زوال کو تسلیم کیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ہم ان مغربی مبصرین اور مشہور فضلاء کے بیانات سے کیا نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب ہم قرآن مجید کی ان چند آیات میں موجود ہے:۔

"اے انسانو! صرف اپنے رب کی بندگی کرو۔ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے ——— آؤ ہم اور تم ایک ایسی بات پر جمع ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور خداوندی میں کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کی بجائے امر و نہی کا مالک نہ بنائے ——— ان لوگوں کا حکم ہرگز نہ مانو۔ جو اپنی حد جائز سے گذر گئے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور

اصلاح نہیں کرتے ———— تم وہ بہترین اُمّت ہو۔ جسے نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو۔ بدی سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔ لہٰذا مسلمان محض تبلیغ کرنے والے واعظین (PREACHER) اور مبلّغین (MISSIONARIES) کی جماعت نہیں ہے۔ بلکہ بوقتِ ضرورت یہ خدائی فوجداروں کی جماعت بھی ہے۔ جس کا کام یہ ہے۔ کہ پہلے مصالحت سے اخلاقی فرائض کو پورا کرے اور جب ضروری ہو۔ ظلم، فتنہ و فساد طغیان اور ناجائز انتفاع کو بزور ہٹا دے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ارشادِ ربّانی ہے:۔

"اُن سے جنگ کرو۔ یہانتک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور اطاعت صرف خُدا کے قانون کی ہو۔ اگر تم ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ رُونما ہوجائے گا اور بڑا فساد برپا رہے گا"

حرفِ آخر

محمد اکبر خان
رنگروٹ

[م بھورل]